علامت
پروفیسر احمد رفیق اختر

علامت

پروفیسر احمد رفیق اختر

(تالیف: کلثوم اسماعیل)

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

اللہ کے لئے......

جس کی یاد سے دل سکون پاتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَاَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَاَنۡھٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَھۡتَدُوۡنَ ۙ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجۡمِ ھُمۡ یَھۡتَدُوۡنَ ۝ اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۝ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (النحل ۱۶:۱۵-۱۸)

اوراس نے زمین میں لنگر ڈالے کہ کہیں تمہیں لے کر نہ کانپے اور ندیاں اور رستے کہ تم راہ پاؤ اور علامتیں اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں۔تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
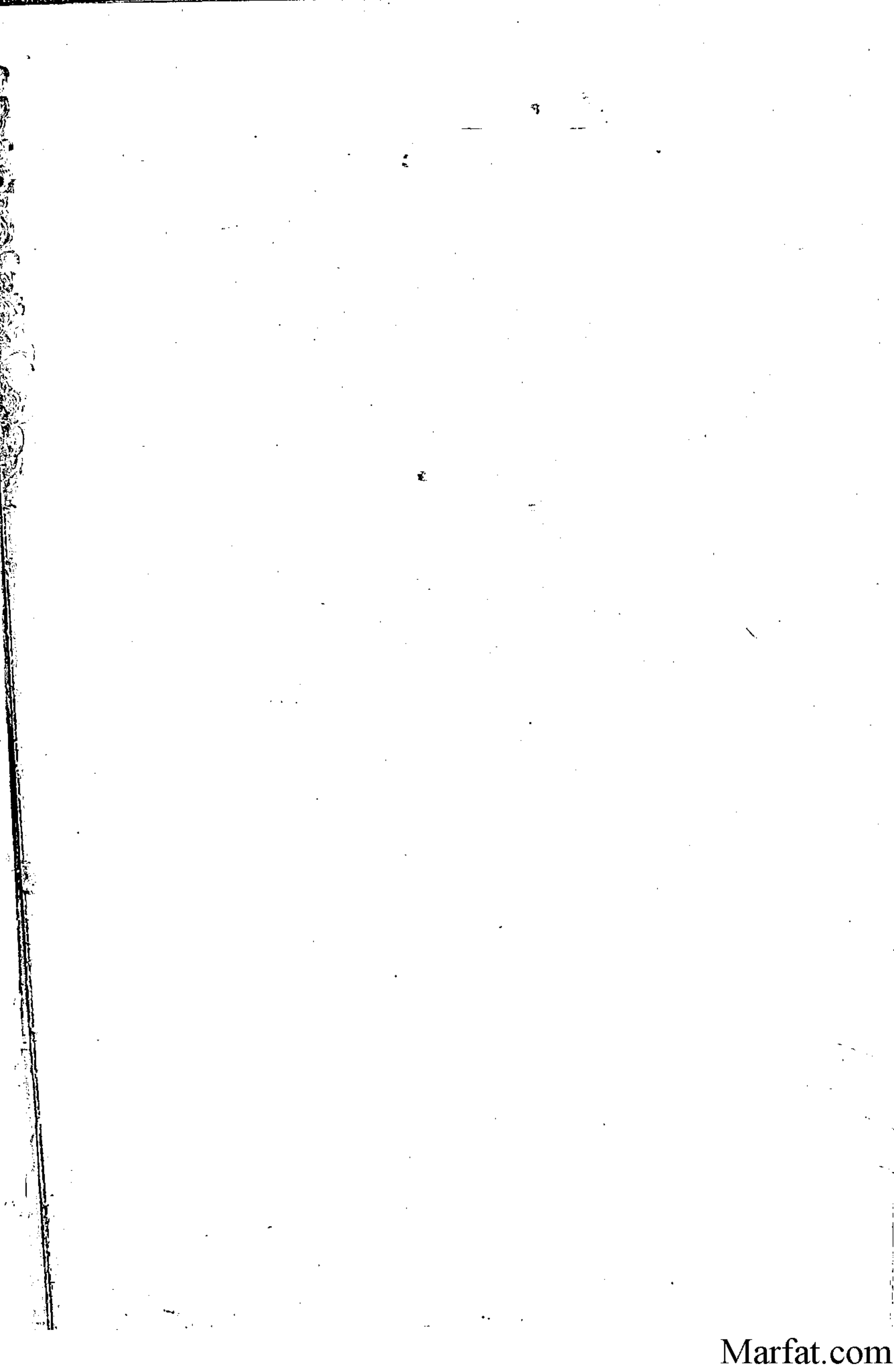
فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
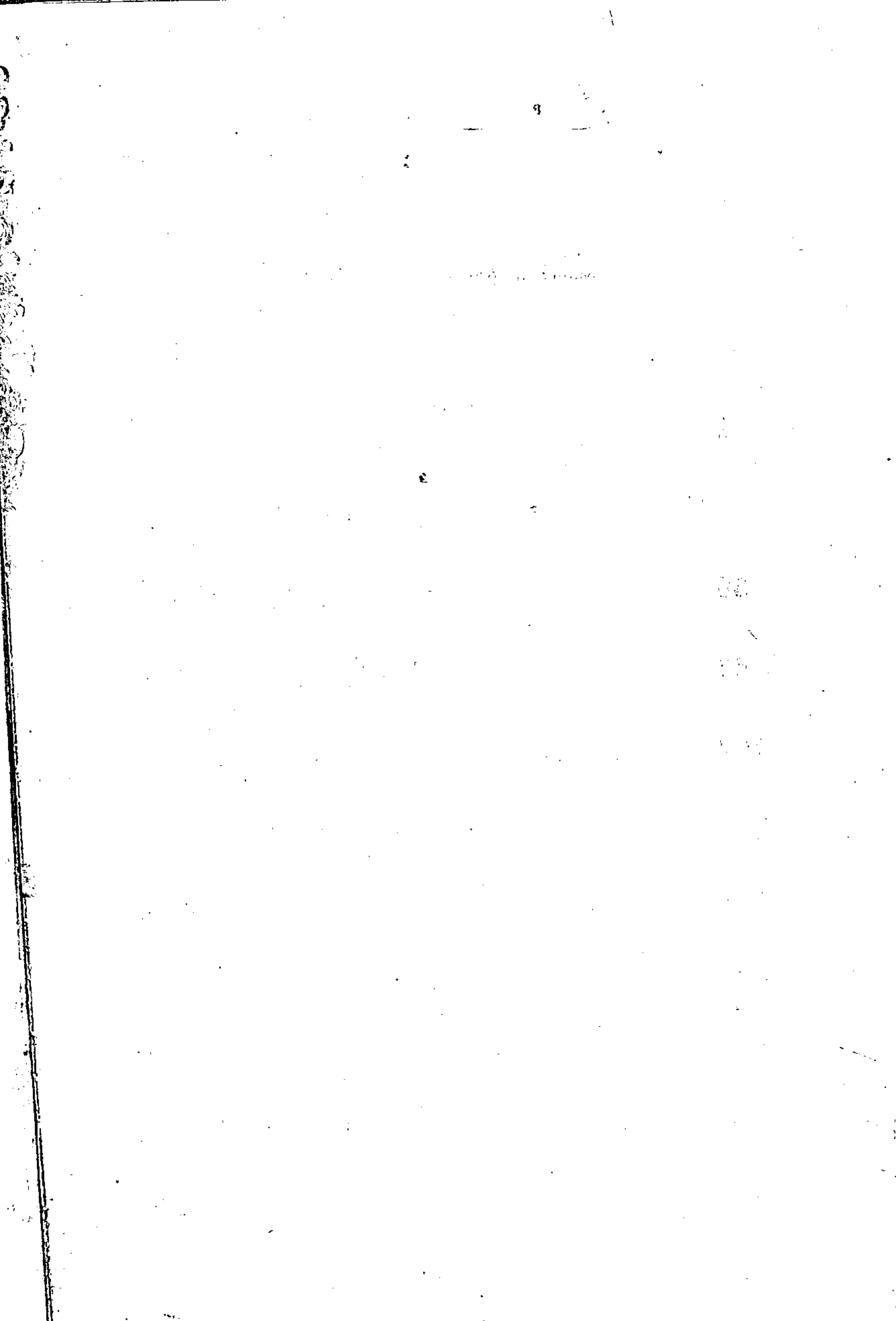
پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب میں پروفیسر احمد رفیق اختر کے کچھ ان لیکچرز کو مرتب کیا گیا ہے جو 2006ء تک مختلف شہروں میں منعقد کئے گئے...... پروفیسر صاحب کے تمام لیکچرز کی DVD,VCDS بھی دستیاب ہیں لیکن وہ زیادہ تر لوگوں کی پہنچ میں نہیں ہوتیں اور ویسے بھی علم اور قلم کے ازلی رشتے کے حوالے سے یہ کتاب ''حقیقتِ اولیٰ'' کے متلاشی لوگوں کے لئے ان کے علمی اور ذہنی ترفع کے سفر میں ایک اور سنگِ میل ثابت ہوگی......(ان شاءاللہ)

''علٰمٰت''...... وہ نشانیاں، وہ signs یا وہ راستے ہیں جو انسان کو اس کی منزلِ حقیقی (اللہ) تک لے کر جاتے ہیں......وہ راستہ جس پر اِس دورِ پرفتن کے شکوک وشبہات اور جدید سائنسی ترقی کے ''تحیر'' کی دُھول اڑتی ہے اور مدتوں سے ہم اُس راستے سے بھٹک کر اپنی کائناتِ عقل میں لاتعداد سوالات کی چبھن کے گرداب میں چکر کھا رہے ہیں......احساسات کے آئینوں میں کون سا عکس پائیدار ہے......؟؟؟ نارسائی کے کرب سے خواہش کا سینہ شق کیوں ہے......؟ رسائی ہو کہ نارسائی کی چبھن...... روحِ انسان پر چھایا، اداسی کا اک گمبھیر احساس کیا ہے؟؟ وجودِ ہستی اگر اک سراب ہے تو پھر حقیقت کیا ہے......؟؟؟ حجاب سے ''اُرے'' سب فنا ہے تو ''پسِ حجاب'' کیا ہے؟ حجاب سے اِدھر غم کی تاریک رات کیا ہے؟؟؟......لیکن اِس دور میں ایک ایسا شخص، ایسا استاد، بھی ہے جسے اللہ نے وہ فراستِ علمیہ عطا کی ہے کہ وہ ذہن و دل کی کائنات میں اٹھنے والے ہر سوال کا جواب قرآن وحدیث کے حوالے سے اس طرح دیتے ہیں کہ رفتہ رفتہ حجاب اٹھتے چلے جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ:

پسِ حجاب ہے روشنی کا اک عجب سلسلہ......

پروفیسر احمد رفیق اختر یہ سبق بہت اچھی طرح سے ذہن نشین کراتے ہیں کہ ہر جذبہ و خیال فنا پذیر ہے مگر ''خیالِ خدا''، ''اس کی محبت'' وہ گوہرِ شب تاب ہے کہ کوئی اندھیری رات اس کی روشنی کو کم نہیں کر سکتی...... یہی وہ محبت ہے جو چاند کی منزلوں کی طرح زوال کا سفر نہیں طے کرتی بلکہ سورج کی طرح ہستی دل پر جگمگاتی رہتی ہے...... جس کی روشنی میں دور تک صاف دکھائی دیتا ہے......

اسی ''محبت'' کو پروفیسر احمد رفیق اختر ''تصوف'' کہتے ہیں۔ یہی وہ محبت و اخلاص ہے جو انسان کو بالآخر ''حقیقتِ اولیٰ'' تک رسائی کے رستے پر ڈال دیتی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو ''اصل زندگی'' ہے، ''حقیقی خوشی'' ہے اور ''اصلِ کائنات'' ہے۔ موجودہ عصرِ دجال اگر اک صحرا کی مانند ہے تو پروفیسر احمد رفیق اختر کا وجود اک ''نخلستان'' کی طرح ہے......

کسی کی زبان سے ادا کی ہوئی بات کو اسی جذبے، اسی تاثر کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لانا کس قدر مشکل کام ہے......!!! اور اگر وہ الفاظ، وہ اندازِ بیان، وہ علمی سطح اور سب سے بڑھ کر زبان کی اس تاثیر کا مالک پروفیسر احمد رفیق اختر جیسا استاد ہو تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ سماعت سے دل تک کا سفر احساس کی جس خوشبو سے لبریز ہوتا ہے...... اسے کس طرح تحریر کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے......!!!! جب وہ ''پروردگارِ عالم'' اس ''شہنشاہِ کُل'' کا ذکر کرتے ہیں اور اُس ''دلبرِ زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی رحمت کا تذکرہ کرتے ہیں تو اُس وقت فضا جس خوشبو سے لبریز ہوتی ہے، سننے والے اس سے بخوبی آشنا ہیں...... یہ بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ پروفیسر صاحب کے لیکچرز کو انہی کے انداز میں نقل کیا جائے۔ ہم پروفیسر صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کام ہمیں سونپا جو کہ ہمارے لئے ایک اعزاز ہے اور ان کی دعا کی برکت سے ہم اس کو مکمل کر پائے......

''وَمَا توفِیقِی اِلاَّ بِاللّٰہ......

جنگل جنگل ڈھونڈا کس کو

جنگل سے بھی دور

صحرا صحرا چھانا کس کو

صحرا سے بھی دور

دریا دریا کس کی روانی

دریا سے بھی دور

سات سمندر رستے میں تھے

اور ان سے بھی دور

چہرہ چہرہ پرکھا کس کو

چہروں سے بھی دور

آئینہ آئینہ نقش مٹائے

آئینوں سے بھی دور

جو وقت کے ماتھے پر لکھی تھی

یاد ہے کس کو "ازل کہانی"؟؟؟

اپنے شفیق استاد کے لئے ان کی صحت وتندرستی اور عمرِ دراز کی دعاؤں کے ساتھ:

(کلثوم اسماعیل)

7 فروری 2007ء

نظریہء زندگی بعد از موت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین وحضرات! چکوال سے میرا ایک ذاتی تعارف بھی وابستہ ہے۔ یہ علاقہ یہ جگہ میرے بڑے پرانے دوستوں کی ہے، بڑی محبتوں کی جگہ ہے۔ یہاں سے میں نے گریجویشن کی، نہ صرف گریجویشن کی بلکہ اس کالج نے ایک تین ماہ کے آئے ہوئے طالب علم کو صدر چنا بلکہ سب سے پہلا شخص جس نے شاید میری آنے والی زندگی کی نشاندہی کی، وہ میرے ایک پروفیسر تھے فریدی صاحب...... میں انگریزی مجلّے کا مدیر تھا۔ کالج میں تو "شمشیر" کے اردو حصے کی صدارت کا وقت آ گیا تو میرے ساتھ جو طالب علم تھے اور ماشاءاللہ میں یہ بات آپ کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا بلکہ جب بھی کبھی بات ہوئی تو میں نے چکوال کی عمومی ذہانت کی بڑی تعریف کی، اگرچہ یہ بات بڑی مشہور تھی کہ چکوال کا سپاہی لڑتے ہوئے بغیر کسی instruction کے جگہ بدل دیتا ہے۔ اپنے ڈیفنس کو بھی اتنا ہی بھرپور استعمال کرتا ہے جتنا aggression کو۔ اس کے برعکس دنیا کے بعض بڑے اچھے سپاہی مورچہ ہی نہیں چھوڑتے اور وہیں وفات پا جاتے ہیں...... تو حضراتِ گرامی! بہت سارے بڑے ذہین طالب علموں کے باوجود فریدی صاحب نے اردو ادارت کے لیے بھی جب میرا نام چنا تو میں ان کے حضور حاضر ہوا، مجھے یہ بے انصافی لگی اور میں نے کہا کہ بہت اچھے طالب علم اردو کے موجود ہیں۔ بڑے ذہین، بڑے ادیب تو آپ مجھے کیوں اسکا مدیر مقرر کر رہے ہیں، میں تو پہلے ہی انگریزی کا مدیر ہوں، تو انہوں نے ایک بڑی عجیب سی بات مجھے کہی جوان دنوں میں مجھے بڑی یاد آتی ہے، اب تو وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں.....تو مجھے کہنے لگے کہ "دیکھو بھائی! باقی طالب علم روز آتے جاتے ہیں، احمد رفیق دوبارہ نہیں آئے گا اور میں کسی قیمت پر بھی اسکی تقصیرِ عزت نہیں کر سکتا"۔ مجھے اس وقت وہ بڑی مبالغہ آمیز بات لگی۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا کہ میں اللہ کے لیے یا اسکے قانون کے لیے یا اسکی کتاب کے لیے وقت کے ساتھ ساتھ مسلسل ایک فکری جدوجہد کروں گا۔ مجھے اس لیے

بھی آپ سے، اس علاقے سے، اُس کالج کی روایات سے بڑا تعلق ہے۔

حضراتِ گرامی! جو موضوع مجھے عطا کیا گیا ہے، یہ ایک مابعد الطبیعاتی موضوع ہے یعنی یہ حقائق کی دنیا سے آگے گزر جانے کا موضوع ہے۔ طبیعات اور مابعد الطبیعات میں ایک چھوٹا سا فرق ہوتا ہے جیسے طریقت شریعت کی نیت ہوتی ہے اور خیال عمل کی اساس بنتا ہے، اسی طرح مابعد الطبیعات طبیعات کی نیت ہوتا ہے، قیاس ہوتا ہے، گمان ہوتا ہے، رائے ہوتی ہے اور پھر جب وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی فکر، اسکا عمل، اس کی ہمت، اسکے تجربات، اسکے مشاہدات اُس خیال کو عمل میں ڈھال لیتے ہیں تو وہی بات جو پہلے مابعد الطبیعات میں ہوتی ہے بعد میں طبیعات کا حصہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح مابعد النفسیات اور نفسیات میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اگر آپ نفسیات کی پچھلے پندرہ برس کی تھوڑی سی history پڑھیں تو نفسیات پہلے ''science'' نہیں تھی۔

نفسیات کے علوم کو پہلے سائنسی علوم نہیں سمجھا جاتا تھا مگر جب observation کا قانون لگا دیا گیا، مشاہدات لگا دیے گئے تو کچھ ایسے scientific pattern پر وہ ساری باتیں آ گئیں کہ اب نفسیات کو بھی ایم ایس سی نفسیات کہا جاتا ہے یعنی اس پر بھی سائنس کا اطلاق ہو گیا ہے اور بہت ساری ایسی باتیں جو پہلے مابعد النفسیات تھیں، اب نفسیات کے موضوع میں شامل ہو گئی ہیں۔ حضراتِ گرامی! ایک موضوع جو ہمیشہ سے مابعد الطبیعاتی اور مابعد النفسیاتی رہا ہے، وہ ''اللہ'' ہے۔ اللہ ایک ایسا موضوع ہے اور رہے گا جو شاید ابدی کائنات تک انسان کے حواس خمسہ سے بالا ہے۔ ایک ایسا ترفع، ایک ایسی آفاقی حقیقت ہے جو انسان کے ذہن کو بہت سارے سوالات سے آشنائی دیتا رہے گا اور حضراتِ گرامی! اگر یہ احسان پروردگار نہ کرتا، اگر اللہ غیب میں نہ ہوتا تو انسان کی کوئی ذہنی ترقی ممکن نہ ہوتی۔ سب سے پہلا تجسّس، سب سے پہلی تحقیق، سب سے پہلا مسئلہ جو انسان کے آباد ہونے کے بعد زمین میں Homo-Erectus سے Homo-Sapiens کے بعد سے پہلا سوال جو انسان کو تنگ کرتا رہا وہ ایک قانون سازی تھی۔ قتل و غارت، تباہی، ہلاکت، بربادی اس درجہ بلندی پر پہنچ گئی تھی کہ عمرانیات میں ایک ایسا لمحہ آیا، تاریخِ انسان میں ایک ایسا لمحہ آیا کہ جب یہ نسلِ انسانی مکمل خاتمے پر پہنچ گئی تو چند بزرگ جمع ہوئے اور اکٹھے ہو کر انہوں نے سوچا کہ آخر انسانی زندگی کو preserve کیسے کیا جائے۔ اگر ہم ایک آدمی کے بدلے ایک خاندان قتل کرتے رہے اور ایک قبیلہ قتل کرتے رہے تو اس طرح تو ہم سارے ختم

ہو جائیں گے تو سب سے پہلا قانون جو انسانی معاشرے نے دریافت کیا وہ قانونِ قصاص تھا
اور حضرات ! قانون نہ بننے کی بھی ایک وجہ تھی اور وہ وجہ یہ تھی کہ میرا بنایا ہوا قانون، نظام،
انکا system جاری نہیں ہو سکتا تھا جب تک کوئی عدل کی نوعیت کا حکمران نہ ہوتا، جب تک
انسانی معاشرے کو قتل و غارت سے بچانے والی کوئی ایسی قوت، کوئی ایسا قانون نہ ہوتا جو انسانی
زندگی کو تحفظ دے سکتا۔ قرآنِ حکیم، جو قانون درج کرتا ہے وہ قانون انسانی معاشرے کی بقا کا
باعث بنا، وہ قانون انسان کی تاریخ کا باعث بنا۔ ورنہ یہ elimination کے
process سے گزرتے ہوئے سارے کا سارا معاشرتی انسان ختم ہو جاتا تو اللہ نے فرمایا:

"وَلَكُم فِي القِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الاَلبَاب"

(اے اہلِ عقل! اے اہلِ فکر! غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھ دی۔)

یہ قرآن کی ان آیات میں سے ہے جن کی بلاغت، جن کی فصاحت، جس کے مطالب ادبِ عالیہ
کے اعلیٰ ترین نمونوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔ یہ بڑی مختصر سی، بڑی جامع، بڑی مکمل
اور اپنے اندر ایک پوری تاریخِ عمرانیات سمیٹے ہوئے ہے۔

حضراتِ گرامی! دنیا کا سب سے پہلا قانون دان Babylonian
Civilization کا Prince Hammurabi ہے...... اور قصاصِ قرآن میں اللہ نے
کیا دیا؟ اگر آپ آیاتِ قصاص پڑھیں۔

" اَلحُرُّ بِا الحُرِّ وَالعَبدُ بِالعَبدِ اَلسِّنُّ بِا السِّنّ " (البقرة 178:2)

کہ "اعضاء کے بدلے اعضاء، عورت کے بدلے عورت، غلام کے بدلے غلام" اور پھر
قصاص کو مختصر کرتا ہوا اللہ کہتا ہے: کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، جان کے بدلے
جان" اور حضراتِ گرامی! اگر آپ اس دور کے کتبے دیکھیں جو پرنس Hammurabi نے اس
زمانے میں قانونِ قصاص دیتے ہوئے مختلف جگہوں پر نصب کیے تو سب سے پہلا جو قانون
نصب ہوا، وہ قانونِ قصاص تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے
کان، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت...... حضراتِ گرامی! انسانی معاشرے کی
ابتداء میں خدا کے وجود میں بہت سارے اعتراضات پہلے بھی اٹھتے رہے، اب بھی موجود ہیں۔
عمرانیات کے مفکرین نے کہا کہ "اگر خدا نہ ہوتا، اگر اللہ نہ ہوتا تو انسان کوئی نہ کوئی اللہ بنا لیتا تاکہ
معاشرتی نظام درست رہے۔"

پھر Socialists Marxists آئے۔ انہوں نے کہا کہ ''خدا کا وجود تو محض تسلی فقراء ہے''۔ صبر و جبر کی کیفیتوں میں جو لوگ الجھے ہوئے ہیں اور جو امراء اور صاحبِ مال ہیں، جو بورژوائی یہ چاہتا ہے کہ Proletariat بغاوت نہ کریں، جو صاحبِ مال اور اقتدار یہ چاہتا ہے کہ غریب بغاوت نہ کرے، اسکو جو نشہ دیتا رہتا ہے .... جو افیون اسے پلاتا ہے .... وہ ''اللہ'' ہے...... کہ ویسے تو وہ صبر نہیں کرے گا۔ ان فلاسفہ نے تاریخ کا دوسری طرح سے مطالعہ کیا اور ان کا خیال تھا کہ تمام حیات غلام و آقا کی جنگ ہے۔ غریب اور امیر کی جنگ ہے۔ صاحبِ مال کی اس سے جنگ ہے جس کے پاس مال نہیں ہے اور بالآخر یہ جنگ چلتی چلتی ایک thesis اور ایک anti-thesis اور ایک synthesis بنا۔ الفاظ جو بھی اسے دیں...... سادہ ترین الفاظ میں یہی ہے کہ غریب اور امیر کی ایک طویل جنگ ہے۔ اقتدار اور مجبور کی مجبوری کی ایک طویل جنگ ہے، جس سے گزرتا ہوا انسان بالآخر ایک ایسے مقام پر آ جاتا ہے بقول مارکسی فلاسفی کے کہ جہاں نہ مجبور ہوگا، نہ اقتدار ہوگا۔ دونوں balanced ہونگے اور ایک Classless society exist کرے گی۔

یہ آج کی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی نوشیروان عادل کے زمانے میں Manichaean religion میں Equality of oppurtunities اتنی زیادہ تھی، اشتراکیت اتنی زیادہ تھی کہ وہ ایک عورت کو بھی معاشرے کا حق سمجھتے تھے اور ان میں عورتیں بالکل اسی طرح سے شرکت میں آتی تھیں جیسے آجکل oppurtunities کا نام لیا جاتا ہے۔ مال واسباب کا نام لیا جاتا ہے۔ وہ اپنے وقت میں کچھ عرصہ flourish ہونے کے بعد تباہ ہو گئے اور Marxian religion بغیر classless کو پہنچے ختم ہو گیا۔ اتفاق دیکھئے کہ اس پر classless کی نوعیت کی stage ہی نہیں آئی اور Socialist Marxist معاشرہ آگے بڑھتا ہوا بالآخر Politburo اور عام لوگوں کے concept تک آ گیا جہاں چند ایک حکمرانوں کے پاس اتنی قوت کا ارتکاز ہو گیا کہ باقی لوگوں نے اسی ناانصافی سے سفر کرنا شروع کر دیا اور آج تک سوشلسٹ فلاسفی پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا کہ جب ہم یہ تصور کریں کہ ان میں کوئی کلاس موجود نہیں تھی۔

اس کے بعد دورِ حاضر کے بڑے پڑھے لکھے دانشور لوگ آئے۔ میں ان کے نام تو آپ کو بتادوں گا، مختصراً ان کا خیال بھی بتادوں۔ ان میں لارڈ برٹرینڈ رسل اور Wittgenstein

مشہور ہیں۔ان لوگوں نے کہا کہ جس چیز کا data ہی کوئی نہیں، اس کو ہم خدا کیسے مان لیں۔باقی سب چیزوں کا ڈیٹا موجود ہے۔کسی نہ کسی کو شق مل جاتی ہے، کوئی حقیقت مل جاتی ہے، کوئی سراغ مل جاتا ہے مگر یہ ''اللہ'' کیسا ہے؟ جس کو صدیوں سے انسان مانتا چلا آرہا ہے مگر اسکا کوئی سراغ نہیں ملتا۔نہ اسکے وجود کا، نہ اسکی موجودگی کا، نہ اسکا کوئی ناک نقشہ موجود ہے۔زمین پر ان کے بقول جس چیز کا sense data موجود نہ ہو وہ non-sense ہے۔ So Allah is a non-sense-ان کے نزدیک اللہ non-sense ہے کیونکہ اسکا تو کوئی شمار، کوئی کتاب، کوئی حساب موجود ہی نہیں ہے۔

حضراتِ گرامی! پھر Semantics کے فلاسفر اٹھے، یہ دانشورانِ عصر ہیں...... انہوں نے کہا کہ language میں بڑی خرابی ہوتی ہے، پیاز کے چھلکے کی طرح...... جیسے کسی بڑی تہذیب میں حضور، قبلہ، بندہ پرور، آداب وغیرہ اور دل میں آپ اس کو گالیاں نکال رہے ہوں تو الفاظ کے انبار لگانے سے کسی چیز کی حقیقت ثابت نہیں ہو جاتی۔ہم نے اللہ کے گرد اتنا انبار لگا دیا ہے الفاظ کا کہ ہوسکتا ہے کہ پہلا انسان کسی کھیت سے گزرتی سرسراتی ہوئی ہوا سے ڈرا اور اس نے اسے اللہ کا نام دیا...... پھر آپ نے مسلسل نام دینے شروع کردیئے۔اسے ''جبّار'' کہا ''قہار'' کہا۔اسے ''عزیز'' کہا، اسے کیا کچھ نہیں کہا...... جب یہ سارے پردے اترتے ہیں، جب یہ چھلکے اترتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بیچ میں تو کچھ نہیں تھا، یہ ساری الفاظ کی چادریں تھیں جو آپ نے خیال پر ڈالی ہوئی تھیں، حقیقتاً تو اللہ وجود میں نہ تھا نہ کوئی ایسا امکان موجود تھا۔

حضراتِ گرامی! اگر ان اعتراضات پر آپ غور کریں تو ان میں صرف ایک نقص ہے۔ یہ جتنے بھی اچھے اعتراض تھے، انہوں نے بڑی مخلوقِ خداوند کو گمراہ بھی کیا بلکہ ان کے اپنے بقول سیدھے راستے پر ان کو چلایا اور وہ اللہ سے نجات پاگئے اور آج بھی پانچ ارب لوگ جو ہیں اس تصور کو کوئی اہمیت نہیں دیتے...... لے دے کے ہم مسلمان ہیں۔ہم مسلمانوں کے پاس بھی اللہ ایک فرضی وجود کی طرح حیثیت رکھتا ہے۔اللہ ہمارے خیال میں مداخلت نہیں کرتا۔اللہ ہماری جبلتوں میں مداخلت نہیں کرتا۔جب ہم قتل کرنے لگتے ہیں تو اللہ مداخلت نہیں کرتا، چوری کرنے لگتے ہیں تو اللہ مداخلت نہیں کرتا...... زنا کرتے ہیں تو ہمارا اللہ مداخلت نہیں کرتا، شراب پیتے ہیں تو اللہ مداخلت نہیں کرتا...... یہ اللہ ہم میں کہاں موجود ہوتا ہے؟ اسکا بھی کوئی پتہ نہیں چلتا۔

حضراتِ گرامی! ہمارے اور یورپ کے اعتقادات ایک طرح سے ہیں۔فرق صرف

اتنا ہے کہ وہ اللہ کو اتنی حیثیت ہی نہیں دیتے اور ہم صبح وشام ،لمحہ لمحہ، گھنٹہ بھر ہم اس کی بحث اور گفتگو کرتے ہیں اور خدا ہمارے وجود اور خیال میں کہیں بھی نہیں ہوتا۔ یہ ہم سے اس کی دوری اور غیریت کا ثبوت ہے۔ اگر آپ ان تمام فلسفیوں پر غور کرتے تو بدقسمتی سے آپ کو ایک شناسائی ہوتی اور وہ بدقسمتی یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے اللہ کو ڈھونڈا نہیں، ذہنی کاوش نہیں سمجھا۔ انہوں نے مسائلِ زندگی کو حل کرتے ہوئے خدا کو مختلف پہلوؤں سے آشکار کیا۔ انہوں نے انسانی معاشرے پر گفتگو کرتے وقت کہ اللہ اس معاشرے میں چونکہ موجود ہے تو اس کے موجود ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔

لارڈ رسل سے کسی نے پوچھا کہ ''تو نے قرآن پڑھا ہے؟'' تو اس نے کہا: ''میں خواہ مخواہ قرآن پڑھوں، میں نے بائبل جو پڑھی ہوئی ہے، وہ تو کسی کام کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن بھی تو بائبل کی طرح ہوگا''۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں تھا۔ قرآن بالکل بائبل کی طرح نہیں تھا۔ اسی طرح جو لوگ Semantics میں تھے، ان کے نزدیک خدا ایک تصور ہے جس میں پیاز کے چھلکے چڑھے ہوئے ہیں۔ دراصل ان میں سے ایک شخص نے بھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ فلسفی جو اتنی غرقابیٔ فکر میں رہتے تھے، جو مسلسل جدوجہدِ فکر میں رہتے تھے، اگر آپ سچ پوچھیں تو وہ اللہ کی فکر میں نہیں رہتے تھے۔ ابھی میں امریکہ سے واپس آ رہا تھا تو mathematics کے ایک بہت بڑے پروفیسر جو Head of the Department تھے۔ اس کے ساتھ میری گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ مجھے کہنے لگا کہ ''تم خدا کو جانتے ہو''؟ میں نے کہا: ''بقدرِ ظرف جانتا ہوں''۔ تو اس نے کہا: ''میں نہیں مانتا، اس لیے کہ چودہ برس اللہ کے لیے میں نے بھی غور و فکر کیا ہے۔ مگر میں نے اسے کہیں نہیں پایا'' تو میں نے اسے جواب میں کہا کہ God is not a lesser priority.

خدا ثانوی ترجیح نہیں ہے۔ وہ مخلوق کا خالق، زمین و آسمان کا خالق ہے۔ وہ کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے۔ ثانوی ترجیح نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے آپ کو ترجیح اوّل سے نیچے نہیں گراتا۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا کو ڈھونڈے، اسے پہلے اس قانون کو مدنظر رکھنا ہوگا کہ وہ آپ کو بیوی بچوں کی تلاش کے بعد نہیں ملتا، وہ آپ کو اپنے status کی تلاش کے بعد نہیں ملتا۔ وہ آپ کو اپنے رزق کی جدوجہد کی تلاش کے بعد نہیں ملتا۔ یہ اس کا فخر ہے کہ وہ خالق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ مطلق ہے۔ وہ اپنے آپ کو اپنی مخلوق کی سطح سے نیچے گرانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اگر وہ

لوگوں کو نہیں ملتا تو محض اس لیے نہیں ملتا کہ آپ اپنے ذہن کی ترجیحات میں اسے وہ حیثیت نہیں دیتے جس کا وہ حقدار ہے۔اللہ اس کائنات کی ترجیحِ اوّل ہے۔اللہ اپنی بڑائی اور کبر میں کسی قسم کی رعایت نہیں دیتا۔پروردگار کا فرمان ہے کہ ''جو کبریائی کرتا ہے، وہ مجھ سے میری چادر چھینتا ہے اور میں اس کے خلاف براہِ راست جنگ کروں گا''۔یہ اسکی کبریائی ہے جو اس کو منع کرتی ہے۔وہ اپنے وجود میں اس چیز سے تنافر رکھتا ہے کہ میرا ہی بندہ مجھے میری ہی مخلوقات سے lesser ترجیحات پر تلاش کرے، اس لیے وہ آپ کو نہیں ملتا۔

مگر ذہناً قلباً..... خواہ آپ کوشش نہ بھی کر سکتے ہوں، خواہ آپ کے اعمال کتنے برے ہوں، اگر آپ ذہناً اور قلباً یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ ترجیحِ اوّل ہے تو ربِّ کعبہ کی قسم! اس کو آپ تک رسائی سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔کوئی شے اسکو آپ تک رسائی سے نہیں روک سکتی۔مگر وہ چاہتا یہ ہے کہ جس چیز سے میں نے انسان کو ممیّز کیا، جس چیز پر میں نے ناز کیا کہ میں انسان کو وہ نعمت عطا کر رہا ہوں، وہ خصوصیت عطا کر رہا ہوں، جس کی وجہ سے یہ احسن تقویم ہے۔اگر آپ اس نعمت کو ہی properly استعمال کیے بغیر خدا کو جاننا چاہیں گے تو وہ آپ کو نہیں ملے گا۔قطعاً نہیں ملے گا..... وہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں عقل و شعور صرف اس خاطر دی کہ چاہو تو میرا انکار کرو، چاہو تو مجھے مان جاؤ......

حضراتِ گرامی! جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں اگر آپ غور کریں تو وہ ایک جگہ رکے ہوتے ہیں۔میں اللہ کے اقرار کے باوجود آپ سے ایک بڑی سادہ سی بات کہہ رہا ہوں کہ آج بھی اگر کوئی مجھے معتبر دلیل ملے گی خدا کے خلاف تو میں ضرور قبول کروں گا۔ذہنِ انسان رکنے کے لیے نہیں ہوتا۔یہ اس سیلاب کی طرح ہوتا ہے کہ اس کی لہر دوبارہ وہیں سے نہیں گزرتی۔پینتیس سال جس ریسرچ میں، جس نظریہءخدا کے concept میں، مَیں نے گزارے، اس کے بعد جب مجھے حتمی یقین ہو گیا کہ خدا کے خلاف کوئی دلیل نہیں رہی..... تو پھر میں نے اسے تسلیم کیا۔اس کو تسلیم کرنے کے بعد آج تک میرا ذہنی سفر جاری رہا اور بڑی کوشش کی..... میرا بھی یہ دل کرتا ہے کہ میں آزاد ہو جاؤں..... کون ایک جابر و قاہر خدا کے سائے میں زندگی بسر کرے؟ کس کی خواہش ہے کہ ہماری جبلتوں پر ہمیشہ عقل کا سایہ پڑا رہے۔میں بھی وہی چاہتا ہوں جو ایک عام انسان چاہتا ہے۔ایک یورپی چاہتا ہے، ایک امریکی چاہتا ہے، ایک برٹش چاہتا ہے مگر مجبوری یہ ہے کہ آج تک مجھے اللہ کے خلاف کوئی ایسی معتبر دلیل نہیں ملی اور جو ملی ان میں بڑے بڑے نقائص تھے۔

سب سے بڑا نقص تو علم ہی کا تھا۔ خدا کا انکار کرنے والا ہمیشہ ایک کمتر درجے کے علم پر رکا ہوا ہوتا ہے۔ اسکی معلومات اس کے تفکر سے آزاد ہوتی ہیں۔ اس کے غور و فکر کا معیار یہ ہوتا ہے کہ چند لوگوں کی opinions پر وہ اپنے علم کی بنیاد رکھتا ہے اور وہ اپنی سوچ کو آج سے کوئی دس سال پہلے یا پندرہ سال پہلے کے علم تک محدود کر لیتا ہے۔ ایک transition، ایک دوران، ایک گزرتے ہوئے وقت میں آپ کسی چیز پر کوئی مکمل فیصلہ نہیں دے دیتے۔ قرآن کی وہ آیات جو آج سے پہلے متشابہات تھیں۔ آج ان کے معنی بڑی اچھی طرح سمجھ میں آ رہے ہیں اور متشابہات کا مطلب بھی وہی تھا...... یہ نہیں تھا کہ قرآن نا قابلِ فہم تھا مگر اللہ نے اس پر یہ نصیحت لگائی تھی کہ دیکھو متشابہات زمان و مکاں کے ساتھ ساتھ نکلیں گی۔ کچھ آیات ایسی ہیں جو تمہیں اس وقت سمجھ میں نہیں آئیں گی تو اس وقت اپنے اللہ اور رسول ﷺ پر اعتبار رکھنا اور علوم میں تجسّس کرتے رہنا۔ ایک وقت آئے گا کہ تمہیں یہ سارا کچھ روزِ روشن کی طرح نظر آئے گا اور میری آیات بالکل واضح اور بیّن چمکتے ہوئے سورج کی طرح تم پر طلوع ہونگی مگر اس وقت تک انکار نہ کرنا۔

حضراتِ گرامی! عقل جہاں رکتی ہے وہاں ایک بت پیدا ہو جاتا ہے۔ عقل جہاں رکتی ہے وہاں بت خانہ تعمیر کرتی ہے۔ انسان جہاں سوچنا بند کرتا ہے، وہاں جاہل ہو جاتا ہے، سوائے اللہ کے کہ اللہ کے ساتھ جانے والا انسان کبھی سوچنا بند نہیں کرتا۔ اسکے علم میں اور دوسرے کے علوم میں، اس کی شناخت میں اور دوسروں کی شناخت میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے...... یہی اہلِ دل کی، یہی اہلِ صفا کی علامات ہیں۔ یہی ان صوفیاء کا شعور تھا کہ جو تمام زندگی ایک عقلی وجدان کے ساتھ اپنے رب کے حصول میں اس درجہ مطمئن رہے اور یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ ارسطو اور افلاطون سے لیکر اور پھر جنید بغدادیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، علی بن عثمان ہجویریؒ تک ان تمام لوگوں کا معیارِ عقل normal سے بہت زیادہ تھا...... بہت زیادہ یعنی ان کی شعوری کاوشیں دوسرے لوگوں کی کاوشوں سے بہت زیادہ تھیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان کرامات کے افسانے رہ گئے مگر ان کی میراثِ عقل آگے نہیں بڑھی۔ ان کا شعور آگے نہیں بڑھا۔

میں ان صوفیوں میں سے ایک صوفی کی آپکو بات بتاتا ہوں..... صرف ایک آدمی کی..... کہ وہ کس درجہ ذہین لوگ تھے۔ Agnostics...... یونانی فلسفہ کی ایک شاخ ہے جو علم کے وجود کو نہیں مانتے، اسی طرح خدا کو نہیں مانتے۔ ایک agnostic سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہمارے نزدیک تو تمام علم بے سود ہے اس لیے کہ کوئی مسئلہ حل نہیں کرتا۔ تو

شیخ ؒ نے فرمایا کہ ''تُو نے یہ فیصلہ کس طرح کر دیا؟ جہالت کی بنیاد پر کہ علم کی بنیاد پر...... اگر تُو نے علم کی بنیاد پر یہ فیصلہ دیا ہے تو پھر تو تیرے اپنے اندر تناقص اور تضاد ہے کہ تُو نے ایک علمی فیصلہ علم ہی کی بنیاد پر اسکے خلاف دے دیا ہے اور اگر بغیر علم دیا ہے تو تُو جاہل مطلق ہے۔ تیری بات وزن ہی نہیں رکھتی''۔

حضراتِ گرامی! خواب پر ایک مسئلہ مجھے درپیش تھا۔ خواب کی تعبیر پر میں نے یورپی اور مشرقی سارے فلاسفر پڑھ دیئے۔ ایک طرف اگر ابنِ عربی اور امام جعفر صادق اور امام ابنِ سیرین پڑھے تو دوسری طرف فرائیڈ، ہیوم، ایڈلر اور قریباً قریباً ان کی تمام اصطلاحات دیکھیں، symbolic interpretations دیکھیں مگر کہیں بھی وہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ مسئلہ کی پیچیدگی نے مجھے زیادہ پریشان کر دیا...... حیران اور سرگرداں کتابوں کے ورق الٹنے سے حاصل بھی کچھ نہیں ہو رہا تھا تو اتفاق دیکھئے کہ ایک کم مستند کتاب مجھے ملی۔ شاید میں نے اسے پہلے کئی مرتبہ پڑھا تھا مگر اس وقت تک اس کتاب میں وہ چیز میں نے شاید کبھی نوٹ نہ کی تھی۔ تو میں نے ''غنیۃ الطالبین'' میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی وضاحت خواب کے بارے میں وہ جو اشکال تھا مجھے، جو پیچیدگی تھی، وہ میں نے پڑھی اور حیرت انگیز طور پر اسکا جواب تسلی بخش تھا۔

میں نے اس واقعہ سے نفسیات اور تصوف کی نفسیات پر باقاعدہ غور و فکر کرنا شروع کر دیا اور اب حضراتِ گرامی! میں اس وقت سے بہت آگے نکل آیا ہوں اور میں تسلی سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ وہاں سے صوفی کا ادراک نفس شروع ہوتا ہے، جہاں -Para Psychology, psychology کا وجود ختم ہوتا ہے، وہاں سے صوفی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لیے آغاز کرتا ہے کہ تمام نفسیاتِ حاضرہ کا ایک اصول ہے کہ یہ بدتر self کو بہتر self میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ psychology ایک ایسی science ہے جو ایک کمتر نفسی اشکال کو بہتر نفسی اشکال میں بدلتی ہے۔ انسان کو کار آمد بناتی ہے۔ ایک معاشرتی negation سے روکتی ہے۔ اس معاشرے کے ایک نااہل اور ناکارہ انسان کو کار آمد بناتی ہے اور ایک بدتر نفس سے بہتر نفسی حالت میں لاتی ہے۔ مگر حضراتِ گرامی! آپ کو پتہ ہے کہ نفس کسی شکل میں بھی ہو، کسی صورت میں بھی ہو، اللہ کو یہ منظور نہیں ہے...... اس کی تہذیب ہر صورت اللہ کو منظور ہے۔

بہترین self بھی اللہ کو اس لیے منظور نہیں کہ جو quality ہم بہترین انسانوں میں پاتے ہیں، وہ اللہ کے نزدیک بہترین نہیں۔ اس لیے فرمایا:

"وَاَمَّامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ" (النّزعٰت 40:79)

(جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس نے نفس اور خواہش کی پیروی کی مخالفت کی۔)

حضراتِ گرامی! تعلیماتِ نفسیہ، نفس کے دائرے سے باہر نہیں جاتیں۔ مگر صوفی یا فقیر، وہ عالم ہے جو اللہ کے لیے علم کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ کسی ایسی رکاوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا جو اسے خدا کے ساتھ ہم فکری اور ہم آہنگی سے بچائے، اس لیے اس کی تعلیمات دورِ حاضر کے بہترین فلاسفہ نفس سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

حضراتِ گرامی! مغرب کے فلاسفہ نے بڑی توجیہاتِ حقیقت پیش کیں۔ جیسے میں نے آپ سے کہا کہ انہوں نے خدا کو نہیں جانا، پہچاننا چاہا مگر معاشرتی انصاف، فلسفیاتی خیال، زمان و مکاں پر بڑی گفتگو کی، برگساں نے کی، فریڈرش نیٹشے نے کی، فشتے نے کی، وائٹ ہیڈ نے کی، رسل نے کی مگر قرآنِ حکیم میں ایک بڑی عجیب سی statement ان لوگوں کے بارے میں آئی، کافر کے بارے میں آئی...... فرمایا: یہ بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ: ''زمانہ انسان کو زندہ رکھتا ہے اور زمانہ مار دیتا ہے'' ...... اور بھلا بوسیدہ ہڈیوں میں بھی کہیں جان پڑے گی۔ یہ اللہ نے قرآن میں کہا کہ ان کے بڑے ذہین اور بڑے باتدبیر لوگ بھی بالآخر اسی انجام تک پہنچیں گے۔ یہی بہت بڑا تیر ماریں گے کہ زمانہ انسان کو زندہ رکھتا ہے اور زمانہ انسان کو مارتا ہے۔ بھلا کوئی ایسی طاقت بھی ہے جو بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈال دے گی۔

حضراتِ گرامی! اگر آپ برگساں کا، فریڈرش نیٹشے کا Recurrent cycle of زمان و مکاں پڑھیں تو آپ کو ایک عجیب سا یقین ہوتا ہے کہ قرآن کا اللہ نہ صرف ان کے سائنسی حقائق کو پہلے سے بیان کر رہا ہے بلکہ ذہنِ انسان کے ہر گزرتے ہوئے ترفع کو بھی پہلے سے نقش کر رہا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک data اللہ own کر رہا ہے۔

تو حضراتِ گرامی! کتنا آسان تھا خدا کا انکار...... کتنا آسان ہے خدا کا اقرار!!!! اگر ہم اس کے وجود کے بارے میں نہیں جانتے، اس کی مخلوقات کے بارے میں شیخ سعدیؒ نے فرمایا:

؎ تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

''کیا تجھے زمین کے واقعات و حادثات کا علم ہو گیا۔ کیا تو نے زمین کے سارے کام سنوار لیے کہ تو آسمان پہ دستگیری کرتا ہے۔''

یزداں بہ کمندآور اے ہمتِ مردانہ

(تو جواللہ پہ کمند پھینک رہا ہے۔ پہلے یہ تو بتا کہ تو نے زمین کے کام سنوار لیے ہیں۔ جو تو مخلوقاتِ سماوات پر جھگڑ رہا ہے۔) کہ جن ہے کہ نہیں ہے، مِلک ہے کہ نہیں ہے، فرشتہ ہے کہ نہیں ہے۔ پری ہے کہ نہیں ہے۔ کیا تو نے زمین کی مخلوقات گن لیں...... ایک بلین species زمین پر موجود ہیں۔ ایک ارب سے زیادہ......

حضراتِ گرامی! بڑے سے بڑے فاضل سے پوچھ کر دیکھئے کہ ان کو زمین پر کتنی مخلوقات کے نام آتے ہیں۔ کس نوعیت کے نام آتے ہیں۔ دور کی بات تو دور کی بات، اپنی گلی محلے کے افراد کو پوری طرح آپ نہیں جانتے ہوتے۔ ہمیں اللہ کے وجود کو جاننے کے لیے ایک بہت بڑا data چاہیے۔ macrocosm کا data چاہیے۔ ایک ادنیٰ سا ستارہ...... جو زمین و آسمان کی پہنائیوں میں قریب ترین ایک ستارہ جو رکھا ہے۔ fifteen trillion light years کے فاصلے پر ہے، پندرہ کھرب نوری سال کے فاصلے پر ایک معمولی سا ستارہ رکھا ہے۔

حضراتِ گرامی! یہ وہ پروردگار ہے کہ جس کا data اکٹھا کرنے کے لیے ہمارے پاس نہ زندگی ہے، نہ وقت ہے، نہ مقام ہے، نہ عقل ہے۔ بہت دور مت جایئے، آپ ایک بہت بڑی کائنات اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ ایک اتنی بڑی کائنات اپنے اندر آپ رکھتے ہیں کہ آج تک کسی کے شمار و قطار میں نہیں آئی۔ آپ کے brain کے intemal connections جو ہیں، دماغ کے جو اندرونی کنکشنز ہیں، یہ اٹھارہ ضرب چھتیس صفر کے برابر ہیں۔ اٹھارہ ضرب چھتیس صفر...... پانچویں، چھٹے صفر تک تو آپ گنیں گے۔ چھتیس صفر کیسے گنے جائیں گے؟ مگر اسکا ایک اندازہ اور ہے۔ یہ connections کتنے زیادہ ہیں۔ اسکا ایک اندازہ اور ہے...... کہ اگر ایک سفید کاغذ زمین پر رکھا جائے اور اس پر ایک کاغذ کے اوپر ایک اور کاغذ رکھتے چلے جائیں تو پندرہ ارب سال اگر کاغذ رکھتے چلے جائیں تو آپ کے دماغ کے کنکشنز نہیں پورے ہوتے۔ اتنی بڑی کائنات آپ اپنے ایک سطحی وجود میں سمیٹے پھرتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! ایسے بڑے اللہ کو، ایسے بڑے mechanism کو، سمجھنے کے لیے کچھ تو اخلاص چاہیے ناں...... کچھ تو جدوجہد چاہیے...... کچھ تو ذہنی کاوش چاہیے...... ایک ایم اے اور بی اے کی ڈگری کو بیس سال، بائیس سال لگ جاتے ہیں اور سیکھتے کیا ہیں آپ؟؟؟ مضامین میں سے ایک مضمون...... مضمون میں سے اسکا چھوٹا سا حصہ...... انسانوں ہی کی وضع کردہ

دانشوری کا ایک چھوٹا سا حصہ ستائیس سال، تیس سال، .Ph.D میں لگ گئے، پھر بھی آپ کو کیا آیا؟۔ پھر بھی کیا سارا علم ختم ہوگیا؟ کیا آپ اس کے حافظ و عالم ہو گئے۔ قطعاً نہیں...... بلکہ پی ایچ۔ ڈی کے بعد تو تحصیلِ علم شروع ہوئی۔ اب تو آپ اس پر حاوی ہونا شروع ہوئے۔

حضراتِ گرامی! پچیس، تیس سال میں اگر آپ کو اتنے معمولی سے علم کا ایک ذرہ نصیب ہوتے ہوتے لگ جائے تو کائنات کے مالک، ربِّ کائنات کو جاننے کے لیے آپ کتنا وقت دیتے ہیں کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ہے کہ نہیں ہے؟ کتنا وقت دیتے ہیں؟ کتنا شعور اسکے مطالعے کیلئے دیتے ہیں؟ کتنا کھوج اس کے لیے آپ لگاتے ہیں؟ کتنی جستجو کا مرکز وہ بنتا ہے کہ آپ یقیناً یہ کہہ سکیں کہ میں نے اللہ کو ڈھونڈا، میں نے اللہ کو پانے کی کوشش کی، مجھے اللہ نہیں ملا۔ یہ دعوے غلط ہوتے ہیں۔ اسے ڈھونڈنے کا حق کسی انسان نے ادا نہیں کیا۔

اور حضراتِ گرامی! کیسی عجیب سی بات ہے کہ دو جمع دو تو چار ہوتے ہیں۔ آپ غم میں ہوں تو بھی چار ہوتے ہیں۔ آپ خوش ہوں تو بھی چار ہوتے ہیں۔ آپ کے گھر شادی کی بارات ہو تو بھی چار ہوتے ہیں...... اور اگر ماتم پڑا ہو تو بھی چار ہوتے ہیں۔ آپ رنج و غم و بلا، کسی موج میں ہوں، وہ چار ہوتے ہیں مگر آپ نے انسان کو دیکھا اللہ کا انکار کیوں کرتا ہے۔؟؟؟ مجھے اللہ نے بیٹا نہیں دیا...... اللہ ہے ہی نہیں......

میں نے ایک چھوٹا سا، ہلکا سا تعشق فرمایا تھا، اللہ نے میری مدد نہیں کی۔ اللہ ہوتا تو مجھے دے دیتا۔ آپ کہیں گے میں نے جاب کے لیے اپلائی کیا تھا، مجھے جاب نہیں دی...... اللہ ہوتا تو دیتا...... اللہ تو کہیں امیروں کا ہے...... میرا تو ہے نہیں۔

حضراتِ گرامی! ایک چھوٹی سی mathematical preposition تو آپ کے جذبات کی پرواہ نہیں کرتی، آپ کسی موڈ میں بھی ہوں، وہ result نہیں بدلتا...... تو کیا آپ کے ذاتی مزاج سے اللہ بدل جائے گا؟ کہ آپ غصے میں، نفرت میں، محبت میں، آپ اپنے ذاتی رخ سے اسے پہچاننے کی کوشش کریں کہ چونکہ میرے گھر دانے نہیں ہیں، اس لیے اللہ نہیں ہے۔ چونکہ میرے گھر ماتم ہوگیا ہے اس لیے اللہ نہیں ہے۔ چونکہ محبت میں مجھے ناکامی ہوئی، اللہ ہوتا تو مجھے کامیاب کرتا۔ تو ہم تمام تر خدا پر جو غور کرتے ہیں، وہ ذاتی ترجیحات سے کرتے ہیں۔ اللہ ان باتوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے وجود کو آپ کی جذباتی کمی یا ترفع کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کے مزاج کا اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ کے حالات اس کے وجود پر کوئی فرق نہیں

ڈالتے۔آپ کو اس چیز سے ذرا آزاد ہوکراللہ کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ اگر آپ کی خواہشات پوری ہوں گی تو اللہ نہیں ہوگا اور اگر آپ کی خواہشات پوری ہوگئیں تو اللہ ہے۔

حضراتِ گرامی! God cannot be used for persona losses

وہ آپ کی ذاتی خواہشات کا پیرو نہیں ہے۔وہ تو کوئی بت ہوسکتا ہے۔کوئی پتھر ہوسکتا ہے۔جس کے ساتھ آپ خود ہی کوئی ایسی طاقتیں وابستہ کر لیتے ہیں......اللہ کو جاننے اور سمجھنے میں حضرتِ انسان کی یہ دور کاوٹیں ہیں۔اللہ وظائف سے نہیں ملتا۔چلّوں سے نہیں ملتا۔اللہ تشدد سے نہیں ملتا۔اللہ ایک ٹانگ پر کھڑا ہونے سے نہیں ملتا۔اللہ کو ان باتوں سے غرض ہی نہیں ہے۔آپ کی عبادت آپ کے لیے......آپکی نیکی آپ کے لیے ہے۔

آپ کا گناہ آپ کے لیے ہے۔وہ تو اس بات سے بالکل ہی گریزاں ہے۔قرآنِ حکیم اٹھا کر دیکھ لیں: ”یہ نیکی جو تم کرتے ہو، میرے لیے نہیں ہے۔اسکا فائدہ نقصان صرف تمہارے لیے ہے۔یہ جو تم گناہ کرتے ہو اسکا نقصان تمہارے لیے ہے“۔میں ان کے فوائد تمہیں ضرور دیتا ہوں چونکہ system میں نے دیا ہے۔تو system میں، میں نے نتائج لکھ دیئے ہیں کہ اس system کا یہ نتیجہ ہوگا۔اگر نیکی کرو گے میرے لیے تو system کے نتیجے کے طور پر تمہیں جنت دے دی جائے گی۔

حضراتِ گرامی! جنت کیا ہے؟ ہمارے نزدیک کیا ہے؟؟؟ اللہ کے نزدیک کیا ہے؟؟؟ صاحبِ علم کے سوا اللہ کو سمجھتا کوئی نہیں ہے۔

”اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہِ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰوءُ ا“(فاطر 28:35)

(اللہ کے عالم ہی اس سے خوف کھاتے ہیں۔)

اور اللہ کے خوف کی بنیاد ہی حکمت پر ہے۔جوں جوں آپ حکمتِ انسانی میں ترقی اور ترفع پائیں گے تو اللہ آپ کو ذرا زیادہ سمجھ میں آئے گا۔اب ذرا غور کیجیے اللہ کے بارے میں......انسان یہ کہتا ہے، انسان کا concept یہ ہے کہ جنت تو باغ ہے......تین باغ...... یہاں سے ٹرانسفر ہوئے، وہاں گئے......آتے ہی انگور کے خوشے پر ہاتھ ڈالا، کسی حور کی کلائی پکڑی اور آرام سے سونا شروع ہوگئے۔ایسے لگتا ہے کہ وہ کوئی ہوٹل ہے، جہاں زندگی کی سب facilities موجود ہیں۔مگر حضراتِ گرامی! آپ نے کبھی غور کیا کہ اللہ نے جنت کے بارے میں کیا کہا ہے؟ ”اَرضُھَا السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ“ یہ جنت کی چوڑائی بیان کی ہے کہ جنت کی چوڑائی زمین اور آسمانوں کی

لمبائیوں سے بھی زیادہ ہے۔

حضراتِ گرامی! یہ بے پناہ کائنات جس کا سراغ تک ہمیں نہیں ملا۔ جس کی دہلیز سے پرے ہم نہیں گئے۔ اس عظیم تر کائنات کی دہلیز سے ایک قدم ہمارا آگے نہیں بڑھا ابھی تک.... ابھی تک اس کے billions of suns نہیں گنے گئے۔ ابھی تک اتنا ہمیں معلوم نہیں کہ اس کی وسعتیں کہاں سے کہاں تک ہیں۔ یہ بے پناہ سمندر افلاک جو آپ اوپر دیکھتے ہیں۔

یہ پہلا آسمان ہے......

یہ پہلا آسمان ہے حضرات گرامی!

" وَلَقَد زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنيَا بِمَصَا بِيحَ " (الملک 5:67)

(میں نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے۔)

میں نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے پروردگار عالم کا مظاہرہ قدرت کہ سورج کا کہیں نہ کہیں آپ کو حجم تو یاد ہوگا۔ اٹھارہ ہزار زمینیں سورج میں سما جائیں تو سورج پھر بھی بڑا ہے اور اتنے بڑے سورج کو اللہ میاں فرماتے ہیں کہ یہ تو چراغ ہے......

" وَّ جَعَلنَا سِرَا جًا وَّ هَّا جًا " (النّبا 13:78)

یہ تو جلتا ہوا چراغ ہے اور اس جیسے کم از کم دس سے بیس لاکھ سورج اور موجود ہیں جو سائز میں اس سے دس بیس لاکھ گنا بڑے بھی ہیں اور کائنات میں یہ سب چراغوں کی طرح روشن ہیں اور اللہ کہتا ہے کہ میں نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے۔

اگر اتنی بڑی کائنات جو ہے، یہ آسمانِ اول ہے تو سات آسمان کیا ہونگے کہ بہترین ٹیلی سکوپس کے باوجود، بہترین جدوجہد اور تلاشِ کائنات کے باوجود، مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ ابھی تک اس پہلے آسمان کے وسط تک کوئی نہیں پہنچا۔ حال ہی میں بڑی مشکل سے جو جدید ترین ایک ستارہ ہم نے دریافت کیا، جس کے بارے میں یہ شبہ ہے کہ یہ بارڈر پر ہے یا آغاز میں ہے یا درمیان میں ہے، وہ پندرہ کھرب نوری سالوں کے فاصلے پر ہے اور ایک نوری سال ایک سیکنڈ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اگر آپ چلتے جائیں تو پندرہ کھرب سالوں تک آپ اس ستارے تک پہنچیں گے تو حضرات گرامی! اِن ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ملا کر، سات زمینیں بھی ہیں۔ اللہ کہتا ہے تمہاری ایک زمین نہیں ہے سات زمینیں ہیں۔ ان ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کو ملا کر جب آپ آگے بڑھتے ہو تو تب کہیں جنت کی چوڑائی پوری ہوگی۔ تب

آپ کو جنت کی چوڑائی سے واسطہ پڑے گا۔ جنت اتنی بڑی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ کے ذہن میں کچھ تو آیا ہوگا کہ جنت کتنی بڑی ہے اور اتنی بڑی جگہ پر جانے کے لیے میرا خیال یہ ہے کہ اگر ابدلآباد تک انسانی آبادیاں چلتی رہیں۔ لوگ مرتے رہیں، جیتے رہیں، نئے لوگ آتے رہیں......تو بھی اس جنت کا ایک کارنر پُر نہیں ہوتا۔

حضراتِ گرامی! کتنا آسان تھا خدا کا انکار......!! میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ زمین پر ایک ایسی کتاب موجود ہے جو دعویٰ کرتی ہے کہ میں اللہ کا لفظ ہوں۔ میں اللہ کی کتاب ہوں اور مجھ میں اور اللہ میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ کم از کم جو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں ہزار خامیوں کے باوجود انسان رہ سکتا ہوں، میں ہزار خطا کا مرتکب ہونے کے بعد بھی انسان رہوں گا۔ مجھے انسانیت کے پیٹرن سے آپ اس لیے نہیں نکال سکتے کہ میرا نام ہی خطا ہے۔ To err is human انسان خطا کا پتلا ہے مگر اللہ اگر ایک خطا بھی کر لے تو اللہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ اگر ایک خطا بھی کرے تو اللہ نہیں رہ سکتا۔ ہم اللہ اس کو مانتے ہیں جس میں خطا و نسیان کا کوئی پہلو نہ ہو۔ جب اسکا data ہمارے پاس ہو، جب اس کی کتاب ہمارے پاس ہو، اور ایک آدھ صفحہ بھی نہ ہو، تین سو پینسٹھ صفحے اسکے ساتھ ہوں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب ہم اس کتاب سے ایک خطا بھی point out نہیں کر سکتے؟ اللہ سے جان چھڑانے کے لئے...... صرف ایک خطا اگر قرآن میں ہم point out کر لیں تو پتہ لگے گا کہ جو صاحب کتاب ہے، اسکا دعویٰ بھی جھوٹا ہے، کتاب بھی غلط ہے، صاحب کتاب بھی غلط ہے۔ اللہ، واللہ ہے ہی کوئی نہیں...... جان چھوٹی...... گھر گئے...... خیر سے بدھو گھر کو آئے...... How easy is it?

How easy it is to get rid of God. Why don't you try to get rid of God? کم از کم میں نے تو پوری کوشش کی تھی اس data کو پرکھنے کے لیے...... حضراتِ گرامی! فلسفی کی دلیل فلسفی ہی رد کر سکتا ہے۔ ایک عالم کی انتہائے عقل کی بات بھی دوسرے عالم کی انتہائے عقل توڑ پھوڑ سکتی ہے مگر حقائق کا انکار ممکن نہیں ہوتا اور آج کے دنوں میں تو بالکل ممکن نہیں ہے۔ آپ حقیقت کا کیسے انکار کر سکتے ہیں؟؟؟؟ اگر آپ یہ دیکھیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ تو آپ کے لیے خدا کا انکار اور بھی آسان ہو جائے گا۔

قرآن ساری عبادات کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن صرف یہی نہیں کہتا پھرتا کہ نماز پڑھو، روزے رکھو، اچھے عمل کرو۔ قرآن کچھ اور بھی کہتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ میں نے پہاڑ میخوں کی

طرح گاڑھ رکھے ہیں زمین میں۔ قرآن کہتا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ پہاڑ کھڑے ہیں۔

"هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ" (النمل 88:27)

(یہ تو اڑتے ہوئے سرمئی بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔)

یہ تو عبادات کی statement نہیں ہیں۔ آپ ان کو غلط ثابت کر دیجیے۔

حضراتِ گرامی! کیا اِن statements کی تردید ہو سکتی ہے؟ اگر آپ کے پاس ایسے حقائق موجود ہیں کہ آپ خدا کا انکار کر سکیں تو آپ کر سکتے ہیں، اگر اللہ نے پندرہ سو برس پہلے، یہ باتیں بغیر کسی scientific experiment کے، بغیر کسی observatory کے، بغیر کسی یونیورسٹی آف سائنسز میں تعلیم لیے، بغیر کسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ایسے ہی کتاب میں لکھ دی ہیں، اتنی ساری باتیں جن کا تعلق عبادت سے ہے ہی نہیں، جن کا مزاج کائنات سے تعلق ہے......

"وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" (الذریٰت 47:51)

(ہم نے آسمانوں کو زورِ بازو سے بنایا اور ہم ان کو وسیع تر کر رہے ہیں۔ ہم ان کو کشادہ کر رہے ہیں۔ یہ زمین و آسمان کھل رہے ہیں۔)

حضراتِ گرامی! قرآن کہتا ہے کہ سورج، چاند، ستارے سب ہم نے مسخر کیے۔ یہ تمام وقتِ مقررہ تک چل رہے ہیں۔ اس نے صرف اکیسویں صدی تک data نہیں دیا بلکہ دنیا کے خاتمے تک کا data دیا ہوا ہے کہ جب ہم سورج اور چاند کو اکٹھا کر دیں گے اور زمین سورج کے دامن سے فراق زدہ بچے کی طرح لپٹ جائے گی...... پھر کیا ہوگا......؟ پھر ہم زمین کو نئی زمین سے بدل دیں گے۔ پھر ہم نئی کائنات تخلیق کریں گے۔ ہم انسان کا حساب لیں گے۔ انسان کی کتاب کھولی جائے گی اور پھر اس کے ہاتھ پیر باندھے جائیں گے۔ اسکو بتایا جائے گا کہ اے بندۂ خدا تُو زمین پر کیا کرتا رہا؟ ہم نے تجھے کس لیے بھیجا؟ تُو کیا کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر زمین پر انسان ایک سوال کے لیے بھیجا گیا کہ اے حضرتِ انسان! جا اور میری جدائی میں مجھے تلاش کر۔ اگر تیرے دل میں ایک ذرہ برابر بھی اخلاص موجود ہوا تو قبر تک پہنچنے سے پہلے تجھے ایک عرصۂ حیات دیا ہے۔ میں نے ایک پورا عرصۂ حیات دیا ہے، کبھی تو تُو میرے بارے میں سوچے گا نا، کبھی تو غور و فکر کرے گا، کسی عمر میں جا کے تو تجھے تجسس ہوگا کہ میں اپنی زندگی کی ترجیحات بھولے ہوئے بیٹھا ہوں اور حضراتِ گرامی! یہ ترجیحات کیا ہیں:

" اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا " (الدھر 3:76)

(میں نے تمہیں عقل وشعور کی صلاحیت اس لیے بخشی ہے کہ چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا اقرار کرو۔)

اور حضراتِ گرامی! اس زندگی میں تو آپ کو پوچھا ہی نہیں جاتا کیونکہ اتنا انصاف والا رب ہے کہ امتحان کے دوران آپ کو disturb نہیں کرتا، چاہے آپ جو جائز و نا جائز unfair, fair means استعمال کر رہے ہیں، وہ ایک ایسا ممتحن ہے جو دورانِ امتحان آپ کو disturb نہیں کرتا۔ آپ نے زندگی گزاری۔ تعلیم میں گزاری، ناز میں گزاری، غربت میں گزاری، عزت میں گزاری، مزاج میں گزاری، بدمزاجی میں گزاری، آپ نے وقت گزارا۔ اب سکرات شروع ہوگئے...... اللہ میاں کہتا ہے: ''اب ان کی آنکھ بڑی تیز ہوگئی''۔

یہ بڑی logical سی بات ہے۔ under pressure انسان کے خلیاتِ ذہن کھل جاتے ہیں۔ جب موت کا خوف آن کے کسی بشر پر پڑتا ہے تو اس کے ذہن کے وہ خلیات جو پہلے normalcy میں fun ction نہیں کر رہے ہوتے، وہ function کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اب اسکو بھوت پریت، لے جانے والے، نہ جانے کیا کیا نظر آتا ہے...... آپ نے اکثر مرنے والوں کے پاس اگر دیکھا ہو تو وہ واویلیاں مچا رہے ہوتے ہیں۔ وہ آیا مجھے لینے کے لیے، دیکھو یہ زنجیریں آئیں، وہ فلاں کا چاچا آیا، فلاں کا ماموں آیا...... اصل میں جیسے زندگی میں مجذوب کا vision, normalcy سے ہٹ کر abnormal condition کو چلا جاتا ہے۔ اسی طرح مرتے وقت اتنا موت کا خوف اور دباؤ پڑتا ہے کہ سکرات میں انسانی ذہن کے وہ خلیات کھل جاتے ہیں کہ جو اِس طرف زندگی کو بند کر دیتے ہیں اور اُس طرف زندگی کے vision کو کھول دیتے ہیں۔

Life after death ایک مسئلہ ہے ہم سب کے لیے کہ ہم عذابِ قبر پر کیوں سوچتے ہیں؟ کیا چیز ہے عذابِ قبر؟؟؟ میں حیات و ممات پر کیوں سوچوں...... میرے ذہن میں سوال اس لیے آتے ہیں...... کیا چیز ہے قبر؟؟؟ اگر آپ غور کیجیے تو دجّال کی ایک حدیث میں قبر نہ ہونے کا ایک نتیجہ نکلا ہوا ہے کہ جب عصرِ دجّال ختم ہوگا، فتنہء یاجوج و ماجوج شروع ہوگا اور پھر ان پر ایک وبا آئے گی، ایک وائرس پھوٹے گا۔ پہلے مجھے خیال آتا تھا کہ اللہ میاں کیا کہتا ہے؟؟؟ رات کی رات میں لوگ مر سکتے ہیں۔ مگر الحمدللہ موجودہ زمانے کے وائرس نے یہ بتا دیا کہ رات کیا، ایک گھنٹے میں بھی سارے مر سکتے ہیں تو اس وائرس سے جب یاجوج و ماجوج ختم

ہو جائیں گے تو ان کی لاشوں کی بدبو سے ساری زمین پر زندگی مشکل ہو جائے گی۔ تو پھر مہدی اور عیسیٰؑ مل کر دعا کریں گے کہ اے پروردگار! اس بدبو سے نجات دلا۔ یہ تو stink ہے۔ پھر اللہ بڑی بڑی گردنوں والے پرندے...... اب بھی وہی پرندے صفائی کرتے ہیں تو اس زمانے میں بڑی بڑی گردنوں والے پرندے بھیجے جائیں گے، پھر وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے۔ زمین بارشوں سے صاف کی جائے گی اور پھر نئے سرے سے زندگی کا آغاز ہوگا۔

حضراتِ گرامی! ابھی scientific talent اس قسم کے نظریات تک نہیں پہنچے مگر اللہ نے گو ایک آنِ واحد میں تمام واقعات و حالات کو count down کر دیا ہے۔

صرف گھڑیال کی صدا کی ضرورت ہے تو حضراتِ گرامی! قبر ہمیشہ اس لیے تخلیق کی گئی کہ بدبو سے بچنے کے لیے جسم کو چھپا دیتے تھے۔ پرانے زمانے میں جب بھی کبھی لوگ بدبو اور تعفن سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے یا وہ اسے جلا دیتے تھے یا دبا دیتے تھے۔ جاپانیوں کو دیکھیں کہ لاش کو دور کنویں میں رکھ دیتے تھے اور سب کا نظریہ ایک ہوتا تھا To avoid the stink decay زیادہ سے زیادہ اڑتالیس گھنٹوں میں bodies کا decay شروع ہو جائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے...... جن کے بارے میں اللہ حکم دے دے زمین کو کہ تم نے ان کے بدن کو نہیں چھونا، سوائے ان لوگوں کے، سوائے شہداء کے، صلحاء کے، اولیاء اللہ تعالیٰ العزیز کے...... پیغمبرانِ قدسی کے، جن کی امانتِ بدن بھی خدا محفوظ کر لیتا ہے اور جن کے بدن اللہ کے پاس امانتوں کی طرح ہوتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے باقی تمام جسم natural decay کا شکار ہوتے ہیں۔ body سے انسان کی psyche کو تعلق نہیں ہوتا۔ قبر کے بعد صرف ایک موقع پر ان کو تعلق اور واسطہ دیا جاتا ہے۔ قبر میں full blooded life ان کو دی جاتی ہے اور وہ وقت اس وقت آتا ہے کہ جب آپ اسے دفنا چکے ہوتے ہو۔ عمرو بن العاصؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹے! جب مجھے دفنا چکو تو کچھ دیر میرے پاس ٹھہرنا تاکہ میں آنے والوں سے مانوس ہو سکوں۔ کہا گیا کہ کیا مردہ زندگی والوں کی کوئی آوازیں سنتا ہے۔ فرمایا: ''ہاں! سنتا ہے بلکہ ان کے پاؤں کی چاپ بھی سنتا ہے۔'' بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے گڑھے پر کھڑے ہوئے تھے جس میں عتبہ و شیبہ اور ابوجہل کی لاشیں تھیں۔ تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ ''اے عتبہ!! اے شیبہ!! اے عمر بن ہشام! جو اللہ نے ہم سے وعدے کیے، پورے کیے۔ جو تم سے کیے وہ پورے ہوئے کہ نہیں۔'' تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! مردے بھی کہیں سنتے

ہیں''۔ فرمایا: ''تم سے بہتر سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے''۔

حضراتِ گرامی! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی قبر پر جایا کرتے تھے تو گھنٹوں باتیں کرتے۔اس کو پوری detail دیا کرتے۔''آج بازار میں یہ ہوا، فلاں کی گلی میں یہ ہوا، تمہارے بچے کے ساتھ یہ ہوا۔تمہاری اماں کے ساتھ یہ ہوا۔تمہاری بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا، یہ تو ہیں میری خبریں......اب تم سناؤ اندر کیا ہو رہا ہے''۔

تو اس بات پر قطعاً ندہبا، اخلاقاً کوئی شبہ نہیں رہا کہ Life after death is a different kind of life. حتیٰ کہ دورِ حاضر میں بہت سارے تجربات جو in between death میں ہوئے، hanging death پر ہوئے جیسے بہت سارے مصنفین نے ہزاروں کی تعداد میں وہ ریکارڈ جمع کیے جو بظاہر لوگ مر گئے تھے اور دوبارہ زندہ ہوئے......جس پر مجھے اپنا ذاتی طور پر اعتراض ہے کہ وہ مرے نہیں تھے مگر بہر حال وہ ایک سکرات اور ایک temporal disorder of life میں سے گزرے تو انہوں نے بھی آئندہ آنے والی زندگی کی بہت ساری باتیں بتائیں مگر ان میں ایک symbol قریباً قریباً سب میں یکساں ہے اور وہ symbol یہ ہے کہ .We passed through a tunnel کہ ہم ایک غار سے گزرے، آگے ہمیں بڑے خوبصورت جزائر نظر آئے۔تو دراصل بات یہ ہے کہ موت کے بعد زندگی اول انسان سے آخر انسان تک جائے گی۔

بہت کم لوگ اس history میں ایسے گزرے ہیں کہ جو life after death پر یقین نہیں کرتے اور حضرات یہ کیوں؟؟؟ اس لیے کہ یہ تو system ہے، اسکا تعلق اعتقاد سے نہیں ہے، life after death اور قبر کا تعلق یقین سے نہیں ہے۔یہ system ہے۔اگر آپ کو اللہ پر یقین ہوگا تو یہ سارے system زندہ ہو جائیں گے۔یہ سارے system اس وقت زندہ ہوتے ہیں جب آپ کو اللہ پر یقین ہوتا ہے۔اگر آپ اللہ کے قائل نہیں ہیں تو یہ کوئی system نہیں ہے، پھر آپ کی تنقید جائز ہے، آپ کا اعتراض جائز ہے اس لیے کہ تمام مافیہا، یہ زمان و مکاں، یہ برزخ، یہ برزخِ کبریٰ، یہ صغریٰ، یہ وجود، یہ آسمانوں کا ترفع، یہ ملائکہ تمام کی تمام اعتقاد کی جڑ صرف ایک بنیادی عقیدے پر ہے۔ہم غلط بحثوں میں الجھے ہیں۔اصل غور و فکر کا منبع صرف ایک ہے کہ اللہ ہے یا اللہ نہیں ہے۔اگر اللہ ہے تو اس کے پیغمبر ہیں۔

حضراتِ گرامی! یہ جو رسول اور پیغمبر ہوتے ہیں، یہ بندگانِ خدا پر اللہ کا احسان ہوتے

ہیں۔ یقین جانیئے کہ اللہ احسان کرتا ہے مجھ پر اور آپ پر کہ ہمیں کوئی رسول دے اور یہ احسان کیا اللہ نے ہم پر کہ محمد رسول اللہؐ عطا فرمائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا احسان یہ ہے کہ ہم بھولے بسرے لوگوں کو، گُم کردہ منزلوں کو، ایسے راہیوں کو جو اغواء ہو چکے، شیطان کے ہاتھوں جو خراباتِ عقل کے مسافر ہو چکے، صحرائے دانش میں بھولے بھولے، بھٹکے بھٹکے پھرتے ہیں، ان پر اللہ یہ احسان کرتا ہے کہ تلاش کے لیے سراغِ منزل کی ایک guide دے دیتا ہے کہ اس آدمی کی سنو، یہ تمہیں منزل تک لے جائے گا، یہ تمہیں اغوا ہونے سے بچائے گا۔ شیطان نے اللہ سے عرض کیا کہ اے پروردگار! اگر تُو تھوڑی سی قوتِ کارکردگی مجھے دے دے تو اس شخص کو جسے تو نے میرا حریف بنایا ہے، اس انسان کو تُو نے عاقل و بالغ سمجھا، تیرا خیال یہ تھا کہ عقل و شعور سے یہ تجھے پہچانے گا۔ تو تھوڑا سا ٹائم مجھے دے دے، میں تجھے بتاؤں گا کہ یہ کیسے پہچانے گا۔ میں اسکے دائیں سے آؤں گا، میں اسکے بائیں سے آؤں گا، میں اسکے اوپر سے آؤں گا، اسکے نیچے سے آؤں گا اور میں اسے راہ راست سے اغوا کرلوں گا...... لَأُغْوِيَنَّهُم ...... تھوڑا سا تو tilt کرنا ہے، تھوڑا سا اِدھر کر دوں گا اور میں اسے اغوا کرلوں گا۔

اللہ نے اس اغوائے انسانی کو بچانے کے لیے اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے تا کہ دوبارہ اس بھٹکی ہوئی بکھری ہوئی انسانیت کے قافلے کو وہ اس ایک منزلِ فکر تک لائے اور تمام پیغمبر بنیادی طور پر فکری اصلاح لاتے ہیں، عملی اصلاح اس فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حضراتِ گرامی! تمام مذاہب آدمؑ سے لے کر محمد رسول اللہؐ تک شریعتوں کے مذہب نہیں تھے اس لیے کہ شریعتیں نسلِ انسانی کے ساتھ بدلتی رہیں۔ آدمؑ کی شریعت اور، نوحؑ کی اور، موسیٰؑ کی اور، اب بھی بہت سی باتیں ہمیں وہ حلال ہیں جو شریعتِ موسوی میں حرام تھیں۔ یہ تو طریقِ زندگی ہے۔ شریعتیں وقت اور انسان کے مزاج کے ساتھ ساتھ بدلتی رہیں مگر ایک مقصد مذہب کا ایسا تھا جو اول و آخر قائم رہا، وہ خدا کی شناخت تھی۔ مذہب ایک system تھا کہ یہاں سے وہ لوگ پیدا ہوں جو پانچویں کلاس تک نہ رہ جائیں۔ جو آگے بڑھیں، شعوری ترقی کرتے ہوئے خدا کا تجسس فرمائیں۔ خدا کا شوق فرمائیں۔ زندگی اس کے لیے گزاریں۔ " وَالرّٰسِخُونَ فِي العِلمِ " (آل عمران 7:3) جو علم و آگہی کی تلاش میں زندگی تیاگ دیں اور ایسے بہت گزرے ہیں۔ زمانہ ان سے خالی نہیں ہوا۔ اللہ قرآن حکیم میں کہتا ہے! اب ذرا غور کیجیے گا کہ ان آیات میں کوئی extraordinary عبادات کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ کہتا ہے:

" اَلَّذِينَ يَذكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلٰى جُنُوبِهِم "

(کھڑے بیٹھے اور کروٹوں کے بل یہ لوگ مجھے یاد کرتے ہیں۔)

" وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلقِ السَّمٰوٰتِ " (آل عمران 191:3)

(اور زمین و آسمان کی تخلیقات پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔)

حضراتِ گرامی! علمِ ہیئت ہمارے ہاتھ سے گیا۔ تجسسِ فکر ہمارے ہاتھ سے گیا Quantum اور Relativity کے ہم مصنف نہیں ہیں، کائناتِ فکر کی اتھاہ گہرائیوں میں ہم میں سے کوئی بھی نہیں پہنچا۔ اہلِ اسلام نے بے شعوری اختیار کی اور سب سے بڑی بے راہ روی جو تھی وہ خدا کے بارے میں غور و فکر کو معطل کیا۔ تین سو برس سے عالمِ اسلام بیمار ذہن کے سکالرز پیدا کر رہا ہے۔ آمریت پرست پیدا ہوئے۔ methodist پیدا ہوتا رہا ہے جو method سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا تھا۔ اسکے دل میں کبھی تجسسِ راہِ خداوند نہیں پیدا ہوا۔ محبت الٰہیہ سے اسے سرفراز نہیں کیا گیا۔ شوق کی منزل اسے نہیں دکھائی گئی۔ عمل سے آغاز کیا، عمل پر انجام کیا۔

حضراتِ گرامی! اس مسلمان میں اگر کوئی بھی صحیح ہو گیا تو اللہ کی ایک آیت ضرور پوری ہو گی۔

" وَلَا تَهِنُو وَلَا تَحزَنُو وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِن كُنتُم مُؤمِنِين " (آل عمران 139:3)

(کہ سستی نہ کرنا، غم نہ کرنا اگر تم مومن ہوئے تو ضرور تم غالب کیے جاؤ گے۔)

اور حضراتِ گرامی! مشرق و مغرب، ہند اور کاشغر میں اگر مسلمان مغلوب ہیں تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا ہم اپنے گریبانوں میں منہ نہیں ڈالیں گے کہ باوجود مذہبی ہونے کے، باوجود بے پناہ سکالرشپ رکھنے کے، دنیاوی علوم میں بڑے سرفراز ہونے کے باوجود، مال و دولت رکھنے کے باوجود ہم لوگ ایمان کے درجے تک نہیں پہنچے۔ ہم میں سے کوئی غالب نہیں، کوئی جماعت غالب نہیں، کوئی سراغ نہیں اس غلبے کا ابھی تک مل رہا جس کی طرف اللہ نے قرآن کی اس آیت میں نشان دہی کی۔ ہم میں معزز نہیں، مکرم نہیں۔ ہم جو اہلِ اسلام ہیں وہ بھی نہیں ہیں، کوئی problem درپیش ہے ہمیں، پوری امت کو کوئی problem درپیش ہے کہ ہم کیوں خدا کی نظر میں نہیں چل رہے؟

حضراتِ گرامی! اس لیے کہ ہم ایک سر کٹے مذہب کی پرستش کر رہے ہیں۔ ہم ایک ایسے مذہب کے followers ہیں جس کا سر اس کے اوپر نہیں ہے۔ ہم خدا کے بغیر دین کو تلاش

کرر ہے ہیں۔ ہماری ترجیحات میں نقص آ گیا ہے۔ ہماری ترجیحِ اوّل اللہ نہیں رہی۔ ہم اللہ کو نکال کر مذہب چاہتے ہیں اس لیے کہ پھر مذہب میں کچھ نہیں رہتا۔ پھر ہمارا امام بھی مذہب کو استعمال کرے گا۔ ہمارا عالمِ دین بھی مذہب کو استعمال کرے گا۔ ہمارا عامی بھی مذہب کو استعمال کرے گا۔ ہمارے خاص لوگ بھی مذہب کو استعمال کریں گے۔ Religion then becomes an exclusive philosophy not a real, not a real research.

دین کے سارے institutions شک و شبہ سے بھرے ہوتے تھے، اس لیے کہ دین کے سارے institutions پر کوئی نہ کوئی عقلی اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے۔ مگر یہ اعتراضات دنیا کے اور بھی سارے علوم پر وارد ہوتے ہیں۔ اگر ہمیں ان شکوک وشبہات کا جواب دینا ہے تو ہم اسکا سلسلہ جب نیچے موڑتے جائیں گے تو ہم صرف اسی بنیادی سوال تک پہنچیں گے کہ کیا ہمیں خدا پر یقین ہے کہ نہیں ہے۔ ہمیں قبر سے واسطہ اور غرض نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ مگر قبر کے بارے میں ایک بات کا ضرور پتہ ہے کہ دنیاوی مسافت سے گزرنے کے بعد، اس راہ گزر سے منزل تک پہنچنے کے بعد جو پہلا بنیادی question کیا جاتا ہے: ''مَن رَبُّکَ'' کہ تمہارا رب کون تھا؟ کیسے مانا؟ کس طرح مانا؟ اگر آپ کی زندگی میں confusion رہا ہو، اگر آپ نے زندگی میں اس سوال کو ترجیح نہیں دی، اگر آپ نے زندگی میں اس سوال کو important نہیں سمجھا اور زندگی میں خدا کے بارے میں غور وفکر نہیں کیا تو آپ قبر تک پہنچتے ہوئے اس سوال کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ تسبیحات میں کہا گیا کہ:

''افضل الذکر لا الہ الا اللہ''

یہ بھی اس لیے کہا گیا کہ اگر زندگی میں آپ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں گے تو قبر تک پہنچتے ہوئے آپ کو لا الہ الا اللہ کہنا آسان ہوگا۔ وہاں اس سوال کا جواب دینا آسان ہو جائے گا۔ ''مَن رَبُّکَ'' کا جواب دینا آسان ہو جائے گا اور حضراتِ گرامی! استاد تو بہت ہی محترم اور بڑا نرمی والا ہے تو اس نے یہ کیا کہ چلو اگر یہ وہاں بھی بھول جائیں تو میں انہیں یاد دلاؤں گا کہ اگر انسان اور مسلمان وہاں بھی یہ بات بھول جائے لا الہ الا اللہ کی تو میں اسے یاد کرادوں گا: ''مَن نَبِیُّکَ'' ''تمہارا نبی کون ہے'' چونکہ نبی کے ساتھ ذاتی محبت اور انس ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہمیں پیدائشی انس ہے۔ ہم اس ذاتِ گرامی کے توسط سے چونکہ خدا کی پہچان کا حق رکھتے ہیں۔ ہماری نعتیں، ہماری محبتیں، ہماری قربتیں، ہماری سعادتیں۔ یہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک

ذاتی وابستگی رکھتے ہیں اور حضراتِ گرامی! رسول اللہ ﷺ خالی رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں۔ اس امت کو ایک اور بھی شرف بخشا ہے جو پہلے کسی نبی کی امت کو بخشا نہیں گیا۔ اس امت کو رسول اللہ ﷺ کی حیثیت میں ایک بہت بڑا شرف بخشا گیا اور وہ یہ تھا کہ ان کی بیویوں کو امہات المومنینؓ کہا گیا اور رسول ﷺ اس رشتے میں ہمارے باپ بھی ہیں اور یہ شرفِ خصوصی اس امت کو بخشا گیا کہ ہمارا نبی ﷺ ہمارا نبی ﷺ بھی ہے اور ہمارا باپ بھی ہے اور یہ اتنی گہری محبت کا توازن پیدا کرتا ہے ہمارے دلوں میں کہ اگر کسی کا باپ بدکار ہو، برا ہو، اچھا نہ ہو، ظالم ہو، سرکش ہو، تو کم از کم اس کو ایک تسلی تو ہے کہ میرا یہ باپ تو ایسا نہ تھا۔

اس لیے کہا گیا کہ کوئی بچہ reactionary نہ نکلے، بدکردار نہ نکلے، ایک individual example سے گریزاں ہو کر مایوس نہ ہو جائے۔ اس کو ایک ایسا باپ تو نصیب ہے، جو ان ساری خطاؤں سے دور ہے۔ ایک انتہائی مہربان اور خلیق انسان تھا جن کا وجود وجودِ محبت ہے، جس میں کوئی سختی نہیں، جو ترحّم کا پیکر ہے...... اور جب اس کی صورتِ گرامی کو flash کیا جائے گا قبر میں...... تو محبت بول اٹھے گی۔ جب محبت محمد رسول اللہ ﷺ بول اٹھے گی تو لا الہ الا اللہ بھی یاد آ جائے گا۔ ساتھ وہ بھی یاد آ جائے گا، تو یہ ہر مرنے والے مسلمان کو advantage دیا جائے گا کہ چل او بدمغز! اگر تو نے میرے بارے میں نہیں سوچا تو میرے رسول ﷺ کے بارے میں سوچ لے اور یہ مطلب ہے اس آیت کا......

"وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَۃَ الِلّعٰلَمِین"

اور یہ مطلب ہے قرآن کی اس آیت کا:

" وَکَتَبَ عَلٰی نَفسِہٖ رَحمَۃً "

کہ جب ہم نے تخلیقات مخلوق کو پیدا کیا تو ہم نے سب سے پہلے اپنی عادات و خصائل پر اپنی رحمت کو غلبہ دیا اور جب ہم نے رحمت کو تخلیق کیا تو اسے محمد رسول اللہ ﷺ بنا لیا۔ بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی یہ گستاخی، کوئی وہ گستاخی، کوئی یہ بات کوئی وہ بات...... مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے تو قرآن سے آگے کبھی شعور نہیں ہوا جانے کا مگر ایک طرف اللہ یہ کہتا ہے: "الحمدلله رب العالمین" "میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں" میں ربّ العالمین ہوں اور جہانوں کا پالنے والا...... وہ اس طرح کہ سورج بھی اسی جہان میں آتا ہے، چاند بھی اسی جہان میں آتا ہے۔ خالی روٹی تو نہیں اللہ دے رہا سب کو...... اگر سورج کی خوراک اٹھارہ ہزار ایٹم ہیں، جو ایک پل

میں اس میں پھٹتے ہیں تو رب العالمین نے اس کی خوراک اسے مہیا کی ہوئی ہے اور اگر چاند کی خوراک سورج کا تعکس ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ دیا ہوا ہے۔ اگر کسی چیز کی خوراک ہوا ہے تو اللہ نے وہ اسے بہم پہنچائی ہے۔

حضراتِ گرامی! حتیٰ کہ اس نے موت کو بھی خوراک بہم پہنچائی ہے۔ کبھی سری لنکا میں بڑے فاقے ہونگے۔ ہر آدمی کی خوراک کا تقاضا ہے کہ کبھی پیٹ بھرتا ہے، کبھی خالی رہتا ہے۔ کبھی موت کو ڈھونڈنے سے ایک آدمی ایک معاشرے میں نہیں ملتا اور کبھی اسکو وسیع وسیع چراگاہیں کھانے کو مل جاتی ہیں جن کو فاقہ زدگی اور غربت سے مارتا ہے۔ ہر شے کی اس نے موت اور زندگی رکھی ہوئی ہے۔ ہر شے کا اس نے رزق رکھا ہوا ہے۔ اور ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِین'' اور فرمایا:۔ ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِین'' کہ جہاں جہاں ربّ العالمین ہے، وہاں وہاں رحمت للعالمینؐ ہیں۔ تو ایسے بندے کی رسائی پر question کرنا...... ایسے بندے کے مقام گننا شروع کر دینا بڑا امرِ محال ہے اور جیسے وہ حافظ شاعری میں بے بس ہو گیا، بہت لوگ خیال میں بے بس ہو گئے۔ حسان بن ثابتؓ نے کہا!'' کہ اے رسول ﷺ اب اس سے زیادہ تیری کیا تعریف کریں کہ جیسے تو نے چاہا کہ تو بنے ویسے تجھے اللہ نے بنا دیا''۔ ''مجھے تو بس اتنا پتہ ہے کہ تیری تعریف اتنی مجھ سے ممکن نہیں ہے، بس اللہ کے بعد تو بڑا ہے سیدھی سی بات ہے''۔

حضراتِ گرامی! غالب نے بڑے فسق و فجور کے شعر لکھے مگر ایک شعر تعریفِ رسول ﷺ میں بھی بڑا اچھا لکھ گیا:

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گذا شیتم
کہ آں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

کہ اے غالبؔ! باقی تو ہم توڑ پھوڑ کر ہی لیتے ہیں مگر ثنائے خواجہ کے ہم اہل نہیں تھے، اس لیے وہ ہم نے اللہ پر چھوڑ دی کہ وہ ذات پاک ہی جان سکتی ہے کہ محمد ﷺ کا مرتبہ کیا ہے۔

حضراتِ گرامی! لوگ نبی پر عموماً بڑے سوال کرتے ہیں۔ بشر اور نور کا سوال بڑا چلتا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں ایک تو علم اتنا محدود تھا کہ انسان کو کسی مسئلے کی پوری آگہی نہیں ہوتی تھی۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں خدا پر بڑے اعتراض آ رہے تھے۔ ان میں ایک اعتراض بہت بڑا تھا جس کا religion والے جواب نہیں دے سکتے تھے وہ بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ God is energy. How can matter come out of him? کہ اللہ نور

ہے۔ اگر اللہ توانائی ہے تو اس سے مادہ کیسے نکل سکتا ہے؟ اور اگر اللہ مادہ ہے تو اس سے توانائی کیسے نکل سکتی ہے؟۔ تو سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں یہ question بڑا نمایاں ہوگیا اور بڑے مسلمان فلاسفر Christian فلاسفر کے ان سوالات کا جواب دینے میں خاصے پریشان تھے۔

پھر آئن سٹائن نے اپنی Theory of Relativity لکھی۔ اس نے E=mc2 کا قانون دیا کہ بالآخر اگر مادہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گزرے تو وہ توانائی میں بدل جاتا ہے اور توانائی مادے میں بدل سکتی ہے۔ توانائی مادے میں بدلی تو یہ زمین و آسمان بن گئے۔ جب یہ دوبارہ واپس جائے گی تو توانائی کا جہان تخلیق ہو جائے گا۔

حضراتِ گرامی! اب یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے کہ دراصل مادہ اور توانائی ایک ہی چیز ہیں اور اللہ پر جو بنیادی اعتراض تھا وہ ختم ہوگیا۔ مگر وہ نااہلی اور کم عقلی دیکھئے کہ مسلمان نے یہ مسئلہ تو سن رکھا تھا مگر apply رسول اللہ ﷺ پر کر دیا کہ وہ بشر ہیں یا energy...... حضراتِ گرامی! اللہ کے رسول ﷺ کی تو بڑی دور کی بات ہے۔ میں تو سائنسی نقطۂ نظر سے at a time بشر بھی ہوں اور نور بھی ہوں کیونکہ میں اگر مادی وجود رکھتا ہوں تو توانائی میں بدل سکتا ہوں۔ ابھی اس وقت ایک latest theory چل رہی ہے اور ان شاء اللہ، اللہ کا ثبوت اس میں بھی بڑا موجود ہے اور خدا اسکا ثبوت دے چکا ہے۔

ابھی دو تین سال میں Fusion of energy کا قانون پریکٹیکل ہو جائے گا۔ ایٹم کے fission یا پھٹنے کا اصول موجود ہے کہ ایک مادی وجود توانائی میں پھٹتا ہے۔ اب وہ توانائی کو دوبارہ مادی وجود میں contain کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے ملکہ سبا کا تخت وہ عالمِ کتاب لائے تھے۔ بالکل اسی طرح ایک وجود ایک جگہ سے توانائی میں ڈھلے گا اور اسکا receptive article دوسری طرف لگا ہوگا اور ادھر جا کر وہ دوبارہ مادے میں بدل جائے گا اور electronic transportation شروع ہو جائے گی۔

حضراتِ گرامی! اس قسم کے سوال صرف ذہنی، اخلاقی، علمی انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوتے ہیں اور بذاتہٖ ان میں قطعاً بحث کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان باتوں میں ہمارے معاشرے کی جنگ و جدل بڑی عجیب لگتی ہے کہ ایک مسئلے کی نہ وہ انتہا، نہ ابتداء جانتے ہوتے ہیں..... مگر اس پر بحث و تمحیص کرنے والے بہت ہوتے ہیں۔

سوال: ایک حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ جب آدمی دفن کر کے میت کو جاتے ہیں تو

ان کی چاپ بھی میت سنتی ہے۔اس پر ذرا روشنی ڈالیں......

جواب: شاید میرا خیال ہے کہ میں نے اسکا ذکر کیا تھا۔روح کی sensitivity کا ذکر کیا تھا مگر جیسے اللہ نے قرآنِ حکیم میں کہا:

"وَيَسئَلُونَكَ عَنِ الرُّوح"

(روح کے بارے میں پوچھتے ہیں)

"قُلِ الرُّوحُ مِن اَمرِ رَبِیّ"(بنی اسرائیل 85:17)

(تمام روح میرے اللہ کا حکم ہے۔)

"وَمَا اُوتِيتُم مِّنَ العِلمِ اِلَّا قَلِيلاً"

(مگر اسکا علم تمہیں تھوڑا دیا گیا)

اور وقت کے ساتھ ساتھ علمِ ارواح میں کچھ اضافہ ضرور ہوا ہے۔اس سے پہلے میں آپ کو حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک قول ضرور سنانا چاہتا ہوں کہ "بہت پہلے جب ارواحِ عالم کا اکٹھ ہوا اور پروردگار نے ان سے پوچھا: الست بربکم (کیا تم اپنے رب کو پہچانتے ہو)" تو تمام نے ایک ہی جوابدیا: "بلـى" (ہاں ہم پہچانتے ہیں۔) اصل میں روح ایک وہ عنصر ہے جو اللہ نے انسان کے بدن میں رکھا کہ جو عقل و شعور و دانش کی بنیاد پر ہر صورت صاحبِ ایمان ہوتی ہے۔ روح ہر صورت میں ایمان والی ہوتی ہے تا نکہ اس پر ہمارے ذاتی جبلی اثرات اتنے غالب نہ ہو جائیں کہ اسکا جو اعتقاد و ایمان کا عکس ہے، وہ دھندلا نہ جائے۔روح کے بارے میں اگر آپ مجھ سے میری ذاتی رائے پوچھتے ہیں تو وہ میں ضرور آپ کو بتادوں گا۔روح کا سراغ ہمیں حضرت آدمؑ کی اس حدیث سے ملتا ہے۔

حضرت آدمؑ کو اللہ نے ذرّیتِ آدم ان کی ہتھیلی پر دکھائی اور وہ انتہائی باریک ذرات کی شکل میں تھی۔ظاہر ہے کہ ایک ہاتھ پر لاکھوں بلکہ Billions and Billions ذرات ہوں گے۔حضرت آدمؑ کا ہاتھ کتنا بھی بڑا سہی مگر اگر ساری ذرّیتِ آدمؑ اُن کے ہاتھ میں ذرّات کی صورت میں آ گئی ہوگی اور ان میں سے کچھ چمکتے تھے اور کچھ سیاہ پڑ گئے تھے تو حضرت آدمؑ کو افسوس ہوا کہ میری اولاد میں سے کچھ لوگ جو ہیں وہ ضرور جہنم میں جائیں گے۔اس وقت جو ہمیں روح کی نوعیت نظر آتی ہے، پھر اس کے بعد روح کے نکلنے کے مناظر میں جو ہمیں نوعیت نظر آتی ہے جیسے حدیث بھی ہے کہ "جب روح نکلتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے چادر کانٹوں پر سے گھسٹتی ہوئی

نکلتی ہے''۔اسکا مطلب ہے کہ دور کہیں، کسی پیچیدہ مقام پر وہ دفن ہوتی ہے اور اسکو نکالتے ہوئے اور اسکو نکلتے ہوئے کچھ نہ کچھ اذیت ضرور محسوس ہوتی ہے اور یہ اذیت technological بھی ہوتی ہے اور یہ اذیت spiritual اور psychic بھی ہوتی ہے یعنی ذہنی اور نفسی اعتبار سے بھی ہوتی ہے اور بدنی اعتبار سے بھی ہوتی ہے۔یعنی جب انسان اپنی اسی روح کے اعمال کے طور پر قیامت کے دن جاتا ہے تو پروردگار فرماتے ہیں: (ذرا آدمؑ کی حدیث کو سامنے رکھیئے گا)۔

''یَّومَ تَبیَضُّ وُجُوہٌ وَّ تَسوَدُّ وُجُوہٌ'' (آل عمران 106:3)

(کہ کچھ چہرے اس دن چمکتے ہونگے، اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔)

ان ساری باتوں سے جو ایک بات بڑی صاف صاف سامنے آتی ہے کہ روح ایک انتہائی باریک technical chip کی صورت میں اس پورے Body mechanism میں آتی ہے۔ وہ chip جو ultimately finally programmed ہو اور اس programming میں جیسے DNA structure کا اگر آپ نے پڑھا ہو جو انسان کا بنیادی تخلیقی structure ہے...... اس میں ایک code بھی مخفی طور پر انسان کی چھپی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اسی DNA کو exploit کرنے سے آج کل کلوننگ ہو رہی ہے۔ شکل و صورت، شباہت، عادات و خصائل...... یہ تمام کے تمام اس DNA structure میں پوشیدہ اور خفیہ ہوتے ہیں۔ وہ code جو ہے، وہ ہر DNA میں ہوتا ہے۔ اگر آپ کے بال یہاں سے اکھاڑ لیں تو اس میں سے بھی electronic charges کے ذریعے ایک بالکل آپ کی طرح کا انسان پیدا ہو سکتا ہے۔ کسی single human individual cell سے وہ تمام کا تمام دوسرا انسان پیدا کر لیتے ہیں۔

یہ basic structure جو ہے یا یہ بنیادی جو شے اللہ تعالیٰ انسان میں رکھتا ہے، یہ انتہائی باریک ذرّے کی صورت میں ہے۔ جب روح نکلتی ہے تو اگر آپ نے دوسری حدیث پر غور کیا ہو تو وہ بھی اسی کی تصدیق کرتی ہے کہ روح نکالتے وقت ملائکہ اس کے اعمال کی شکل میں اس کے سامنے آتے ہیں اور ایک باریک رومال پر اس کی روح نکالی جاتی ہے جو کبھی کبھی تو بہت بدبودار اور کبھی صاف شفاف اور منور ہوتا ہے۔ اعمال کی نسبت سے وہ chip جب extract کیا جاتا ہے تو انسان کو بے پناہ تکلیف ہوتی ہے۔ جب اسے اسکے بدن سے جدا کیا جاتا ہے تو وہ سخت اذیت کا شکار ہوتا ہے۔ مگر نیک کاروں میں اور بدکاروں میں اس روح کا

اخراج اوراس روح کا جو عمل ہے، وہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ پروردگار نے فرمایا:

"اَلدُّنیاسِجنُ المُؤمِن"

(دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے)

یہ سب دنیا کی چیزیں ہماری belongings ہیں۔ ہمارے اردگرد جتنی ہماری چیزیں ہیں، بہن بھائی، رشتے ناطے، یہ سب ہماری belongings ہیں۔ اگر آپ ایک بات پر غور کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنا باپ، ماں، بہن، بھائی، رشتے نہیں چنتا...... ہم میں سے کسی کو بھی پیدائش کے وقت بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس گھر میں جارہا ہے؟ کون اس کی ماں ہے؟ کون اسکا باپ ہے؟ کون اسکا بھائی ہوگا؟ کون رشتہ دار عزیز واقارب...... اگر ہمیں choice دیا جائے کہ ہم اپنی زندگی کے قاعدہ اور قرینے کے مطابق پیدا ہوں تو حضرات! سب آج کل "بل گیٹس" کے گھر پیدا ہوتے جو دنیا کا رئیس ترین آدمی ہے۔ جس کی باون ملین ڈالرز کی سالانہ آمدن ہے...... مگر ایسا ہوتا نہیں۔

اللہ نے کچھ ارواح کو اپنے مناسب pattern سے گزارنے کے لیے ان کو مختلف sizes دیئے ہوتے ہیں۔ اندازاً کسی کو درمیانے معتدل سائز سے گزرنا ہے۔ کسی کو غربت کے size سے گزرنا ہے۔ وہ روح اس کو respond کرتی ہے۔ اپنے حالات اور واقعات کو respond کرتی ہے۔ اس کے DNA structure کو دیکھئے یا اس کی روح کے بنیادی element میں یہ ہوتا ہے کہ یہ ان conditions کے لیے suitable ہے۔ اسی لیے خداوند کریم نے قرآن پاک میں فرمایا:

"لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفسًا اِلَّا وُسعَهَا" (البقرۃ 286:2)

(کہ ہم کبھی بھی کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالتے۔)

اب سوال یہ ہے کہ میں یہ کہہ رہا ہوتا ہوں کہ مجھ میں تو اتنی طاقت وقدرت نہیں ہے کہ میں ان حالات کا سامنا کرسکوں مگر اس کے باوجود مجھے ان حالات سے گزارا جاتا ہے کیونکہ بدن تمام کے تمام ایک طریقے سے act کرتے ہیں۔ تمام بدن آسانی کی خواہش رکھتے ہیں۔ تمام بدن جبلی خواہشات کی آمادگی پر ہوتے ہیں۔ تمام بدن ایک comfortable living مانگتے ہیں۔

دنیا میں جو ذہین ہے اور جو فقیر ہے، جو غریب ہے، جو امیر ہے اگر ان سب انسانوں کو ہم اکٹھا کریں تو انداز علیحدہ علیحدہ ضرور ہونگے۔ ہوسکتا ہے کوئی شاعری سے، کوئی بخیلی سے، کوئی

business سے، کوئی intellectual capacity کی وجہ سے دوسرے سے علیحدہ ہو مگر سارے کے سارے اس دنیا میں خواہشاتِ ذات کی کوئی نہ کوئی پیروی کر رہے ہوں گے، سوائے روح کے کہ جو علیحدہ code پر قائم ہوتی ہے اور کبھی نہ کبھی نا آسودگی کا اظہار ضرور کرتی ہے۔ یہ وہ روح ہے جو چالیس برس کے بعد (کیونکہ چالیس برس کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں کہا! کہ اب وہ زور کی عمر کو پہنچا۔) ضرور اپنے تاثرات بے چینی اور اضطراب کی شکل میں انسانوں پر ڈالتی ہے اور بار بار انہیں اس عہدِ قدیم سے آشنائی دیتی ہے...... جو اگرچہ لکھا تو نہیں گیا مگر چونکہ اللہ کے حضور اس اقرارِ وفا کی ایک حیثیت موجود ہے کہ "اَلَسۡتُ بِرَبِّکُم " (کیا تم اپنے رب کو پہچانتے ہو)"قَالُو بَلیٰ "تو سوائے روح کے اس message کو کوئی بھی یاد نہیں رکھتا اور billion years کی وہ text جو اس میں موجود ہوتی ہے، وہ اسے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بار بار یاد کراتی ہے کہ تُو غلطی پر ہے، تیرے آثار غلط ہیں، یا تیری مصروفیات غلط ہیں اور تُو نے واپس پلٹنا ہے۔ تُو کسی galaxial life کا ہے۔ تُو زمین پر alien ہے۔

تمام حضرتِ انسان زمین پر alien اور اجنبی ہیں اس لیے کہ اللہ نے ہمیں یہاں کوئی مستقل درجہ یا رتبہ دینے کے لیے نہیں بھیجا۔ بلکہ قرآنِ حکیم نے فرمایا:

"مُستَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِین"(البقرۃ 36:2)

(تھوڑی دیر کے لیے تمہارا یہاں قرار ہے اور تھوڑا سا یہاں فائدہ ہے۔)

فائدہ وہی ہے جو ایک training سے گزرنے کے بعد ایک آرمی آفیسر کو سیکنڈ لیفٹیننٹ کی صورت میں ملتا ہے کہ ہر کام کی اہلیت پانے کے بعد جو ایک درجہ اہلیت کو achieve کرنا ہے۔ جو تربیت achieve کرنی ہے...... وہی اس زمین میں فائدہ ہے کہ اللہ نے ہمیں "خَلِیفَۃُ اللّٰہ فِی الاَرض وَالسَّمٰوٰت" کا رتبہ دے کر ہماری روحوں میں یہ دفن کر دیا کہ تم اس درجے کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے اس زمین پر جا رہے ہو۔ بدن کو اس کی مخالفت پر آمادہ کیا اور یہ مخالفت اس قسم کی ہے:

(حدیث رسول ﷺ ہے کہ جب اللہ نے جنت بنائی تو جبرائیل امین کو کہا کہ تُو ذرا دیکھ کر آ! میری جنت کیسی ہے تو جبرائیل امین جب جنت کو دیکھ کر آئے تو کہنے لگے کہ پروردگار! میں تو حیران اور ششدر ہوں کہ کون ایسا شخص ہے جو اس جنت کی آرزو نہ کرے گا؟ اور اس کیلئے جدوجہد نہ کرے گا...... پھر اللہ نے کہا اچھا! اب تو میری جہنم دیکھ کر آ......! پھر وہ جہنم دیکھ کے آئے اور کہا: اے

پروردگار! میں تو خوف سے لرزاں و ترساں ہوں کہ کون ایسا شخص ہے جو تیری جہنم سے ڈرے گا؟
پھر اللہ نے جنت کو مکروہات سے ڈھانپ دیا اور کہا: جبرائیل ذرا پھر دیکھ کے آ ......اب جو پھر گئے
تو فرمایا: اے پروردگار! اگر جنت کے اردگرد اتنی مکروہات، اتنے آلام و مصائب ہیں تو میں نہیں
گمان کرتا کہ تیرا کوئی بندہ جنت تک پہنچے گا" اچھا اب جا کر دوزخ دیکھ کے آ......اور اس کو آسائش
اور تکریم سے ڈھانپ دیا، تو جبرائیل امین پھر کانپتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: اے پروردگار!
اگر جہنم تُو نے اتنی خوبصورت چیزوں سے ڈھانپی ہوئی ہے تو کون شخص ہے جو اس میں نہ گرے
گا۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ جبرئیل امین پکارے کہ اے پروردگار! لگتا یہی ہے کہ تیری توفیق اور اجازت
سے اور تیری محبت کے بغیر کوئی ان آلام و مصائب سے زندہ نہیں گزر سکے گا")

تو حضراتِ گرامی! روح، انسان میں بنیادی طور پر وہ عنصر ہے جو خدا سے جدا ہوئی جسکا
تعلق جنت و دوزخ کے ساتھ پہلے کا ہے...... جیسے "خواجہ مہر علیؒ" نے اپنے ایک مصرعے میں کہا!
کہ "کن فیکون تے کل دی گل اے، اساں اگے دی پریت لگائی"...... اور یہ وہ بنیادی عنصر ہے
جو انسان کو بناتے ہوئے جب اللہ نے اسکا بنیادی case تیار کیا، اسکا بنیادی gene اور اسکا
جرثومہ رکھا اور وہ structure رکھا اور پھر اسکے خون کے ایک ایک ذرّے میں اسے رواں دواں
کیا......اور حضور ﷺ کی حدیث کے مطابق یہ ہماری ریڑھ کی ہڈی سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ
ایک حیران کن بات ہے کہ سکینڈے نیویا اور روس کے سائنس دانوں نے
سات ہزار سال پہلے fossil سے gene لے کر اسے reactivate کیا ہے اور اس سے
انہوں نے مخلوق بنائی ہے۔ درحقیقت وہ بھی ہمیں یہی بات بتاتی ہے کہ سب سے قدیم چیز جو
انسان میں ہے...... انمٹ، نہ مرنے والے، لازوال...... وہ روحِ انسان ہے۔ یہ ازلی نہیں
ہے۔ ہمیشہ موجود نہیں ہے مگر ابدی ضرور ہے۔ یہ کبھی بھی ختم نہیں ہوگی۔ اگر روح مرنیوالی ہوتی تو
پھر جنت اور دوزخ کے عذاب مستقل نہ ہوتے۔ ایک ثواب مستقل نہ ہوتا، ایک عذاب مستقل نہ
ہوتا۔ رہا جسم کا سوال تو جیسے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

"اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِن"

(یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے)

یہ اسی روح کے لیے ہے، یہ certain laws ایسے provide کرتا ہے کہ جو اس کو قید کر کے
اس دنیا میں رکھتے ہیں۔ جب اس جسم سے آپ آزاد ہو جائیں گے اور روح کے بارے میں جیسے

قرآن یہ کہتا ہے کہ: ''تَسْوَدُّ وُجُوهٌ'' اسی پر عذابِ قبر ہے اگر چہ وہ وجود مٹ جائے گا مگر چونکہ اس کی پوری شناخت اور آگہی مکمل ہو چکی ہے...... جیسے کوئی electronic پرزہ گرد سے بار بار کے استعمال سے یا جیسے کار کے piston پر کوئی گرد آ جائے، خالی ریت آ جائے، پٹرول کے ریزے آ جائیں تو وہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اسی طرح انسان کے دل پر سات recepticles ہیں اور یہ سات recepticles ذہنِ انسان کو signals بھیجتے ہیں۔ ذہن کمپیوٹر کی طرح ہے،اسکا اصل motive جو ہے ،وہ انسان کا دل ہے اور یہ receptor خون کے ذریعے یا دوسری چیزوں کے ذریعے، emotions کے ذریعے اپنے دل سے آگہی پاتے ہیں اور حضراتِ گرامی! یہ concept خاصا غلط ہو چکا ہے کہ ذہن سوچتا ہے...... ذہن سے پہلے دل سوچتا ہے۔

قلبی کیفیات پر سات بڑے مشہور تجربات سائنس دانوں نے کیے۔ انہوں نے Wordsworth کے ایک مصرعے پر ریسرچ شروع کی "My heart leaps up when I behold rainbow in the sky" کہ کیا کوئی بندہ ذہناً یہ کہہ سکتا ہے کہ ''جب میں قوس وقزح کو دیکھتا ہوں تو میرا دل میری پسلیوں میں محبت سے اچھل پڑتا ہے''۔تو اس نے کہا: ہاں یہ ٹھیک ہے کیونکہ دل میں خیال blind صورت میں آدھے سیکنڈ میں پیدا ہو کر دماغ تک پہنچتا ہے۔دماغ کمپیوٹر کی طرح اسے شکل وشباہت، لفظ، سب کچھ مہیا کرتا ہے اور basic motives کو پھر وہ ایک فکر میں ڈھال دیتا ہے۔اسی لیے حضراتِ گرامی! روح اور قلب کا ہمیشہ سے ایک اجتماعی تعلق صوفیاء کے پاس رہا اور اس سے محض مراد یہی رہی کہ اگر دل کے receptors تاریک ہو جائیں تو یہ روح کا record respond کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ایک دن میں یہ بات نہیں ہوتی...... ہولے ہولے...... رفتہ رفتہ ہم overlook کرتے ہیں۔ neglect کرتے ہیں۔اپنے دل کے natural اور فطری رستوں کو ہم neglect کرتے ہیں۔عجلت سے، مکر وفریب سے ،حسد اور کینہ اور بغض سے neglect کر کے ہم ایک مستقل attitude تک پہنچ جاتے ہیں۔اسی بات کو پروردگارِ عالم نے قرآن حکیم میں ''مہر لگانا'' کہا ہے کہ میں رفتہ رفتہ انسان کے دل پر مہر لگا دیتا ہوں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے انصاف سے بعید ہے۔وہ انسانوں کے باطن پر بنیادی طور پر مہر لگا کر نہیں بھیجتا۔اسکا رحیم ہونا اس بات کی علامت ہے کہ تمام بندگانِ خدا کے لیے وہ نیکی ،اچھائی

اور ایمان چاہتا ہے۔ مگر جب اس دنیا میں آئے، ان مرحلوں میں آ کر جب ہم بنیادی قوانین کو ignore کرتے ہیں اور خدا کی حدود کو ہم ناپنا شروع کر دیتے ہیں تو تب ایسا ہونے لگتا ہے اور حضراتِ گرامی! سب سے بڑا جو روح پر المیہ وارد ہوتا ہے، وہ خدا کا انکار ہے اس لیے کہ روح اسے شہادتاً دیکھ چکی ہے۔ روح کی اللہ پر نظری شہادت موجود ہے۔ جس طرح پوری نسلِ انسان میں ایک فرد کی شہادت اللہ پر ضروری تھی اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت تھی کہ انہوں نے اپنے اللہ کو دیکھا اور انہوں نے نظری شہادت سے اسے دیکھا...... کیونکہ زبان کی شہادت حضرت موسیٰؑ تک پوری ہو چکی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو کلیم اللہ بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ کلام کی حد تک تو انسان حضور ﷺ سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ جبرائیل امینؑ کی شہادت بھی سیدنا عیسیٰؑ تک پہنچ چکی تھی۔ "وَاَیَّدنٰہُ بِرُوحِ القُدُس" (البقرۃ 253:2) (اور (روح القدس) یعنی جبرئیل سے ان کی تائید کی۔) اب صرف کسی انسان کی نظری اور بصری شہادت کی ضرورت تھی اور وہ اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا کی تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خدا کے وجود پر ہر دلیل مکمل ہو جائے۔

جب ایک انسان اپنی زندگی میں ایمان کی struggle شروع کرتا ہے تو دراصل وہ بھی بصری شہادت کے لیے تڑپ رہا ہوتا ہے۔ باوجود ذہنی اور عقلی ایمان کے، باوجود بے پناہ کوششوں کے جو ہم اس پر اعتقاد کے لیے کرتے ہیں جیسے سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔ پھر بھی ہم ایک نظری شہادت کے لیے بے چین ہوتے ہیں اور یہ سوال بڑی کثرت سے کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ کو کسی نے دیکھا......؟ اللہ کو کسی نے نہیں دیکھا...... چونکہ کسی نے نہیں دیکھا اس لیے اللہ ہے ہی نہیں...... حتیٰ کہ پیغمبرؑ نے بھی جب اچھے بھلے ایقان کی منزل سے دلیلِ غالب کو حاصل کر لیا۔ argument حاصل کر لی تو پھر بھی حضرت ابراہیمؑ نے کہا: "رَبِّ اَرِنِی کَیفَ تُحیِ المَوتٰی" (اے رب مجھے دکھا کہ تو مردہ کو زندہ کیسے کرتا ہے؟)۔ "قَالَ اَوَلَم تُوءمِن" (فرمایا کیا تجھے ایمان نہیں)۔ "قَالَ بَلٰی" کہا کہ ایمان تو ہے۔ ذہنی طور پر totally convinced ہوں "وَلٰکِن لِّیَطمَئِنَّ قَلبِی" مگر مجھے دل کا اطمینان چاہیے جو شہادتِ نظر مانگتا ہے۔ پھر اللہ نے اسے شہادت عطا فرمائی...... آگے بڑھتے ہوئے ہم ایک پیغمبر کو دیکھتے ہیں کہ براہ راست نظری شہادت طلب کرتے ہیں: حضرت موسیٰؑ اور ان کو اللہ کا جواب کچھ اور تھا۔

آقائے کائنات ﷺ کو اللہ نے کسی مسئلہ، سوال میں نہیں ڈالا جیسے اقبال کا ایک بڑا ہی خوبصورت شعر ہے:

تُو بر نخلِ کلیمے بے محابہ آتشے ریزی
(کہ کلیم نے تیرا دیدار مانگ لیا تو اس کا جواب تو نے آگ برسا کر دیا۔)
تُو بر شمعِ یتیمے صُورتِ پروانہ می آئی

مگر دوسری طرف یہ حال ہے کہ تو ایک شمع یتیم پر پروانے کی طرح خود اٹھتا ہے اور انہیں اپنے دیدار سے مشرف کرتا ہے)

حضراتِ گرامی! یہ microcosm میں وہی عمل ہمارے اندر جاری رہتا ہے اور ہم بھی تجسس سے گزرتے ہوئے بالآخر اسی سوال تک پہنچتے ہیں ۔ایمان کے مراحل سے گزرتے ہوئے پھر اسی مقام تک آتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان خدا کو دیکھ سکے۔کیا یہ میرے لیے ممکن ہے کہ میں اللہ کو دیکھ سکوں؟ خواب میں تو بہت سارے لوگوں نے دیکھا۔مگر کیا ہماری نظری شہادت اس قابل ہے کہ ہم اللہ کو دیکھ سکیں؟؟؟

حضراتِ گرامی! آج کے زمانے میں یہ کام بڑا آسان ہو گیا ہے اور روح کی سنجیدگی اور روح کی طلب جو اہلِ فراق کی سردار ہے، جدا ہونے والوں کیلئے اس سے بڑی جدائی اور کوئی نہیں اور روح کی چونکہ محبت عظیم پروردگارِ عالم سے ہے۔اسی کی طرف وہ پلٹنا چاہتی ہے تو سب سے زیادہ غم خدا کا ہمارے بدن میں کھانے والی روح ہوتی ہے۔بدن کو تو اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔مگر بدن ہمارے forebrain کے ساتھ چمٹا ہوا ہوتا ہے۔یہ computerized body ہے۔پروردگار نے قرآن میں کہا:

''مَا مِن دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ م بِنَا صِيَتِهَا'' (ھود 11: 56)

اکہ زمین پر کوئی حیات والا ایسا نہیں ہے جسے ہم نے اسکے ماتھے سے نہیں تھاما ہوا۔حضراتِ گرامی! یہ بڑی گہری اور خوبصورت آیت ہے۔اصل میں جس چیز کے پاس brain ہے۔اس کے پاس ایک حصہ غور و فکر کا ہے، فیصلہ کرنے کا ہے۔پورے nervous controls کا ہے۔وہ صرف اور صرف forebrain میں ہوتا ہے۔اس ماتھے کے پیچھے ہوتا ہے اور یہاں سے خداوند کریم ارشاد فرما رہے ہیں کہ میرا ایک ریموٹ کنٹرول ہمیشہ تم سب لوگوں پر، سارے جانوروں پر، تمام ذی حیات پر جاری و ساری ہے اور اس ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اللہ واقعات و حادثات کو ترتیب دیتا ہے اور اسی لیے یہ حیات جو ہے، یہ مختلف حادثات کو جنم دیتی ہے، اس ریموٹ کے ذریعے جنم دیتی ہے اور روح ہمیشہ ازلی اور ابدی ہو کر اسی vision کو تلاش کرتی ہے جو اللہ نے

اسے کبھی بخشتا تھا۔اب یہ روح انسان کے بدن میں اس بے چینی اور اضطراب کو شکلیں دیتی ہے، صورتیں دیتی ہے مگر جبلی اقدار کی پیروی سے اس پر بالکل اسی طرح زنگ چڑھتا ہے جس طرح سے بڑے finest electronic آلے پر..... دھند یا کاربن جب جلتے ہیں اور یہ function کرنا چھوڑ دیتی ہے،اس میں مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔

ایک آخری تحقیق آپ کو بتاؤں تو آپ حیران ہو جائیں کہ سائنسدان باتیں وہی کرتے ہیں جو اللہ کی ہر بات کو ثابت کرنے کی کوشش ہے کہ ہمارے ایک تصور سے بھی chromosomes میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ہمارے ایک خلیے میں تئیس جوڑے کروموسومز کے ہیں جن میں DNA لگا ہوتا ہے۔اگر ایک خیال بھی ہمارا بدل جائے تو کروموسومز کی ترتیب میں فرق پڑ جاتا ہے۔یعنی ایک خیال سے وہاں اثر چلا جاتا ہے۔اس لیے جو بھی انسان گناہ وثواب کرتا ہے،اسکا اثر براہِ راست ان chromosomes پر جاکے،اس DNA structure کے اندر بھی ابھی اس کو اس طرح back up نہیں کیا گیا کہ ہم یہ سمجھیں کہ اس سے باریک تر انسانی باطن میں کوئی چیز نہیں ہے۔تو عین ممکن ہے...... جیسے حدیث رسول ﷺ ہے کہ انسان تین مرتبہ کی موت پر قادر ہوگا۔تین مرتبہ مرنے کے بعد انسان کو زندگی دی جاسکے گی اور یہ حدیث نے ہمیں بتایا ہے ۔اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دجال جو خدائی کا جھوٹا مدعی ہے وہ ضرور اس قابل ہو جائے گا کہ تین مرتبہ بھی اگر کوئی مرے تو اس کی زندگی پر قادر ہو جائے گا۔

دوسرے اسی DNA structure کی مدد سے کلوننگ وغیرہ ہو رہی ہے......انسانی اعضاء کی replacement بڑی آسان ہو جائے گی......ابھی تک تو صرف یہ ہے کہ پوری کلوننگ ہوتی ہے مگر آگے چل کر عین ممکن ہے کہ وہ اس قسم کی کلوننگ کرنے کے قابل ہو جائیں کہ اگر کسی کا پھیپھڑا ختم ہو گیا تو خالی کلوننگ سے پھیپھڑا بنایا جائے۔ابھی وہ skin بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔تو آنے والی صدیوں میں موت کا یہ تصور جو ہمارے ہاں رائج ہے یہ ختم ہو جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ (بہت ساری باتیں ہم add کر دیتے ہیں۔اللہ کے منہ میں ہم خود ڈال دیتے ہیں۔) اللہ میاں نے قرآن میں کہا ہے کہ ان یہودیوں سے پوچھو کہ یہ اگر ایک ہزار سال تک جئیں گے تو کیا مریں گے نہیں تو اللہ نے تو موت کو ایک ایسی finality قرار دیا ہے کہ چاہے آپ کتنا عرصہ بھی زندہ رہیں......ایک ہزار سال حضرت آدمؑ کی عمر ہے اور قرآن میں نو سو پینتیس برس تو حضرت نوحؑ کی بھی آئی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان ایسی struggle کرتا ہے،

جدوجہد کرتا ہے تو اس سے بے اعتقادی اور بے یقینی لازم نہیں آتی۔ہم اپنی عمر کے گئے گزرے معیار کو دوبارہ حاصل کرلیں گے مگر پھر وہی بات جو اللہ کہتا ہے کہ "اگر تم ہزار سال تک جیو گے تو کیا مرو گے نہیں" کہ تمہیں جینے کی تو اجازت ہے......اب بھی یورپ کی average age ہم سے بیس تیس سال زیادہ ہے۔اگر حالات اور circumstances ویسے ہی کر دیئے جائیں تو یقینی بات ہے کہ یہاں کے بھی حالات اس طرح ہو جائیں تو عمرِ انسان میں اضافہ ہو سکتا ہے......مگر اللہ کی بات وہیں قائم ہے کہ تم جتنا عرصہ بھی جی لو، میں نے موت کو اس عرصے میں مقرر کر دیا کہ تم نے مرنا ضرور ہے۔

حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ ایک شخص دجّال کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ کیا تو میرا بھائی زندہ کر سکتا ہے؟ وہ کہے گا ہاں زندہ کر سکتا ہوں اور پھر وہ اسے زندہ کرے گا۔تو اصحابِ رسول ﷺ نے پوچھا کہ کیا "یہ وہی انسان ہوگا؟" فرمایا: "نہیں"......اس لیے کہ روح منقسم نہیں ہو سکتی......روح تقسیم میں نہیں جا سکتی۔یہ وہ شخص ہے جو روح نہیں ہے مگر جیسے میں نے آپ سے عرض کی کہ DNA سے زیادہ refined particle روح ہے جو اللہ تعالیٰ ایک singular capacity میں انسان میں کہیں رکھتا ہے۔چونکہ ڈی این اے multiply ہو سکتا ہے، اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا: "نہیں اسکی مثال ہوگا"۔یہ جو نیا انسان ہے، یہ اس کی مثال ہوگا۔اس حدیث کی بنیاد پر کلوننگ سے چھ مہینے پہلے سیالکوٹ میں ایک speech میں مَیں نے یہ یقین سے کہا تھا کہ انسان انسان کا ہم شکل یا ہمزاد بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے پورا کیا کہ after three or six months کلوننگ آ گئی۔اب اسی حدیث کو دیکھتے ہوئے یہ یقین آتا ہے کہ انسان کم از کم تین مرتبہ موت پر قابو پا لے گا۔ایک شخص دجّال کے پاس گیا، اس نے کہا کہ میں تجھے خدا نہیں مانتا، تُو مجھے مار اور زندہ کر۔وہ اسے مار دے گا اور اسے زندہ کرے گا۔پھر وہ اٹھے گا کہ اب تو نے ایک دفعہ تو کر لیا ہے، پھر مجھے مار کے دکھا اور زندہ کر......وہ پھر اسے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔پھر اس نے تیسری مرتبہ اس کے ساتھ یہی عمل کیا لیکن پھر اسے زندہ نہیں کر سکا۔

اس کا مطلب ہے کہ ابھی جو انہوں نے genetics میں researches کے بعد ڈیڑھ پونے دوسو برس کا ایک gene discover کر لیا ہے۔اگر آپ غور کریں تو انسانی body میں سائنسدان وہ gene تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو decay نہیں ہوتا۔

ہمارے علم میں جو واحد چیز انسان کے بدن میں نہیں مرتی وہ روح ہے.....مگر کیا آئندہ آنے والے وقتوں میں انسان یا genetic engineering اس gene تک پہنچ جائیں گے جو eternal ہے۔ عین ممکن ہے کہ ہمارے billions of genes جو ہیں ان میں ایک gene ایسا ہو۔اب دیکھئے ناں کہ ایک cell کو body سے نکالنا کتنا مشکل ہے ۔پھر اس cell میں ہزاروں cell ہونگے جس کو ان میں سے نکالنا ہے ۔پھر ہمارے chromosomes کے DNA سے.....پھر اسکے بعد millions of genes میں سے ایک gene کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر فرشتے پتہ نہیں کس آپریشن سے نکالتے ہونگے۔ایک invisible process سے...... تو یقیناً eternal gene جو ہمارے اندر موجود ہے جو روح کہلاتا ہے جو eternal ہے اسکا نکالنا بڑا دشوار ہوتا ہے اور وہ کبھی نہیں مرتا۔ہوسکتا ہے کہ کبھی سائنسدان اس تک پہنچ جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ وہ پھر پکا دعویٰ خدائی میں چلا جائے گا۔امکان اس لیے موجود نہیں ہے کہ دس بیس برس تک ہمیں دنیا آگے بڑھتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

سوال: روحیں عالمِ برزخ میں بھٹک رہی ہیں یا ان کے لیے کوئی خاص جگہ مقرر ہے۔اگر ان کے لیے کوئی خاص جگہ مقرر ہے۔اگر وہ بھٹک رہی ہیں اور وہ کسی جسم کے لیے جستجو کر رہی ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ مسئلہ تناسخ یا آواگون درست ہے، جیسا کہ رگ وید (ہندوؤں کی ایک کتاب) یا دوسری ویدوں میں یہ ہے کہ ایک روح جو ہے وہ سو" جُونیں" "بھوگ" کر پھر وہ انسان کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔تو پھر اسکا مطلب یہ ہے کہ جیسے اقبال نے کہا ہے:" جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی" تو زندگی تو چلتی پھرتی رہتی ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ روح کی ایک جگہ متعین نہیں ہے بلکہ یہ چلتی پھرتی رہتی ہے۔اس پر وضاحت فرمائیں؟

جواب: جنابِ محترم! امریکہ کے نظام اگر اتنے اچھے ہیں تو اللہ کا نظام اتنا بے ترتیب کیسے ہوسکتا ہے؟؟؟ ایک تو بات یہ ہے کہ آواگان بہت لحاظ سے غلط ہے...... اصولی اور عقلی لحاظ سے غلط ہے۔وہ ہزاروں روحوں میں تو نہیں مگر ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق روح سات جنموں سے گزرتی ہے اور یہ عقیدہ "کرما" سے وابستہ ہے۔"کرم" آواگان کی بنیاد ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص بداعمالیوں میں مصروف ہے، تو اسے سزا کے طور پر دوبارہ دوسرے جسم میں بھیجا جائے، جو سزا کاٹے گا۔جب وہ وقت پورا کرے گا تو اس پر دوبارہ judgement دی جائے گی کہ کیا اس نے کرم بھوگ لیے یا نہیں۔پھر اس کو دوبارہ بھیجا جائے گا تو سات جنموں تک یہ ہوتا

رہے گا۔ یہ cyclic life کا concept ہے کہ زندگی سات cycles سے گزرتی ہے۔

اس پر سب سے بڑا اہلِ نظر کا اعتراض یہ ہے کہ اگر ہم انسانی دماغ کو دیکھیں اور جانور کے دماغ کو دیکھیں تو وہاں شعوری گرفت نے فیصلہ کر دیا.... اب یہ حتمی بات روشن ہے کہ انسان کے brain میں اور جانور کے brain میں جو بنیادی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ جیسے انسان میں فیصلہ کرنا، اٹھنا، بیٹھنا، جاگنا، سوچنا، پڑھنا، لکھنا ہے، یہ صلاحیت instinctive لیول پر جانور میں نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر میں نے گناہ کیے ہیں، تو وہ بلی بیچاری کیوں ''بھگتے'' جو میرے جنم میں دوبارہ آئے گی؟؟؟ اس کی کوئی reason نہیں اور جب اس بلی کو شعور ہی نہیں ہوگا کہ میں کس گناہ کی سزا بھگت رہی ہوں، جو انسانی حیثیت سے کیے تو پھر اس پر یہ سوال لاگو نہیں ہوتا اور اس کے کرم جو ہیں کسی ایسی صورت میں پتھر کی صورت میں، یا جانور کی صورت میں وہ equivalent نہیں بنتے...... یا تو یہ ہوتا ہے کہ مجھے ہی بحیثیت انسان کے سات مرتبہ بھیجا جاتا اور اگر مجھے پہلے بادشاہ بنایا گیا تو دوسرے جنم میں چپڑاسی بنایا جاتا پھر تیسرے جنم میں مجھے ریڑھا بان بنایا جاتا۔ چوتھے میں اور گیا گزرا...... مشقت میں ڈالا جاتا۔ بادشاہ کی تو یہی سزا ہے کہ اس کو سات پست تر حالتوں میں گزارا جائے مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ ایک انسان کو کتے، بلی چھچھوندر کی شکل میں آپ گزاریں گے تو وہ قطعاً کوئی سزا نہیں بنتی......

اگر صرف جسم کو سزا دی جا رہی ہے تو وہ بھی ایک غیر معقول سا نظریہ ہے کہ جسم بیچارہ تو آج کل کی تحقیقات کی روشنی میں صرف اس mental attitude کا تابع ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ جو آپ نے پہلے بات کی...... حضورِ گرامی مرتبتؐ نے ہمیں بتایا ہوا ہے کہ ''بری روحوں کو قید کیا جاتا ہے'' اور وہ سزا سے پہلے بھی ایک دورِ سزا سے گزرتے ہیں۔ اسی لیے حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ جو مر گیا اس پر قیامت قائم ہوگئی اور جس کو یقین تھا کہ اس نے کفر کیا وہ تمام عمر قبر میں دعا کرے گا کہ یا اللہ! قیامت کبھی قائم نہ ہو اور نیک لوگوں کی روحیں قبر میں دعا کریں گی کہ اے اللہ! کب قیامت ہو اور ہم اپنے اپنے مقامِ جنت کو پہنچیں اور برا آدمی یہ خواہش کرے گا کہ قیامت کبھی نہ ہو اس لیے کہ جو عذاب مجھے اب ہیں وہ کم ہیں مگر جو نظر آ رہا ہے وہ بہت زیادہ ہے تو اس لیے جناب والا! ایسی کوئی بات نہیں، تمام بدروحیں......(بدروحیں تو میں نہیں کہتا بلکہ وہ خدا سے غفلت کی

سزاوار ہیں۔) ان کو ایک ایسے مقام میں قید کیا جائے گا جس کا نام ''سجّین'' ہے۔ ''سجین'' ''سجن'' (قید خانہ) سے ہے کہ چھوٹے چھوٹے بے شمار ایسے مقامات اللہ نے رکھے ہوئے ہیں، جہاں grades of ارواح یا ایسے لوگ قید کیے جائیں گے اور جو نیک لوگوں کی روحیں ہیں، وہ بلند و بالا مقامات پر ایسی جگہ رکھی جائیں گی جنہیں ''علیّین'' کہتے ہیں۔ دونوں ناموں سے ظاہر ہے کہ ایک قید میں رکھے جائیں گے، ایک آزاد رکھے جائیں گے۔ ایک علو مرتبت میں رکھے جائیں گے اور ایک پستیءِ مقام میں رکھے جائیں گے۔ یہ جس کو برزخ کہتے ہیں، یہ دو مقامات پر مشتمل ہے۔ ایک کو برزخِ کبریٰ اور ایک کو برزخِ صغریٰ کہتے ہیں۔ برزخ ایک waiting room ہے۔ اصل میں برزخ ایک عارضی سا مقام ہے۔ ایک waiting room ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کتنا بڑا ہے۔ اس میں بالکل دنیوی نقشہ ہے جو آپ یہاں کرتے ہیں وہاں وہی ہوتا ہے۔ ہر چیز اسی طرح ہے، دکانیں سجی ہیں، گھر بار لگے ہوئے ہیں اور جو روح اپنی غیریتِ مقام سے نکلتی ہے تو برزخ میں دو مقامات ایسے ہیں جن میں وہی functions ہوتے ہیں، جو آپ نے زمین پر آ کر کرنے ہوتے ہیں۔ مثالی اعتبار سے...... اس کو عالم مثال بھی کہا جاتا ہے اور بقول ولیم جیمز کے جسے بہت بڑا بابائے Psychology کہتے ہیں...... کہ میں اب بھی ایک ایسے جہان کی آوازیں سنتا ہوں، کہ مجھے لگتا ہے کہ میری طرح کوئی دوسرا بھی ہے جو کسی دوسرے مقام پر کام کر رہا ہے اور جب anti-matter کی philosophy آئی تو کچھ سائنسدانوں نے قیاس پیش کیا اور یہ option رکھا کہ ہو سکتا ہے کہ جو دوسری دنیا ہے، وہ تمام تر anti-matter کی بنی ہو، anti-proton کی بنی ہو کیونکہ anti-matter جو ہے، وہ ابھی تک ان کی مکمل گرفت میں نہیں آیا تھا اور بڑی دیر کے بعد ایک Russian scientist نے اسے تھوڑا سا effectively متشکل کیا مگر اصولاً ابھی تک anti-matter پر researches آگے نہیں بڑھیں...... یہ کہا جاتا ہے، سائنسدانوں کے درمیان بھی یہ thesis exist کرتا ہے کہ anti-matter کا ایک پورا جہان موجود ہے جو بالکل ہماری

طرح ہے، بالکل ہماری کاپی ہے..... فرق اتنا ہے کہ جن ارواح نے آسمان سے آنا ہوتا ہے تو ان کے card issue ہو جاتے ہیں۔ حضرات! وہاں card issue ہوتے ہیں..... جانے کے اور آنے کے..... میں آپکو بتاؤں کہ اللہ سب سائنسدانوں سے بڑا سائنسدان ہے..... حکیم اور علیم ہے..... زمین پر جو کچھ ہوتا ہے یہ اللہ کی حکمت کا ایک minor pattern ہوتا ہے۔ اگر آج آپ کمپیوٹر سے کام کر رہے ہیں تو آسمانوں پر اس سے پتہ نہیں کتنا بڑا sophisticated کتنا high sophisticated کمپیوٹر لگا ہوا ہے۔ صرف ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کے قریب ترین معانی تک پہنچیں۔ میں موت کی ایک حدیث آپ کو سناتا ہوں تو آپ کو پورا پورا اندازہ ہوگا......

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت ایک بہت بڑے درخت کی طرح ہے۔ اس کے نیچے ملائکہ کھڑے ہوتے ہیں۔ جب کسی نے مرنا ہوتا ہے تو ایک پتہ وہاں سے گرتا ہے، اس پر مرنے والے کا نام، پتہ، صلاحیت سب کچھ لکھی ہوتی ہے۔ ملائکہ اسے اٹھاتے ہیں اور روح لینے کے لیے چلے جاتے ہیں..... چونکہ حدیث میں بڑی متشابہات ہیں..... قرآن اور حدیث کی متشابہات میں یہ فرق ہے کہ قرآن کی متشابہات ہر زمانے میں language برقرار رکھتی ہیں..... وہ changeable نہیں ہیں مگر حدیث کی متشابہات کو ہمیں interpret کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ متشابہات اس (موجودہ) زمانے میں بعینہٖ ویسی نہیں ہوسکتیں..... تو حدیث میں ذکر کیے گئے بہت بڑے درخت کو اگر آپ super computer کر دیں تو ایک بہت بڑا computer ہے، جس کے نیچے ملائکہ کھڑے ہوئے ہیں، باری باری choose and pick کے لیے..... اوپر سے card pinch ہوتا ہے۔ نام پتے سب کچھ لکھے ہوئے ہیں۔ وہ نیچے سے اٹھاتے ہیں اور لے کر چل پڑتے ہیں۔ اس کمپیوٹر میں کبھی کبھی خطا کے element کا امکان ہو جاتا ہے..... وہ اللہ نہیں کرتا ہے مگر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ نے اپنے سارے system میں ایک آدھ گڑبڑ نہ چھوڑ دی ہو..... تو perfection تو اسی کی ذاتِ واحد کو ہے

ناں...... جیسے ہم انسانوں میں جو سب سے اعلیٰ مخلوق تھی مگر بے شمار imperfections چھوڑ دیئے......تو perfections آپ کو اللہ سے باہر اس طرح مشکل نظر آئے گی، جس طرح آپ چاہتے ہیں، اسی لیے کبھی کبھی پیغمبرانِ قدس سے بھی اجتہادی خطا ہو جاتی تھی......اسی حوالے سے میں آپ سے ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کروں...... ہمارے شہر گوجر خان میں ایک صاحب تھے......میں نے جب اس واقعہ کی تصدیق کرنی چاہی......اِس سے پوچھا......اُس سے پوچھا......تو بالآخر پتہ چلا کہ کافی حد تک یہ واقعہ سچا ہے اور ایک کنواں اس کی روایت بن گئی......اس جگہ کو ''ڈھوک حیات علی'' کہتے ہیں۔ یہاں ایک کنواں کھدا ہوا ہے اور وہ مفت لوگوں کو پانی وانی پلانے کا سارا انتظام کرتے ہیں۔ گوجر خان میں یہ بڑا مشہور واقعہ گزرا ہے I thought it was a story but when I went deep into research and asked everybody belonging to him تو لوگوں نے مجھے ایک عجیب سی بات سنائی...... وہ میں آپ کے گوش گزار کرتا ہوں کیونکہ یہ بھی ''حیات بعدالموت'' کا مسئلہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ''حیات علی'' ایک دن اچانک مر گیا (اس وقت تک اس نے کنواں ''شنواں'' نہیں کھدوایا ہوا تھا۔) مرنے کے بعد لوگ رونے دھونے آئے اور بالآخر اسے دفنانے کے لیے لے گئے...... جب وہ تختے پر تھا تو اس کے کان کی ''لَو'' ذرا ہلتی ہوئی نظر آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد باقی اعضاء ہلے جلے اور وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا......کھڑا ہو کر اس نے پہلی بات یہ کہی: (اُنے جلدی جا کے ذرا ''مانڑکیالے'' دے حیات علی دا پتہ کرو) ذرا جلدی جا کر ''مانکیال'' کے حیات علی کا پتہ کر کے آؤ۔ لوگوں نے کہا: تجھے ہوا کیا تھا، توں اٹھدے ای پتہ نئیں کس بندے دا پچھ ریاں ایں (تم نے اٹھتے ہی پتہ نہیں کس بندے کا پوچھنا شروع کر دیا) تو پاغل تے نئیں ہو گیا (تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔) اُنے نئیں نئیں جا کے ذرا مانڑکیالے دے حیات علی دا پتہ کرو۔) نہیں نہیں فوراً جا کر ''مانکیالے'' کے حیات علی کا پتہ کر کے آؤ، so pepole went over there تو پتہ چلا کہ وہاں پر جو حیات علی تھا، جو کہ ایک موچی تھا، وہ اسی وقت

مر گیا، جب سے یہ ''حیات علی'' زندہ ہوا تھا۔

اب لوگ واپس آئے۔ انہوں نے کہا: ''یار! یہ کیا راز ہے، کوئی پکا پتہ بتاؤ'' پھر حیات علی نے بتایا: ''میں تے مر گیا ساں...... تے دو بندے مینوں ایک صحراوچ لئی جاندے سن...... مینوں بڑی سخت پیاس لگی...... میں کیہیا: ''یار پانٹری تے پلا دو۔ انہوں نے کہا: تینوں پانٹری پلایئے...... ذرا یاد کر، زندگی وچ کسیں نو پانٹری پلایا سی آ...... فیر انہاں نے کاغذ واغذ تکتے تے آکھیا...... یار! اِنہوں دودھ دا گلاس دو...... اِنیں زندگی وچ اک واری کسیں نوں اللہ دے ناں تے دودھ پلایا سی...... فیر صحراوچوں کوئی مج، گاں لنگی...... اُنہاں نے اُنہوں چویا، تے مینوں دودھ دا گلاس دتا...... اوہ میں پی گیا...... فیر اوہ مینوں لئی گئے...... اک دفتر وچ...... اے جس طراں تہاڈے دفتر ہوندے نیں...... اس طراح دا دفتر سی...... اُتھے اک صاحب بیٹھے آسی...... انہیں و کیھ دیاں ای کیا...... اونالائقو او پاغلو......! ایہ کنوں لے آئے او...... انہاں نے کیا اسیں حیات علی نوں لے کے آئے آں۔ انہے کیا...... اونئیں نئیں، اوہ حیات علی تے مانٹر کیالے ہونداا ے، جدھے آرڈر i s s u e ہوئے سن...... فیر انہاں کیا...... او! توں جا یار...... کیوں ساڈی جواب طلبی کراریاں اے...... سانوں وخت پایا ہویا ای...... تے تدوں دا میں اٹھ کے پہلا کم اے کیتا کہ اک کھوہ کڈوادتا اے...... تے سرہانے بیہہ گیاواں...... کہ جیہڑا لنگے پانٹری پیوے...... جیہڑا لنگے پانٹری پیوے'' (میں تو مر گیا تھا...... تو دو آدمی مجھے پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ ایک صحرا میں سے گزر رہے تھے تو مجھے بڑی سخت پیاس لگی۔ مین نے انہیں کہا: ''یار! پانی تو پلا دو''...... انہوں نے کہا: ''تجھے پانی پلائیں!!! ذرا یاد کر زندگی میں کبھی کسی کو پانی پلایا تھا''...... پھر انہوں نے کچھ کاغذ واغذ دیکھے اور ایک نے دوسرے کو کہا: اس کو دودھ کا گلاس دو...... اس نے ایک دفعہ کسی کو اللہ واسطے دودھ کا گلاس پلایا تھا...... اسی وقت صحرا میں سے ایک گائے، بھینس گزری، انہوں نے اسکا دودھ دوھ کر مجھے گلاس بھر کر دیا وہ میں پی گیا...... اور وہ بالآخر مجھے ایک بہت بڑے دفتر میں لے آئے، جس طرح آپ کے دفتر ہوتے

ہیں، اسی طرح کے دفتر میں وہاں ایک صاحب بیٹھے تھے، انہوں نے کہا اونالائقو......! پاگلو......!
یہ کیا غلطی کی ہے؟ یہ کس کو لے کر آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ گوجر خان کا حیات علی ہے، اس نے
کہا: "نہیں نہیں...... وہ حیات علی تو مانکیال میں ہوتا ہے جس کے آرڈرز issue ہوئے تھے"۔ وہ
کہنے لگا کہ یار تم اب جاؤ واپس، ہماری ایسے ہی جواب طلبی کرادو گے تم...... اور تب سے اٹھ کے
میں نے پہلا کام یہی کیا ہے کہ یہ کنواں کھدوایا ہے اور اس کے پاس بیٹھ گیا ہوں لوگوں کو کہنے کیلئے
کہ جو گزرے پانی پیئے، جو گزرے پانی پیئے۔)

تو اس قسم کے واقعات exist کرتے ہیں۔ اصل میں یہ واقعات imperfect
نہیں ہوتے۔ frankly telling you کہ یہ اللہ کی تدبیر کا حصہ ہوتے ہیں...... یہ اس لیے
ہوتا ہے کہ آپ کچھ نہ کچھ سراغ اندر جاتی ہوئی "پُر اسرار گلیوں" کا بھی پا جائیں اور تا کہ آپکے شعور
میں اس قسم کے واقعات کوئی روشنی، کوئی جلا پائیں۔ میں نے کہا نا اللہ perfect ہے...... اس
سے خطا نہیں سرزد ہو سکتی۔ مگر وہ کہیں نہ کہیں یہ lacunas اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ تعلیم کا
باعث بنے اور یہ fourth dimensional واقعات ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے
واقعہ میں آیا...... مگر انسان ان واقعات سے مطلب جلدی اخذ کرتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کر رہے
تھے...... کہ حضرت خضرؑ نے کہا کہ! علم کا ایک اصول ہے "کَیفَ تَصبِرُ" تجھے سمجھ کیسے آئے؟
تجھے علم جو نہیں...... جتنا انسان کا علم اور واقفیت بڑھتی ہے، اتنا ہی اس میں صبر پیدا ہوتا ہے۔

برزخِ کبریٰ والی روحیں وہاں وجود پاتی ہیں وزن کے بغیر...... جانے والی روحیں وجود
چھوڑ کے جاتی ہیں سراپے کے ساتھ، وہ ایک waiting room ہے، جہاں آنے والی روحیں
اپنے کارڈ ہاتھ میں لیے نیچے آنے کا انتظار کر رہی ہوتی ہیں اور جانے والی روحیں جو ہیں وہاں
جا کر اگلی منزلوں کے تعین کا انتظار کرتی ہیں...... تو وہاں قطعاً کوئی بے ترتیبی نہیں۔ آپ دیکھیں
ایک American system میں نہیں تو وہاں کیسے ہو سکتی ہے...... میں نے جہاز پر جانا
تھا...... ہم لوگ ان کا system پسند کرتے ہیں۔ ان کا علم جو بھی ہے غارت گری ہے یا ایمان

ودین ہے...... آخر دجّال ہے، خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے۔

مجھے وہاں کچھ واقعات نے اس لیے حیران کیا کہ انسان اپنے system کتنے اچھے کرسکتا ہے۔ کاش کہ ہمیں بھی تھوڑا سا ترتیب و تنظیم آجائے American والا نہیں، خدا کی طرف سے...... تو ہم بھی کچھ اس قسم کی ترتیب و تنظیم پا جائیں کہ ہمارے system بھی درست ہو جائیں...... میں نے ایک ٹکٹ بک کرایا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، نہ ٹکٹ تھا، نہ کچھ اور کاغذ تھا...... انہوں نے ایک کاغذ مجھے بھیجا اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ کمپیوٹر نمبر آپ یاد کرلیں اور آپ جائیں...... میں وہاں ایئر پورٹ کے اندرونی حصے میں چلا گیا اور through out میں سوچتا رہا کہ میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے، اس پر یہ نہیں ہے، وہ نہیں ہے...... جب میں وہاں ان کے گیٹ پر پہنچا جہاں سے جہاز رخصت ہوتا ہے تو وہاں میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس تو یہی کاغذ ہے بس اور تو کچھ نہیں...... اسنے مجھ سے نمبر مانگا۔ میں نے اسے نمبر دیا...... انہوں نے فوراً ٹک ٹک کی اور کہا yeah...yeah...you have a ticket اس وقت اس نے کارڈ نکال کر میرے ہاتھ میں دیا that was impressive یہ وہ impression نہیں ہے جسے آپ سمجھ رہے ہیں، یہ وہ impression ہے جو ہمیں اپنی بربادی کا دکھ دے رہا ہے کہ اس پر زور نہیں لگتا۔ اس پر تو زور نہیں لگتا اس کے لیے تو مال نہیں چاہیے۔ traffic ٹھیک کرنے کیلئے تو مال نہیں چاہیے۔ ایک آدمی کی sense of duty چاہیے مگر ہمارے پاس وہ نہیں ہے۔

میں ایک جگہ گیا، وہاں لکھا ہوا تھا...... ہمارے اور ان میں کتنا فرق ہے کہ ایک جگہ لکھا ہوا تھا کہ "ہاتھ نہ دھونا خلافِ قانون ہے" Not washing hand is illegal یہ اوپر لکھا ہوا تھا۔ جب میں نے وہاں دیکھا تو مجھے ایک دم خیال آیا کہ انہوں نے یہ صفائی کے لحاظ سے نہیں لکھا، خوف سے لکھا ہے۔ بیماریوں کی وجہ سے لکھا ہے...... یہ جو illegal انہوں نے لکھا ہے، یہ اس لیے کہ اگر تم ہاتھ نہیں دھوو گے تو مرض پھیلے گا بیماریاں، ایڈز وغیرہ...... ان کے دل میں زندگی کی اتنی محبت ہے، جان کا اتنا خوف ہے کہ انہوں نے اوپر لکھا ہوا تھا: Not washing hands is

میں نے اپنا سوچا کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو تھوڑی بہت اللہ کی طرف سے illegal حسِ صفائی نہ رکھتا ہو۔کوئی ایسا ہے؟ جو ٹوائلٹ سے نکل کر ہاتھ نہیں دھوتا، منہ نہیں دھوتا، کلّی نہیں کرتا، جو ہمارے پاس natural ہے وہ ان کے پاس unnatural ہے لیکن وہی چیز ہماری سڑکوں پر نہیں ہوتی، اپنے گھروں میں صفائی کے بعد سب سے پہلا ایمان یہ ہے کہ اگلے کے گھر کا دروازہ کیسے خراب ہو۔گندگی ہر ممکنہ ایسی جگہ پھیلائیں جہاں کثرت سے لوگ گزرتے ہوں۔

جس جگہ میرا گھر ہے، وہاں سے چار سکولوں کے بچے گزرتے ہیں اور وہاں بلدیہ کا filth depot ہے......اسکا تعلق نہ امریکہ سے ہے، نہ مشرق سے ہے، نہ مغرب سے ہے، نہ تعلیم سے ہے، نہ رجعت سے ہے، نہ کمیونزم سے ہے، نہ Socialism سے ہے، اسکا تعلق مجھ سے اور آپ سے ہے، ہماری اپنی ذات سے ہے۔ Do we have the sense of being clean or not, do we believe in God or not. کہ ہم اتنی سی زحمت بھی قبول نہیں کرتے، صفائی کا تھوڑا سا معیار ایک انسانی شرف ہے، انسانی عزت ہے ان کی مثالیں تو فضول ہیں They are very dirty, I've seen their dirt. آپ یقین کریں کہ جب جہاز میں دو سو انگریز بیٹھے ہوں تو وہ بو سے بھرا ہوتا ہے۔انتہائی تیز بدبو اور اوپر سے جب وہ خوراک کھل جاتی ہے ناں تو اس کے بعد اس میں بیٹھنا محال ہو جاتا ہے۔ But, our people loose their sense of smell there... بہت سارے یہاں سے جا کر اپنا احساسِ بو ہی بھول جاتے ہیں۔ان کو تو کوئی چیز عجیب نہیں لگتی۔ہو سکتا ہے، میں بھی سال، ڈیڑھ رہتا تو میرا بھی یہی حال ہوتا۔

ایک مسلمان لڑکے نے مجھ سے پوچھا: ''سور کھانا حلال ہے کہ نہیں''۔میں نے کہا: ''اس کو چھوڑو تم کیا چاہتے ہو''؟ کہتا ہے: ''جی کبھی کھا لوں کہ نہ کھاؤں''؟ میں نے کہا: ''کھا لو''۔مجھے کہنے لگا: ''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا کھا لوں؟ کہا: ''ہاں! کھا لو''۔کہنے لگا: ''مذہب میں حرام ہے''۔میں نے کہا: ''تجھے مذہب سے کیا''؟ کہا: ''اللہ نے منع نہیں کیا''؟

میں نے کہا: "یار! اللہ سے زیادہ محبت ہے تو نہ کھاؤ۔ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو نہ کھاؤ اور اگر نہیں ہے تو پھر جو مرضی کرو۔ پھر تمہارا سور کیا!!!! کتا بلا کیا!!!! آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے"؟ تو جب تک بنیادی طور پر ہمارے ہر فرد کے اندر شعورِ ذاتِ خداوند نہیں پیدا ہوتا، اس وقت تک اس دین کا دعویٰ غلط ہے۔

سوال: ایک انگریز شاعر تھا Browning اس نے عمر خیام کی رباعیات کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اس میں ایک جگہ وہ کہتا ہے۔ God is on heaven and all is right in the world تو میرا اگلا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا جو system ہے، وہ روز کا روز آرڈر پر چلتا ہے، یا ایک دفعہ "کُن فَیَکُون" کہہ دیا۔ تو وہ چل رہا ہے۔

جواب: اصل میں اگر تھوڑا سا قرآن حکیم آپ دیکھیں تو پتہ لگے گا کہ پہلے ایک Master plan تیار کی گئی۔ Master plan کا نام رکھا: "لوحِ محفوظ" اس میں، کائنات بنانے سے پہلے آسمان زمین، سارے نقشے، جو کچھ ہونا تھا، نہیں ہونا تھا، جو ڈیزائن تھا، جو construction تھی، ساری کی ساری اُس Master plan میں لکھ دی گئی اور کہا کہ ایسا کوئی ذرہ، ایسی کوئی حقیقت، ایسا کوئی پتہ، ایسا کوئی پہاڑ، ایسا کوئی دریا نہیں کہ جس کا ذکر اور جسکا نقشہ اس کتاب میں محفوظ نہیں...... "اِلَّا فِی کِتٰبٍ مُّبِین" ۔ "اس کتاب میں ہم نے اسے لکھ دیا۔" حتیٰ کہ قرآن بھی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا کہ ہمارے پورے Scheme of thought کو rule کرنے کی تمام progamming تمام laws اور قرآن بھی لوحِ محفوظ میں رکھ دیا۔ پھر کہا: "کُن فَیَکُون" کہ "چل" اب اس سکیم کا اجراء ہو جائے اور تب سے یہ سکیم چلتی چلی آ رہی ہے اور جیسے اقبالؒ نے کہا کہ

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں

اب ہر واقعہ کے ساتھ "کن فیکون" لگا ہوا ہے۔

حدیث رسول ﷺ ہے کہ "اللہ تقدیرِ عالم لکھ کر پچاس ہزار سال پہلے اس دنیا کو تخلیق کر کے فارغ ہو گیا" اور ساری detail دے دی اور ویسے اگر وہ یہ کام نہ کرتا تو آپ بھی اپنی عمارات کے کبھی Master plan نہ بناتے، اسی کی دی ہوئی instinct ہر بندے میں کام کرتی ہے اور اسی کے طریقہ کار پر بندہ کام کرتا ہے۔ یہ علیحدہ ناشکر گزاری ہے کہ آپ اسے اپنا سمجھیں۔

سوال: سورۂ واقعہ میں ہے کہ اگر ہم چاہیں تو گھر بیٹھے تمہاری صورتیں تبدیل کر دیں اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئیں؟

جواب: یہ واقعہ قرآنِ حکیم میں اس طرح ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہیں مٹا کر، تم ناشکر گزار لوگوں کو مٹا کر ہم کوئی اور مخلوق پیدا کرتے، اور وہ ہمیں یاد کرتے اور ہمارا ذکر کرتے۔ جس وقت پرانے زمانے کے یہود اور دوسرے قبائل سرکشی کرتے تھے، اس وقت یہ آیت اتری اور تمام اصحابِ رسول ﷺ متفق ہیں کہ یہ قرآن کی آیت اصحابِ رسول ﷺ پر نہیں اتری...... "کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِین" پرانے زمانے میں جب بہت سے کافروں کو خنازیر میں بدلا، کچھ کو بندروں میں بدل دیا...... اب بھی اگر آپ ان کو دیکھیں...... تو جو چیز میں نے یورپ میں سب سے زیادہ نوٹ کی ہے، وہ مسخ ہے۔ میں نے بڑے غور سے دیکھا ہے یورپ کو...... اگرچہ ٹائم تھوڑا تھا، مگر مجھے اپنے اس پورے pattern of قرآن سے دیکھنا تھا تو میں نے دیکھا کہ ان پر ایک مسخ وارد ہے۔ "خَاسِئِین" انکو کہتے ہیں جو بندر کہلائیں...... اور بندروں کی عادات میں ایک مشابہت سب کی ایک جیسی ہے تو وہاں It is very difficult to separate an American from another... اسقدر عادات وخصائل ان کی ملتی ہیں اور اتنے انداز ملتے ہیں...... ان کا ایک ایک لمحہ، ایک دوسرے سے اتنا زیادہ ملتا ہے کہ وہ یقیناً "خَاسِئِین" لگتے ہیں۔

جب آپ ان کی اضطراب کی حالت دیکھیں یا جب ان کو آپ irritated دیکھیں تو پھر وہ بندے آپ کو لگیں گے ہی نہیں، بندر ہی لگیں گے۔ جب وہ irritate ہوتے ہیں تو وہ

ضابطے سے باہر ہوتے ہیں and they act and behave like them اور ان کے ہاتھ اسی طرح حرکت کررہے ہوتے ہیں۔ normally میں جہاں جہاں گیا ہوں، وہاں میں نے یہ چیز دیکھی ہے مگر صلاحیتِ فکر ماشاءاللہ ان میں بھی بڑی موجود ہے۔ تو یہ واقعات جو ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کیا ہے کہ اگر تم لوگ اس قسم کی گستاخیاں کروگے تو وہ اس زمین پر دوسرے لوگ پیدا کردے گا...... اور کچھ پتہ نہیں دوسری زمینوں میں انسان آباد تو ہیں..... قرآن کی ایک آیت واضح طور پر یہ کہتی ہے: "اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الاَرضِ مِثلَھُنَّ" (اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان تخلیق کیے اور اسی طرح کی سات زمینیں) "یَتَنَزَّلُ الاَمرُ بَینَھُنَّ " (اور ان تمام زمینوں پر ہمارا حکم اترتا ہے) "لِتَعلَمُوا" (تاکہ تم جان سکو) "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیر" (الطلاق 12:65) (کہ بے شک اللہ کتنی بڑی قدرت والا ہے) خدا کے ہاں انسان کو اس کے بارے میں سوچتے ہوئے کوئی حیرت نہیں ہوتی کہ وہ اتنے بڑے اختیار اور قدرت کا حامل ہے۔ وہاں یہ سوال بالکل نہیں پیدا ہوتا کہ وہ ایسا کرسکتا تھا؟ یا نہیں کرسکتا تھا۔

اب دیکھیے حضرت زکریاؑ کے معاملے میں زکریاؑ نے دعا مانگی کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ مجھے آلِ داوٗدؑ کا وارث دے، تو اللہ نے کہا: چلو ٹھیک ہے دے دیتا ہوں، لے لو آ کے'...... تو جب یہ کہا کہ میں دے دیتا ہوں...... تو حضرت زکریاؑ نے کہا: کیسے؟" عجیب سی بات ہے کہ ایک طرف تو کہہ رہے ہیں: "تُو اللہ ہے، صاحب اختیار و قوت ہے، سب کچھ ہے، مجھے بیٹا دے" اور دوسری طرف جب وہ کہتا ہے کہ میں تجھے دے دیتا ہوں تو کہتے ہیں "کیسے دیگا، میں بوڑھا میری بیوی بانجھ......" سو، اسباب ظاہرہ کی بنیاد پر شک کرنا ناجائز نہیں ہے۔ وہاں سے جو بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسباب ظاہرہ کی بنیاد پر اگر کوئی question یا شک پیدا ہو تو وہ ناجائز نہیں ہے۔ ناجائز یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کو وہیں بند کردیں کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، اس لیے اس کے آگے کچھ نہیں ہے...... جب تک انسان transition میں ہے، اس پر judgement نہیں ہوسکتی۔ جب تک آپ موت کو گلے سے نہیں لگا لیتے، علم ختم نہیں ہوتا۔ اسی لیے ابنِ سینا جب مر رہا تھا تو اس کے شاگرد نے کہا کہ سکرات کا عالم ہے، تُو کلمہ پڑھ لے...... تو اس نے کہا: "بے

وقوف...... کلمہ مجھے بعد میں پڑھانا، وہ سامنے کتاب پڑی ہے...... فارابی کی تکلم پر، وہ اٹھا دے"۔
وہ شاگرد کہنے لگا: "کمال کرتے ہیں آپ......!!! جان اللہ کو دے رہے ہیں اور ابھی آپ کو کتابوں کی سوجھی ہے"۔ تو اس نے کہا کہ "تو نے وہ حدیث نہیں سنی کہ جو راہِ طلب میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میں خدا کے حضور اس طرح پہنچوں کہ میں کچھ سیکھ رہا تھا اور طالب علم تھا......" اتنی بڑی فضیلت ہے علم و دانش کی...... اور یہ ضروری نہیں کہ وہ کتاب کا علم ہو۔ حضرات گرامی! ایک بات یہ بھی آئی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ بی اے، ایم اے اور ایف اے ہی علم ہے...... ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ اخلاقی اور ذہنی تربیت کے لیے کوئی مسئلہ، کوئی علم سیکھنا، کوئی اپنی زندگی پر اصول apply کرنا علم ہے اور جوں جوں آپ اسے اپلائی کرتے جائیں گے، آپ کا تشخص، آپکی شناخت، آپکی وجاہتِ علمی، وجاہتِ ذات پر بڑھتی جائے گی...... اللہ عزت دینے والا ہے......

29th Oct. 1998

اسلام اور تقابلِ نظریات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

حضراتِ محترم! یہ عنوان کچھ اغلاط کا شکار ہے۔ بہت سے لوگوں نے مجھے کہا کہ اسکا نام اسلام اور تقابلِ ادیان ہونا چاہیئے تھا۔ حضراتِ محترم! تقابلِ ادیان یا comparative religions ایک ناقص term ہے اس لئے کہ ایک دین کا کسی دوسرے دین سے کبھی مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ تمام ادیان چونکہ شروع سے لیکر آخر تک اللہ کی طرف سے آئے اور تمام دنیا میں نہ صرف ایک حصہ نے جسے آپ Assurian Civilization کا حصہ کہتے ہیں یا جسے Arabian Peninsula کہتے ہیں، اس کے علاوہ بھی تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی کوئی قوم موجود تھی تو خداوندِ کریم نے اپنے اس اصول پر عمل کیا کہ ہم کسی قوم کو تباہ نہیں کرتے۔ جب تک کہ اس میں پیغمبر نہیں بھیج لیتے:

"وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ" (ابراھیم 4:14)

(اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔)

تو ہماری نظر میں اقوامِ عالم میں جتنے پیغمبر گزرے ہیں شاید اُن کا علم ہمیں نہ ہو اس لئے کہ خصوصاً جو لوگ قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں، اس میں ایک شجرہء نسب کے پیغمبروں کا تو علم درج ہے مگر جو دوسری بے شمار اقوام زمین سے کھو گئیں یا اُن کا وجود نیست و نابود ہوگیا یا تاریخ میں اور تاریخ سے بھی زیادہ علم اصنام نے اُن کے نشان سلامت رکھے ہیں، اُن کے پیغمبروں کا ہمیں پتہ نہیں لگا مگر جیسے پروردگار کہہ رہا ہے کہ میں نے کوئی قوم تباہ نہیں کی، جب تک اُس کی طرف رحمت و رہنمائی نہیں بھیجی اور نہ صرف یہ کہ رحمت و رہنمائی بھیجی ہے بلکہ بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ یعنی میں نے یہ بھی لازم سمجھا کہ میں اُس قوم کی زبان میں ہی وہ پیغمبر بھیجوں، تو ایسے اَن گنت پیغمبر اور خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جو آج ہمارے علم میں نہیں ہیں مگر تاریخِ دین کا اور تاریخِ ادیان کا حصہ ہیں۔

ادیان کو میں اس لئے بھی اس مباحثے سے نکالنا چاہتا ہوں کہ پروردگار کے دین میں یہ

تو ہوا کہ کسی کمتر درجہ کے مرتب یا مہذب معاشرے کو چند اصول دیئے گئے اور جوں جوں وہ معاشرہ، وہ society زیادہ مہذب ہوتی گئی، زیادہ بہتر ہوگئی تو اُس کے ساتھ ساتھ اُس کو شریعت کے دوسرے قوانین عطا کر دیئے گئے۔ ایک بڑی عجیب سی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ایک چوہے کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ مسخ شدہ بنو اسرائیل ہے اس لئے کہ اگر ان کے سامنے اُونٹنی کا دودھ رکھو تو نہیں پیتے ہیں اور بکری کا دودھ رکھو تو پی لیتے ہیں (مسلم) اور یہ شریعتِ موسوی میں تھا کہ اُن پر اُونٹنی کا دودھ حرام کر دیا گیا...... اسی لئے شریعتیں بدلتی رہیں کہ جب کسی قوم نے ناشکری کی، تو بہت سی حلال چیزیں اُن پر حرام کر دی گئیں تا آنکہ آقائے رحمت کا نزول ہوا اور بندگانِ خدا پر خداوندِ کریم کی رحمتِ کثیر آئی اور تمام چیزیں جو ہمیں حلال ہیں وہ ہمیں حلال ہوئیں، بہت کم چیزیں کراہت میں گئیں اور بہت کم چیزیں حرام میں گئیں۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی رحمت تھی، اُن کا کرم تھا کہ ایک دفعہ حج کے موقع پر ایک صحابی نے سوال کیا: "یارسول اللہ ﷺ! کیا حج ہر مرتبہ فرض ہے، ہر سال فرض ہے"۔ تو حضور ﷺ خاموش رہے، تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر فرض ہو جاتا تو تم کیا کرتے...... ایسے سوال مت کیا کرو جس سے خدا ناراض ہو اور خدا تم پر بہت سارے ایسے قانون لاگو کر دے جو تم بعد میں نبھا نہ سکو"۔ اسی طرح مکروہات کے ضمن میں یہ گوہ جو آپ دیکھتے ہیں، درختوں پر چڑھتی ہے، اور اہلِ عرب سوسمار کھاتے تھے، یہ ایک دفعہ پک کر آئی، تو حضرتِ خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اور حضور ﷺ نے کراہت سے منہ پھیر لیا۔ تو حضرتِ خالدؓ نے پوچھا: "یارسول اللہ ﷺ یہ حرام ہے"؟ حضور ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا: "حرام ہے"؟ جب تیسری دفعہ بھی پوچھنے پر آپ ﷺ نے جواب نہ دیا اور منہ پھیرے رکھا، تو خالد بن ولیدؓ نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیا۔

یہ حلال و حرام ہم پر اُس طریقے سے نہیں آئے جس طریقے سے باقی امتوں پر آئے۔ دین ایک progressive form تھی۔ دین آگے بڑھتا ہوا نظریاتی شکل میں جب مرتب ہوا تو یہ بالکل نہیں کہا گیا کہ میرے پیغمبر کوئی نیا دین لائے ہیں، بلکہ یہ کہا گیا کہ:

"اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی" (المائدة 3:5)

(آج ہم نے جو کچھ تمہیں دینا تھا وہ پورا پورا دے دیا۔)

کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آج میں نے دین مکمل کیا ہے اور نعمت تمام کر دی...... تو حضراتِ محترم!

تقابلِ دین کا لفظ جو ہے یا ادیان کا لفظ جو ہے، وہ انتہائی ناقص ہوگا۔ اللہ نے دین میں تحریف کا گلہ کیا ہے، نئے دین کا ذکر نہیں کیا...... یہ تو ضرور کہا ہے کہ چند ایک ٹکوں کی خاطر، دنیاوی فوائد کی خاطر علمائے دین نے جو باقی قوموں سے تعلق رکھتے تھے۔ جن میں Christian monastery بھی قائم تھی اور جن میں Jewish فلسطین بھی قائم تھے جو چھوٹے چھوٹے سے مفاد کی خاطر اپنے بادشاہوں کیلئے دین کی نوعیت بدل دیتے تھے جیسے قرآنِ حکیم میں ایک جگہ پروردگار نے کہا کہ جب میں نے حکم دیا کہ تم ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ۔

''وَادخُلُو البَابَ سُجَّدً اوَّ قُولُوا حِطَّةٌ نَغفِر لَکُم خَطٰیٰکُم ''(البقرة 58:2)

(اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں۔)

یعنی گھٹنوں کے بل سر ٹیکتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ تو انھوں نے اسی لفظ کو تھوڑا سا بدل دیا اور ''حِنطَةٌ'' (گندم کی بالی) کر دیا، بجائے سر کے بل سجدہ کرتے ہوئے جانے کے...... یہ واقعہ حضرتِ یوشع بن نون کے زمانے میں پیش آیا اور انھوں نے یہ گستاخی کلامِ خداوندی کی تو پروردگار یہ گلہ کرتے ہیں، یہ تو نہیں کہتے کہ یہ دین نیا لائے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ:

''ثُمَّ یُحَرِّ فُونَهُ مِن ، بَعدِ مَا عَقَلُوهُ وَ هُم یَعلَمُونَ ''(البقرة 75:2)

کہ انھوں نے جانتے، بوجھتے ہوئے بھی کتاب اللہ میں تحریف کر دی اور اے پیغمبر! میں وہی قوانین جو خواہ میں نے Hammurabi شہنشاہ بابل کو دیئے تھے حضرتِ ادریس کے زمانے میں یا میں آج کے دور میں دے رہا ہوں۔ میں نے موسیٰؑ کو دیئے یا میں نے عیسیٰؑ کو دیئے، میں تمام messages سمیٹ کر قرآن میں لا رہا ہوں، اس لئے باقی کتابیں overlap ہو گئی ہیں اور تمام دین کی واحد progressive جو مکمل اور آخری شکل میں ہے، وہ یہ قرآن ہے۔ اب اگر میری طرف سے کوئی quote کرے گا، اب اگر مجھے کوئی quote کرے گا۔ as an authority میری کسی بات کو استحکام دیا جائے گا تو وہ توریت و انجیل سے نہیں، عہد نامہ، قدیم و جدید سے نہیں بلکہ صرف محمد رسول ﷺ پر اُتری ہوئی کتاب قرآنِ حکیم سے quote کیا جائے گا۔ and this is the only ultimate authority which belongs to the God and no other book is valid after the Quran of Prophet's book.

اسی بات پر تمام کی تمام دلیل خداوندِ قائم ہوئی اور اسی بات پر جدلیاتِ فکر کا آغاز ہوا۔

حضراتِ گرامی! اسلام نے شروع ہی جدلیاتِ فکر سے کیا ہے، اسلام ایک ایسے زمانے میں آیا کہ جب فرسودہ حقائق حد درجہ مستحکم ہو چکے تھے، جب اجتہاد اتنا ختم ہو چکا تھا کہ پورے کے پورے معاشرے میں غور و فکر کی استطاعت ختم ہو چکی تھی اور کوئی شخص بھی مروجہ عقائد کو بدلنے کیلئے تیار نہیں تھا یا اُن میں کسی قسم کی کمی وبیشی کا قائل نہیں تھا...... ایسے وقت میں قرآن حکیم نے ایک نئی جدلیات کا آغاز کیا، ایک جدلیاتِ فکر کا آغاز کیا اور لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی اور ایسے ایسے اعتراضات اُس وقت کے عقائد پر کیے...... یہ جو آپ قرآنِ حکیم میں بہت ساری کہانیاں دیکھتے ہیں جنکو اہل کفر نے اساطیر الاوّلین کہا کہ پہلے لوگوں کے قصے، پہلے لوگوں کی باتیں...... دراصل یہ باتیں اس لئے لائی گئیں کہ ان کے عوض سے یا ان کی وجہ سے ایک جدلیات کا آغاز ہونا تھا۔

سیدنا حضرتِ ابراہیمؑ کی تمام زندگی اس لئے quote کی گئی کہ انہوں نے بنیادی طور پر غور و فکر کا آغاز کیا تھا اور سورج کے چڑھنے پر، چاند کے چڑھنے پر، ستارے کے طلوع ہونے پر، اُس وقت کے مروجہ علوم جو تھے جو اُس وقت کے دیوتا تھے۔ جو اُس وقت کے بڑے بڑے بت تھے جو ستاروں سے وابستہ تھے۔ تو حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنی فکر، اپنی تنقید کا آغاز اُن ستاروں کے بنے ہوئے خداؤں کے خلاف کیا اور جن لوگوں نے شعریٰ کو خدا کہا تو ابراہیمؑ نے اُس پر تنقید کی...... پھر انہوں نے آمون goddess کو جس کو ورونا اور متھرا بھی کہتے ہیں۔ جب اُس کو quote کیا تو حضرتِ ابراہیمؑ نے اس پر تنقید کی اور بہت سارے لوگ اُس زمانے میں ''آمون رع'' کی پرستش کرتے تھے جو Egyptian mythology میں دو خداؤں کا بنا ہوا ہے جسے ''آمون اور رع'' کہتے تھے ''رع'' جو ہے وہ ابھرتے ہوئے سورج کی آنکھ تھی اور ''آمون'' god مینڈھے کی شکل کا تھا۔ ان دونوں کو ملاتے ہوئے وہ ''آمون رع'' کی پرستش کرتے تھے مگر بعد میں فراعنہءِ مصر کے بہت بڑے بادشاہ جسے آمن حاطب کہتے ہیں۔ جس کی ملکہ کا نام ملکہ نفرتتی تھا۔ اُس نے آ کر ایک superlative ڈگری بلند کی اور آمون کو نکال کر صرف خداوندِ ''رع'' کی پرستش شروع کر دی۔

حضرتِ ابراہیمؑ کے زمانے میں بھی یہ تمام افکار پیچھے بھی جا رہے تھے اور آگے بھی جا رہے تھے اور اُس وقت کے مروجہ عقائد میں سب سے بڑا عقیدہ ستاروں کی پرستش کرنا تھا۔ سیدنا ابراہیمؑ نے جس غور و فکر کا آغاز کیا، اُس وقت کے مروجہ عقائد پر تنقید شروع کی، جب قرآن اس بات کو quote کرتا ہے تو اُس میں سے اپنے لئے خصوصی مقاصد تلاش کرتا ہے خاص طور پر

حضرتِ ابراہیمؑ کی یہ بات کہ انہوں نے بتوں کوتوڑ کر کلہاڑا سب سے بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا اور جب پوچھا گیا کہ ان کو کس نے توڑا ہے، کس نے مارا ہے، تو حضرتِ ابراہیمؑ نے نشاندہی کی کہ اس بڑے بت نے مارا ہے تو لوگوں نے کہا کہ ابراہیم! تُو باؤلا ہو گیا ہے، تُو دیوانہ ہے، تُو سنکی ہے...... بھلا یہ کیسے کسی کو مار سکتا ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر یہ بت اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو نہیں اُڑا سکتا تو تم کس لئے اس کی پرستش کرتے ہو؟ یہی صورتِ حال عرب کے معاشرے میں تھی اور پہلی جدلیاتِ فکر کا آغاز جب اسلام نے کیا تو وہ ان مروّجہ عقائد جن کو سرے سے ہی عقل وشعور کی کوئی روشنی نصیب نہ ہوئی تھی، جو مدتوں سے عمرو بن الحیٰ کی وجہ سے قائم تھے: یہ عرب کا سب سے پہلا مشرک تھا۔ ایک سفر میں گیا تو اس کو ایک پتھر بڑا خوشنما لگا، وہ پتھر اٹھا کر لے آیا...... جب عرب travel میں جاتے تھے باوجود اس کے کہ یہ ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے طرف دار تھے مگر رفتہ رفتہ عمرو بن الحیٰ کی وجہ سے جب یہ مسافرت پر جاتے تو رستے میں جو چیزیں بھی آتیں یعنی مندر دیکھتے شاندار اور خوبصورت تو ان کا رویہ بالکل ایسا ہوتا جو بنو اسرائیل کا رویہ تھا کہ جب مصر سے نکلتے ہوئے حمص اور بعلبک کے قریب سے یہ قومِ اسرائیل گزری تو انھوں نے انتہائی خوبصورت اور شاندار مندر ان civilizations میں دیکھے تو حضرتِ موسیٰؑ سے request کی کہ ہم بھی کیوں نہ اپنے خدا کا ایسا ہی مندر بنا لیں اور اُس میں کیوں نہ ایسا ہی اسکا ایک بت رکھ لیں، جس پر پروردگار نے اُنہیں یہ سزا دی کہ جنہوں نے بت کی پوجا کی ان کو وہ قتل کریں گے جو بت کے پجاری نہ تھے: "فَاقْتُلُوٓا اَنْفُسَکُم "(البقرۃ 54:2)(پس قتل کرو اپنوں کو۔)

حضراتِ محترم! جو سب سے پہلا نظریہ اسلام نے face کیا، وہ یہی شرک و کفر تھا مگر شرک و کفر، جو استدلالِ عقل پر بنیاد نہیں تھا، جس کی کوئی وجہ بظاہر ایسی نظر نہیں آتی تھی، جس میں کوئی غور و فکر نہیں تھا بلکہ اُس کی بجائے تقلید اور اجتہاد سے خالی ذہن، انائے مطلق، جہالتِ عظمیٰ اور شاید اسی لئے سب سے بڑے عقل کے مخالف کو ابوجہل کہتے ہیں، اسی لئے رسالتِ مآب ﷺ کے مقابلے میں جو سب سے بڑا جاہل مطلق تھا وہ ابوجہل تھا اور ابوجہل کا کہنا یہ تھا کہ ربِّ کعبہ کی قسم ہے کہ میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ سچ کہتے ہیں مگر بنو ہاشم نے پہلے ہم سے سقایہ لی اور پھر ہم سے ولایہ لی اور ہم عہدوں میں گھٹتے گئے، اب اگر یہ نبوت بھی لے لیں گے تو پھر ہمارے پاس کیا بچے گا؟ تو اس نے قسم کھائی کہ محمد ﷺ سچے ہیں مگر ہم اگر اسی طرح اقتدار ان کے حوالے کرتے رہے تو پھر ہم اس معاشرے میں کیا مقام رکھیں گے؟ یہ بالکل ظاہری بات تھی کہ ابوجہل سچائی کے

خلاف نہیں لڑ رہا تھا بلکہ اپنے ذاتی اقتدار کی کمی و بیشی کیلئے جنگ کر رہا تھا۔

اسی قسم کا واقعہ جو عرب کے اس ذہن کی نشاندہی کرتا ہے، اُس وقت پیش آیا کہ جب ابوسفیان اور حضرت عمر فاروقؓ آمنے سامنے ہوئے...... حضرت عمرؓ نے ابوسفیان سے کہا کہ اس غریب کا پانی چھوڑ دے ورنہ میں تجھے کوڑے سے ماروں گا۔ ابوسفیان نے یہ کہا کہ اے عمرؓ! میں اس چرواہے کیلئے کبھی پانی نہیں چھوڑوں گا کیونکہ میں سردارِ قریش ہوں تو حضرت عمرؓ نے کہا: ''ابوسفیان! تو اس بات کو مان! ورنہ تو سردار قریش ہے کہ نہیں ...... میں تجھے ضرور کوڑے سے ماروں گا۔'' ابوسفیان نے کہا: ''ٹھیک ہے، میں پانی چھوڑ دیتا ہوں'' اور کعبے کی طرف تین دفعہ جھکا اور جھک کر کہا کہ اے پروردگار! تُو بڑا ہے، تُو واقعی اللہ ہے، ورنہ بنومخزوم کے اس ادنیٰ سے شخص کے کہنے پر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں اِس چرواہے کیلئے پانی چھوڑوں...... اور پھر حضرت عمر فاروقؓ تین دفعہ کعبے کی طرف جھکے اور سجدہ کیا اور کہا: ''اے ربِّ کعبہ! تُو واقعی عظیم و برتر ہے، اگر تُو نہ ہوتا اور ہمیں سچائی نہ بخشتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ میرے جیسا معمولی آدمی اس سردارِ قریش کا سر نیچا کرتا......

حضراتِ محترم! پہلا نظریہ جو اسلام نے اپنے مخالف پایا وہ انتہائی گہرے تعصّبات پر بنا، اَنا، ضد اور قبائلی روایات پر مشتمل ایک ایسا مکمل نظام تھا جس میں مکمل غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور تمام تر قرآن جو ہے، اسی نظریے کے خلاف جدوجہد کرتا ہوا بار بار لوگوں کو غور و فکر پر آمادہ کرتا ہے۔

قرآن بار بار کہتا ہے کہ اگر تم غور کرتے، تم سوچتے، تم فکر کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ جن عقائد پر تم کھڑے ہو، وہ جھوٹے ہیں، جن دیوتاؤں کو تم مانتے ہو، وہ غلط ہیں اور غور و فکر کی صلاحیتوں اور دلیل کے نہ رکھنے ہی کی وجہ سے تم کافر ہوا گر تم سوچتے تو ہمیں بھی مان لیتے اور قرآن کو بھی مان لیتے اور ہمارے رسول ﷺ کو بھی مان لیتے۔

''لِيَهلِكَ مَن هَلَكَ عَن م بَيِّنَةٍ ''(الانفال 42:8)

(جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا۔)

'' وَيَحيىٰ مَن حَيَّ عَن م بَيِّنَةٍ ''

(جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔)

حضراتِ محترم! پروردگار کو نہ صرف ذکر بلکہ غور و فکر کی محبت اس درجہ ہے اور وہ اس درجہ اسے اپنے بندوں کیلئے محبوب سمجھتے ہیں کہ بار بار اللہ نے اس بات پر زور دیا اور ارشاد فرمایا کہ میرے بہترین بندے اور دوست وہ ہیں:

" اَلَّذِینَ یَذْکُرُونَ اللہَ قِیٰماً وَّقُعُودًا وَّعَلیٰ جُنُوبِھِم وَیَتَفَکَّرُونَ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرض " (العمران 191:3)

(وہ جواللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔)

کہ صبح شام ہر وقت میری ہی عبادت کرتے ہیں اور نہ صرف عبادت کرتے ہیں بلکہ زمین وآسمان کی تخلیق پر غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔ حضراتِ محترم! جب اسلام establish ہو گیا، جب قرآن بحیثیتِ قانون مرتب ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ جو فتوحاتِ اسلامیہ کا دور شروع ہوا تو سب سے پہلے انقلابی جدوجہد، سب سے پہلا انقلابی نظریہ مرجیہ کا سامنے آیا۔ اب قرآن پر اس طرح غور وخوض شروع ہوا کہ مختلف النوع معاشروں کے خیالات سمٹ کر قرآن کی سمت بڑھنا شروع ہو گئے اور وہ سادگی اور وہ سلاست جس سے پیغمبر نے تعلیم دی یا صحابہ نے اس سے سیکھا تابعین نے سیکھا، وہ دور ختم ہونے کو تھا۔ ایک فشارِ ابلاغ آیا اور مختلف النوع معاشروں کی informations اسلام میں شامل ہونا شروع ہو گئیں، جس میں سب سے بڑی information جو تھی، وہ فلاسفہ یونان کی تھی۔

فلاسفہ یونان بھی عقلی کشادگی کو اپیل کرتے تھے۔ فلاسفی کا مطلب ہی حقیقت کو جاننا تھا اور جب لوگوں نے اُن کتابوں کے توسط سے قرآن کو پڑھنا شروع کیا تو بہت سے بنیادی عقائد زیرِ بحث آنا شروع ہو گئے اور سب سے پہلے مرجۂ کے گروپ نے ایک نیا concept of faith دینا شروع کیا جس میں انہوں نے یہ اعلان کیا کہ صرف اور صرف ایمان ہی واحد ایسی چیز ہے جو بندے کیلئے ضروری ہے۔ نہ اعمالِ شرعی نہ اخلاقی ضابطہ...... بلکہ آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے محرمات سے بھی تعلق جائز قرار دیئے اور حرام چیزوں کو حلال بھی قرار دینا شروع کر دیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ صرف اور صرف ایمان ہی، دل میں خدا کو مان لینا ہی ہر حال میں کافی ہے اور اس کے علاوہ کوئی چیز بھی مذہب کیلئے ضروری نہیں ہے اور نجات کیلئے ضروری نہیں ہے۔ مرجیہ اُن کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ نجاتِ اُخروی پر مکمل یقین رکھتے تھے، چاہے کوئی عمل ہو نہ ہو، چاہے کوئی ظاہری نیکی ہو نہ ہو، چاہے گناہ گار ہوں...... تو حضراتِ محترم! یہ وہ پہلا attack تھا جو ایک بیلنس پر، ایک اعتدال پر ہوا۔ وہ مذہب جو نیت اور عمل کے اعتدال پر یقین رکھتا تھا، اب اُس میں changes اور تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں۔

حضراتِ محترم! اس سے آگے بڑھتے ہوئے جب یہ سلسلہ اور آگے بڑھا تو دو بڑے گروہوں نے اپنے اپنے مسالک جدا کئے جن میں زیادہ مشہور خوارج ہیں اور خوارج اس درجہ مستقل تھے اسلام پر کہ انہوں نے باقی تمام مسلمانوں کو خارج از اسلام بھی قرار دیا اور واجب القتل بھی قرار دیا، اسی لئے ان کو دین میں خوارج کہا جاتا ہے کہ عام اُمۃ نے ان کے خیالات کی وجہ سے ان کو اسلام سے خارج کر دیا۔

مگر حضراتِ محترم ! یہ خیالات ایسے نہیں تھے جو ایک بنیادی body of religion پر اثر ڈالتے۔ اسلام جب ان نظریات کی زد میں آیا تو یہ کوئی ایسے نظریات نہیں تھے کہ جو بہت بڑے قانونی ثبات کو بے ثبات کر دیتے یا ایک بہت بڑے نظریاتی محل کو مسمار کر دیتے مگر جوں جوں وقت آگے بڑھتا گیا تو پورے ایک سو دس سال کے بعد حسن بن صبا اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی محفل میں واصل بن عطا نے نجات پر، چھوٹے بچوں پر اور عذاب وثواب پر ایک سوال کیا اور مطمئن نہ ہوا۔ جب مطمئن نہ ہوا...... تو اُس نے یہ کوشش نہ کی کہ میں اس مباحثے کو آگے بڑھاؤں اور استاد سے مزید تفصیل طلب کروں بلکہ جواب سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تو اس فکر کا قائل نہیں ہوں، تو حضرتِ حسن بصریؒ نے کہا کہ یہ ہم میں سے نکل گیا اور واصل بن عطا کے وقت سے جو سب سے powerful movement against Islam رہی، جو تین سو برس تک رائج الوقت رہی، وہ معتزلہ کی movement تھی۔ معتزلہ اسی طرح فلسفۂ یونان کی روشنی میں اور منطق وحکمت کی روشنی میں قرآن کی بعض آیات پر بڑا شدید اعتراض کرتے تھے مثلاً اُن کا خیال یہ تھا کہ قرآنِ حکیم نے جو استعارات استعمال کئے ہیں، معتزلہ کا خیال یہ تھا کہ قرآن اللہ کے لفظ نہیں ہیں، اُن کا خیال یہ تھا کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اُن کا خیال یہ تھا کہ قرآن رسول اللہؐ کی زبان ہے اور اللہ نے صرف اپنے رسول ﷺ کو مفہوم عطا کیا ہے اور زبان اُن کی اپنی ہے۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ یہ وہ بنیادی حملہ تھا جسکی وجہ سے شاید پورے کا پورا مسلم citadel ختم ہو جاتا، تو اعتزال والوں نے مزید progress کرتے ہوئے، فلسفیانہ توجیح دیتے ہوئے عذاب وثواب کو بھی ایک نظریاتی process کہا۔ وہ جنت ودوزخ کے قائل نہیں تھے۔ اگر آپ غور کریں تو جدید دور میں بھی بہت سارے مفکرین ایسے پیدا ہوئے کہ جنہوں نے بعینہٖ اعتزال کی movement کو سامنے رکھتے ہوئے وہی اعتراضات کئے اور وہی خیالات مذہب کے نام پر پیش کئے جو پہلے معتزلہ کر

چکے تھے۔ معتزلہ دوسوسال تک انتہائی غلبے پر رہے کہ اسی عرصے میں اسلام پر ایک اور شخصیت کا ورود ہوا جنھیں ہم خواجہ ابوالحسن اشعری کہتے ہیں اور اشعری نے اور امام ابوبکر باقلانی نے معتزلہ کے خلاف فلسفے ہی کی مدد سے religion اسلام کو defend کیا اور یہ اشاعرہ جو کہ بے پناہ مقبولیت حاصل کر گئے تو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ''احیائے علوم'' اشاعرہ کے رد میں لکھی۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی نے پورے مذہبی احکام کو فلسفیانہ روح سے explain کیا اور دونوں حضرات کی گرفت بڑی دیر تک، بلکہ دورِ حاضر تک امام باقلانی اور اشاعرہ کی گرفت مضبوط رہی۔

حضراتِ محترم! اس کے بعد کوئی خاص پیچیدہ challenge اسلام نے وصول نہیں کیے۔ ان ساری باتوں سے، ان ساری باتوں کے درمیان امام اہل سنت جن کو امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں، پوری طاقت سے اسلام کا دفاع کیا، مگر دفاع کے باوجود آج میں آپ سے یہ کہنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ شاید حضرت امام نے ان باتوں کا دفاع ذہنِ حکمت سے نہیں کیا۔ جب یہ مسئلہ چل رہا تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا خالق کا کلام ہے تو امام احمد بن حنبلؒ نے کوئی argument پیش نہیں کی۔ وہ اپنے مؤقف پر مضبوطی سے قائم تھے۔ مامون کے زمانے میں اور ہارون کے زمانے میں امام نے بے پناہ جدوجہد کی اور سختی سے اپنے مؤقف پر قائم رہے کہ قرآن خالق کا کلام ہے مگر انہوں نے کوئی counter-argument پیش نہیں کی۔ تو حضراتِ محترم! اُس وقت سے ایک stubbornship religion میں آ گئی، ایک شدت پرستی بھی آ گئی اور وجہ صرف یہ ہوئی کہ جہاں ایک طرف بڑے top intellectual لوگ تھے تو دوسری طرف اُس وقت کے جدید ترین علما کی معرفت حاصل کر کے ابنِ سینا اور فارابی جیسے لوگ اُٹھ رہے تھے۔ اُس وقت دین میں کوئی ایسا کما حقہٗ سکالر نہیں تھا جو تمام علوم کو سمیٹتے ہوئے اُن challenges کا جواب دے، اس لئے ایک دورِ تقلید شروع ہو گیا اور اجتہادِ فکر سے دامنِ اسلام خالی ہونا شروع ہو گیا۔ ...Religion was totally defensive

اگرچہ امام غزالی نے ''تہافتہ الفلاسفہ'' کتاب لکھی اور فلسفے کا رد کیا مگر ابن رُشد نے اُس کے بعد آ کر ''تہافتہ تہافتہ الفلاسفہ'' لکھ کر غزالی کو دوبارہ شکستِ خیال دی اور دوبارہ فلسفے کا رجحان زیادہ قوی ہو گیا اور ہوتے ہوتے Greek فلاسفی اور International sciences جو اسلامی دنیا کے اندر آ رہی تھیں، انہوں نے بڑے powerful objections اسلام پر کرنے شروع کر دیئے۔ مگر اس کے باوجود اسلام غلبے میں رہا اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ اعتراضات

نفسِ مضمونِ قرآن پر تھے، اُس کے lawپر نہیں تھے، اُس کے justiceپر نہیں تھے، اُس کی administrationپر نہیں تھے اسلئے جہاں ایک طرف یہ دراڑیں پڑ رہی تھیں وہاں دوسری طرف مسلمان پوری طاقت سے حکومت کرتے چلے آ رہے تھے مگر ان مباحثوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ basic faith اتنا کمزور ہو گیا کہ چار سو بارہ ہجری میں جب مسلمانوں میں جگہ جگہ قرآن پر بحثیں ہو رہی تھیں، دلائل دیئے جا رہے تھے، یونانی فلاسفرز کے اعتراضات ہو رہے تھے، اُس وقت ہلاکو خاں بغداد کو اُجاڑ کر اُس کا پوتا عینِ جالوت کے معرکے کی طرف بڑھ رہا تھا اور عینِ جالوت کے معرکے کو تاریخ میں decisive کہتے ہیں۔ یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی کہ بغداد کے اجڑنے کے بعد پورے عالمِ اسلام اور منگول حملہ آوروں میں ایک میدان کھڑا تھا اور اُس میدان کو عینِ جالوت کہتے تھے۔ اس معرکہ عینِ جالوت میں وہی ڈائیلاگ علاؤالدین نے دہرایا جو شاید اس سے پہلے بدر کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے کہا گیا کہ تین دفعہ جب اُسکا گھوڑا گرا تو تین دفعہ علاؤالدین نے کہا:

''اے عالمِ کُل کے شہنشاہ! اگر آج ہم شکست کھا گئے تو پورے عرب میں تیرے دین کا نام ونشان نہیں رہے گا''۔

امام ابنِ تیمیہؒ شاہِ مصر علاؤالدین اور وقت کے سب سے بڑے فوجی جرنیل سلطان بیبرس کی قیادت میں یہ جنگ مسلمانوں نے جیت لی اور فوجی استحکام کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات میں بھی استحکام آنے شروع ہو گئے۔

اس زمانے میں ابنِ تیمیہؒ جیسے امام نے ایک regeneration opinion کا processشروع کیا اور بہت سارا رطب ویابس جو خیالات کی دنیا میں آ گیا تھا، اُس کو clean up کرنے کی کوشش کی مگر ابنِ تیمیہؒ بھی امام احمد بن حنبلؒ کی طرح مزاج کی سختی کا شکار تھے اور باوجود اتنی بڑی انقلابی کوشش کرنے کے وہ جدید مسلمانوں میں اس لئے popular نہ ہو سکے کہ وہ ہر شخص پر فتنہ پرور اور ہر سوچنے والے پر فتویٰ لگا کر اس وقت اُس کو قتل کر رہے تھے تو اُسی دوران امامِ تصوف خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ زندہ تھے اور وہ لوگوں کو دین کی اصلی غرض وغایت یعنی محبت واخلاص کا درس دے رہے تھے تو ابنِ تیمیہؒ نے انہیں لکھا کہ اے ابوالحسن! اگر تو لوگوں کو اسی طرح گمراہ کرے گا اور عمل کی بجائے انہیں محبتوں کے سبق سکھائے گا تو اُس کا جواب تجھے دینا پڑے گا اور میں تیری گردن مار دوں گا...... خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ نے اُس کو جواب

میں خط لکھا کہ اُے امامِ اہلِ حدیث وقرآن! میں تمہیں چھوٹی سے حدیث بھیج رہا ہوں، جو متفق علیہ ہے۔ اگر یہ حدیث غلط ہے تو بھی مجھے بتا دے، اگر صحیح ہے تو مجھ پر اعتراض نہ کرنا۔ حضورِ گرامی مرتبتؐ سے پوچھا گیا، ایک بدو نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ فرمایا: ''تُو قیامت کو کیوں پوچھتا ہے؟ کیا اس کے لئے نمازیں بہت پڑھی ہیں''؟ فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ! نہیں''۔ ''کیا روزے بہت رکھے ہیں؟'' فرمایا: ''یارسول اللہؐ نہیں''۔ ''کیا اور اعمالِ خیر بڑے کئے ہیں''۔ فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ! نہیں''۔ تو فرمایا: ''کس بل بوتے پر تو قیامت کو پوچھتا ہے''۔ کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ سے محبت بڑی ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''پھر قیامت کے دن لوگ اُن کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے جن سے محبت کرتے ہوں گے''۔

حضراتِ محترم! وہاں سے ایک...school of methodism ایک عمل کو ترجیح دینے والوں کا school اور ایک نیات کو زیادہ مخلصانہ طور پر presentation دینے والے سکول آپس میں ٹکرا گئے...... بجائے اعتدال کے، تصوف اور شرع علیحدہ ہونا شروع ہو گئے اور یہ معاملات آگے بڑھتے گئے اور ہمارے Mediaeval Ages تک آئے تو حضراتِ محترم! تمام شاعر، تمام ادیب، حافظ سعدی اور ان سارے لوگوں کی وجہ سے چونکہ ایرانی کلچر introduce ہو رہا تھا اور وہ عرب کے بنیادی طور پر خلاف تھے حتیٰ کہ ''شاہنامہ'' میں فردوسی اگرچہ مسلمان ہو گئے مگر اس نے گلہ کیا...... اُس نے گلہ کیا کہ تف ہے تجھ پر اے گردشِ آسماں کہ یہ سوسمار کھانے والے لوگ آلِ ساسان پر غالب آ گئے۔ یہ اتنا بڑا گلہ تھا کہ باوجود ہر کوشش کے اہلِ ایران جو بڑے intellectual تھے، بڑی پرانی تہذیبات کے مالک تھے اور بڑے فلسفیانہ خیالات رکھتے تھے، اُن کے ہاں تین بڑے مفکر پیدا ہو چکے تھے، ان میں سے زرتشت او ہُرمُزدک بڑے مشہور تھے۔

ہُرمُزدک دُنیا کا پہلا Communist فلاسفر تھا۔ مارکس سے پہلے جو بنیادی، اجتماعی اور اشترا کی نظریات دیئے، وہ مُزدک نے دیئے تھے۔ مُزدک نوشیروانِ عادل کے زمانے میں تھا، اُس کا concept یہ تھا کہ تمام اشیائے زندگی جو ہیں۔ یہ ہر ایک کیلئے ساجھے ہیں اور حتیٰ کہ انہوں نے عورت کو بھی مشترکہ پراپرٹی قرار دیا۔ یہ پہلے Marxian تھے۔ اقبال کہتا ہے:

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں امروز ہے

تو وہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ مزدکیت آج کا فتنہ نہیں ہے، یہ کوئی خالی Marxian

concept نہیں ہے بلکہ آج سے بہت پہلے مزدک نے ایک social setup، اشتراکی concept دیا تھا اور اُس نے یہ کہا تھا کہ تمام اشیاء ملکیتِ عوام ہیں اور بادشاہت ایک استحصالِ عام ہے اور جو لوگ بھی ہمارے ساتھ شریک ہونگے، وہ ہر چیز کو ہر آدمی کے ساتھ share کریں گے حتیٰ کہ عورتیں بھی......تو اتفاق یہ ہوا کہ نوشیروان جو اُس وقت بڑے انقلابی خیال سمجھے جاتے تھے تو اُس وقت بادشاہ نوشیروان عادل کی بہن بھی ان میں جا ملی، جس کی وجہ سے بادشاہ کو بڑا غصہ آیا......اُس نے ایک باغ بنوایا، جس میں entry کا دروازہ ایک بنایا اور باہر نکلنے کا دروازہ دوسرا اور باغ میں بے شمار گڑھے کھدوائے......ایک طرف سے لوگ اس میں داخل ہوتے مگر دوسری طرف سے نکلتے ہوئے انہیں کسی نے نہ دیکھا۔ تو نوشیروان عادل کے دامن پر تین ہزار مزدکیوں کے قتل کا دھبہ ضرور ہے۔

اُس وقت اک فلاسفی تھی، کہ All knowledge is humbug (تمام علم بے سود ہے۔) secondly جیسے ابن رُشد نے اپنے خیال میں کہا، جب کسی نے اُس سے پوچھا کہ عاد و ثمود پر آئے ہوئے عذاب سے تُو نہیں ڈرتا۔ تو ابن رُشد نے کہا کہ تم مجھے عاد و ثمود کے عذاب سے ڈراتے ہو، میں تو عاد و ثمود کو مانتا ہی نہیں ہوں۔ تو یہ half علم تھا۔ Archaeology اُس وقت پوری نہیں ہوئی تھی۔ Anthropology کا اُس وقت وجود نہیں تھا۔ اُس وقت کے جو فلاسفر تھے، وہ half علم کی بنیاد پر قرآنِ حکیم پر اعتراضات کر رہے تھے۔ اُس وقت اپنے علم میں تو مکمل تھے مگر دراصل وہ ایجادات و اختراعات، وہ دریافتیں اُن تک نہیں پہنچی تھیں جو ہمارے زمانے تک آئی ہیں۔ جس کی وجہ سے بہت سارے اعتراضات قرآن پر ایسے ہو رہے تھے جو بذاتہٖ مکمل نہ تھے اور حضراتِ محترم! قرآن حکیم ایک century کیلئے نہیں تھا۔ قرآنِ حکیم جب سے آیا، وہ ایک مکمل کائناتی علم کی سند رکھتا ہے اور وہ بہت آگے تک کی خبر دیتا ہے۔ قرآن قیامت تک کی خبر دیتا ہے، قرآن انجامِ دنیا بتاتا ہے، قرآن اس انجامِ کائنات کی خبر دیتا ہے۔

"کُلُّ مَن عَلَیھَا فَانٍ " (الرحمن 26:55)

(تمام کو فنا ہونا ہے۔)

کہ ایک وقت آئے گا، جب یہ Big Bang کے ذریعے پھیلتا ہوا جہانِ دوبارہ معدوم ہو جائے گا۔ خواہ وہ کسی Relativity کے تحت ہو یا کسی Quantum کے نظریے کے تحت ہو۔ تو قرآنِ

حکیم نے جو حقائق بیان کیے، ابھی سائنس اُن تک نہیں پہنچی تھی تو حضراتِ محترم! اُس وقت ایک dichotomy اس لئے پیدا ہو گئی کہ پھر کوئی ابو حنیفہ، پھر کوئی شافعی، پھر کوئی غزالی، پھر کوئی ابنِ رشد پیدا نہیں ہوا اور اسلام کی طرف سے سارے کا سارا defense اُدھورا رہ گیا۔

حضراتِ محترم! ایک بات میں آپ سے کہتا چلوں کہ کوئی شخص بھی خدا کو defend نہیں کر سکتا اس لئے کہ کوئی شخص بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی خداوندِ کریم کا مقصود و مطلوب ہے۔ ہم آثار و شواہد سے، اللہ کے رسول ﷺ کے مزاج سے، اُن کی بتائی ہوئی باتوں کی وجہ سے اتنی bifurcation ضرور کر لیتے ہیں کہ This is what is meant by God and this is what is meant by us ہر زمانے میں خدا اپنے آپ کو خود defend کرتا ہے۔ کوئی انسان اُسے defend نہیں کر سکتا۔ ہر زمانے میں قرآن اپنے آپ کو خود defend کرتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ جب کوئی قرآن کا defend مرتب کرے تو اُسے ضرور اس الٰہیاتی سائنس کے رُتبے تک آنا پڑے گا جو قرآن ہے۔ اگر آپ ایک بہت معمولی سے علم کے ساتھ، اتنے کم علم کے ساتھ، جیسے ایک چھوٹی سی language کی پوسٹ گریجویشن کرتے ہیں اور اُس پر بیس بائیس سال لگا دیتے ہیں، اگر آپ خدا کو defend کر رہے ہیں اور سب سے بڑی غلطی قرآن کے بارے میں یا تصورِ قرآن کے بارے میں یا جدلیات قرآن کے بارے میں یہ ہے کہ اگر میں sophisticated ہو جاؤں، میں اگر تعلیم یافتہ ہو جاؤں تو میرے نزدیک کچھ خیالات میری inner شخصیت کی وجہ سے پختہ ہو جاتے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ قرآن میری طرح کی باتیں کرے، تو جب کوئی ایسی بات مجھے قرآن میں نظر آتی ہے جو میرے ذاتی معیارِ جمالیات پر پوری نہیں اُترتی تو میں اُس کا انکار کر دیتا ہوں۔

حضراتِ محترم! قرآن چند ایک sophisticated intellecutuals کیلئے نہیں آیا۔ قرآن ہر درجہ کی ذہانتوں کیلئے ہے، ہر درجہ کے مسافروں کیلئے ہے، ہر درجہ کے عقل کے ڈھونڈنے والوں کیلئے ہے، قرآن صرف چند ایک odd فطرت کے لوگوں کے مطالعے کیلئے نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک عام chair میں بیٹھا ہوا فلاسفر یہ کہے کہ خدا کو میرے جذبات کے مطابق بات کرنا چاہیے تھا، یہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ فلاسفر ایک محدود عقل کے ساتھ، ایک محدود زمانے میں، ایک محدود pattern پر سوچتا ہوا decision دیتا ہے اور پروردگار ایک لامحدود زمانے میں تمام مستقبل اور ماضی کو دیکھتے ہوئے پوری امتِ انسان کیلئے ایک وقت میں

ایک اصول بتا رہا ہے۔ فرض کیجئے آج ایک شخص Western thesis کے تحت یا Western نظریات کے تحت ایک گلہ کرتا ہے کہ قرآن نے غلامی کو کیوں ختم نہیں کیا۔ تو حضراتِ محترم! قرآن نے غلامی کو کس لئے ختم نہیں کیا؟ یہ تو کہا کہ اچھا سلوک کرو، یہ تو کہا کہ سب سے بڑی نیکی جو ہے وہ غلام کو آزاد کرنا ہے، ساری tendency غلام کو آزاد کرنے کی طرف لگا دی مگر یہ نہ کہا کہ یہ سرے سے ختم کر دو۔ پہلے یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ایک صدی میں ابراہام لنکن نے جو ایک اچھے انسان تھے، اپنی بیشتر کوششوں کے ساتھ ایک بہت بڑے مرض سے نسلِ انسان کو چھٹکارا دلایا۔ مگر حضراتِ محترم! ایک صدی کی بات ہے صرف...... کیا یہی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی ہے کہ ایک century کے بعد، ایک بہت بڑی عالمی جنگ کے بعد، دو ہم دیکھ چکے ہیں اس لئے تیسری کی گنجائش موجود ہے...... کیا انسانی تہذیب وتمدن اگر مسمار ہو گئی تو دوبارہ زمین پر انسان اسی طرح غلام و آقا کی صورت میں نہ رہے گا اور جن قوموں کو غلبہ ہوا، اگر معیشت ومعاشرت ساری ٹوٹ گئی اور اگر دوبارہ ہم reduce ہو گئے، اس میدان سے نکل کر دوبارہ خیمہ زنِ میدان ہو گئے تو کیا پھر وہی صورت حال نہ پیدا ہو جائے گی جو ایک century پہلے، پندرہ ہزار برس پہلے سے غلامی کا ایک آغاز جو جاری وساری ہے، کیا دوبارہ یہی صورت حال نہ پیدا ہو جائے گی......؟

حضراتِ محترم! خدا کو کسی قیمت پر local angle سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ وہ پروردگار جو پچھلے زمانوں کے لئے قوانین مرتب کرتا چلا آیا ہے، وہ written اور حتمی قوانین اگلے زمانوں کیلئے دے چکا ہے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُن زمانوں کے کھلنے کا انتظار کریں...... ہم اُن زمانوں کی ابتدا کا انتظار کریں۔...... جس میں ہو سکتا ہے کہ پھر وہی کیفیاتِ معاملات پیدا ہو جائیں جیسے پہلے زمانوں میں تھے۔ حضراتِ محترم! خدا کو localize نہیں کیا جا سکتا، نہ خدا کو personal standard سے دیکھا جا سکتا ہے، اس لئے جب بھی قرآن پڑھا جائے گا یا جب بھی قرآن intellectual standards پر دیکھا جائے گا، وہ بہت وسیع ترین شکل و صورت میں دیکھا جائے گا، وہ زمانوں کی معرفت سے دیکھا جائے گا، وہ سماجوں کی معرفت سے پڑھا جائے گا، وہ انسانوں کی معرفت سے پڑھا جائے گا، ملائکہ وجنات کی معرفت سے پڑھا جائے گا۔

حضراتِ محترم! ایک زمانہ تھا کہ ابنِ سینا نے اپنی ''کتاب المعرفت'' میں جب ملائکہ کا ذکر کیا تو ملائکہ کے بارے میں یہ کہا کہ یہ وجود نہیں رکھتے، جنات کے بارے میں یہ کہا کہ یہ

وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ ہماری حسیات ہیں جو refined ہو جائیں تو ملائکہ ہو جاتے ہیں اور اگر کم refined ہوں تو یہ جنات ہو جاتے ہیں۔ گویا اُس وقت کے فلسفی جو تھے یا ابنِ سینا جیسے لوگ جو تھے، یہ ماننے سے عاری تھے کہ قدرتِ خداوند جسم کے بغیر کوئی برزخی وجود پیدا کر سکتی ہے یا بدن کے بغیر کوئی روحانی وجود تخلیق ہو کر سکتا ہے۔

حضراتِ محترم! یہ crisis چلتے چلتے آپ کے شہر تک آئے اور اسلام decadent ہو گیا۔ سولہویں صدی کے بعد، سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد، مسلمان حکومت بھی loose کر گئے، علم بھی loose کر گئے، دانش و حکمت سے بھی گزر گئے۔ پسماندگی اور وہی عرب کی صفات، تقلید پر تقلید اختیار کئے ہوئے......تو نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تھوڑی بہت عقل والے خدا کا انکار کر جاتے تھے، قرآن پر تنقید کر جاتے تھے۔

برصغیر کی تاریخ میں انگریز نے اپنی حکمرانی میں انتہائی ذہانت کے ساتھ B.A میں کوئی اور مضمون introduce کیا ہو یا نہ کیا ہو، ایک مضمون کو ضرور introduce کیا اور وہ فلسفہ تھا اور فلسفے کا بنیادی مقصد جو تھا وہ inquiry تھا، ایسے question اٹھانا، ایسی تنقید اٹھانا جو بنیادی dogma پر اعتراض کرے، جو بنیادی اصولوں پر اعتراض کرے اور جب مذہب ان اصولوں کا جواب نہ دے سکے تو پھر انتشار اور خیالات کی انارکی پیدا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کے زمانے میں برصغیر میں بڑے بڑے عالمانِ دین بھی دہریہ ہو گئے۔ ترقی پسندیت ایسی تھی کہ بڑے بڑے علماء...... دہریہ ہو گئے۔ ابھی آپ دیکھئے مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے B.A کیا تو دہریہ ہو گئے اور یہ خالی اُن کی مثال نہیں تھی، اُن کے ساتھ بے شمار لوگ ایسے تھے کہ جنہوں نے یورپی علم و تفکر سے جب استفادہ کیا تو اُن کو قرآن پر اعتراض ہوئے، بہت سی باتیں اُن کی سمجھ میں نہ آئیں۔ half-studied knowledgeability کے بعد انھوں نے خدا اور رسول ﷺ اور دین پر اعتراضات کئے اور اس کے بعد پکّے پکّے دہریہ ہو گئے۔ وہ ایک زمانہ تھا جب ہر B.A. فلسفہ کرنے والا دہریہ تھا۔

تو حضراتِ محترم! میں نے کہا تھا کہ بات آپ کے شہر (سیالکوٹ) تک آئی، یہاں سے ایک نوجوان اٹھا، اُس نے گریجویشن بھی فلسفے میں کی، پوسٹ گریجویشن بھی فلسفے میں کی، اس کے بعد یورپ گیا، بڑی keenly اُس نے حالات و واقعات کا مطالعہ کیا، بڑا اعلیٰ درجے کا فلسفہ پڑھا۔ نیٹشے اور فشتے کو پڑھا، پروفیسر وائٹ ہیڈ کا شاگرد ہوا، Marxian thesis بھی پڑھے

اور بے پناہ علم و معرفتِ فلسفہ کے بعد جب وہ واپس پلٹا تو حضراتِ محترم! وہ پھر بھی مسلمان رہا......
یہ ایک بڑی shocking سی بات تھی برصغیر کے لئے......اُن اُدھورے عالموں کے لئے......
اُن ناپختہ اذہانِ فلسفہ کے لئے بڑی حیرت کی بات تھی کہ ہم جو B.A. پاس کر کے، اتنے بڑے اعتراضات مرتب کر کے، ہم جو دہریے ہو گئے ہیں اور وہ پی ایچ۔ ڈی کر کے بھی مسلمان ہے۔

حضراتِ محترم! اقبال نے پہلی دفعہ ایک comparative صنف پیدا کی۔ بہت عرصے کے بعد دین کو ایک مفکرّ ملا، ایک مفسرّ ملا، جو بین الکائناتی توجیحات کے ساتھ قرآن حکیم کو explain کر سکتا تھا، ایک ایسا شخص ملا کہ جو آپ کو دوبارہ خیالات کے تقابل میں کھڑا کر سکتا تھا اور reconstruction کا مطلب بھی بالکل یہی تھا۔ Reconstruction of religious thought کا بالکل یہی مطلب تھا کہ ازسرِ نو اس اسلامی تصور کو بین الاقوامی اور شش جہاتی خیالات کے مقابلے میں کھڑا کر دیں مگر خواتین و حضرات! محترم اقبال نے جو کوشش کی تھی، جو محنت کی تھی، وہ اس لئے بے کار چلی گئی کہ باوجود اس کے کہ اُس کے خلوص نے، اُس کے ایمان نے جو چیزیں ڈھونڈیں۔ ایک تو reconstruction کا idea ڈھونڈا، دوسرا قائدِ اعظم کو ڈھونڈ لیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان As a matter of committment وجود میں آیا۔ پاکستان بحیثیت ایک ملک کے وجود میں نہیں آیا، پاکستان بحیثیت ایک committment کے وجود میں آیا۔ پاکستان جب بن رہا تھا، اُس وقت معاشی reasons بھی تھیں۔ پاکستان جب بن رہا تھا احساسِ کمتری بھی مسلمانوں میں بہت تھا۔ جب پاکستان بن رہا تھا، اُس وقت services میں کمی بھی بے تحاشا موجود تھی۔ پاکستان سماجی ضروریات کے تحت بھی بن رہا تھا مگر جب بہت سارے لوگوں نے مل کر ایک مکمل committment کا نعرہ ڈھونڈنا چاہا، سماجی نعرے سے اُمت مسلمہ آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، کسی مالی نعرے سے نہیں بڑھ سکتی تھی، کسی اخلاقی نعرے سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی تو اجماعِ امت کو آگے بڑھانے کے لئے جو committment کی گئی، وہ صرف ایک تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللہ......حضراتِ محترم! پروردگار کہتا ہے کہ تم لوٹ جاؤ گے تو میں لوٹ جاؤں گا، تم پلٹ آؤ گے تو میں پلٹ آؤں گا۔ ہم اپنی committment سے پلٹ گئے، خدا ہم سے پلٹ گیا آج۔ جس دن ہم اپنی committment کو لوٹ آئیں گے۔ خدا لوٹ آئے گا۔

"وَاِن عُدتُم عُدنَا" (بنی اسرائیل 8:17)

حضراتِ محترم! دورِ حاضر میں اسلام کے بنیادی attack تین فلسفوں سے آئے۔ ایک secularism سے، جس کی بنیاد میں دو بنیادی major instrument تھے: democracy اور liberty اور دوسرا sciences تھیں جنہوں نے اپنے وجود سے آگے بڑھتے ہوئے moral law کو dictate کرنا شروع کر دیا اور غیر محسوس حد تک سائنسی دریافتیں رفتہ رفتہ اخلاقیات کی حدود میں تجاوز کر گئیں۔ ماڈرن فکر بنیادی طور پر sciences سے متاثر ہوا، تحقیق و جستجو میں پھر بنیادی طور پر dogma پر اعتراض ہوا اور قرآنی قوانین پر ضرب لگنی شروع ہو گئی...... وجہ اُس وقت بھی وہی تھی کہ ابھی تک دوبارہ اقبال کے بعد قرآنِ حکیم کو ایسی explanation نہیں ملی تھی۔ لوگ ابھی تک بارہویں، پندرہویں، اور سولہویں صدی کے مفکروں کی رو سے فخر الدین رازی اور ابنِ سینا کی رو سے انہی آیات کو explain کئے جا رہے تھے، جن کے لئے اب دورِ حاضر کی versions چاہیے تھیں، جن کو ہم نے موجودہ ماڈرن scientific standard پر پرکھنا تھا۔

حضراتِ محترم! secularism میں بھی چونکہ سب سے بڑا instrument جمہوریت تھی، جو کبھی بھی اسلامی مزاج کے مطابق نہیں رہی۔ اس کے political institution کے ساتھ religion کو کبھی کوئی اعتراض نہیں رہا۔ اس کے ووٹنگ سسٹم method of election پر کبھی اسلام کو کوئی اعتراض نہیں ہوا بلکہ اسلام نے ابتدائے حال ہی میں چار سسٹم دیئے اور چاروں سسٹم میں کوئی بھی سسٹم مسلم اُمہ کو suit کر سکتا تھا۔ پہلا system جو ثقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا، کچھ لوگوں نے اس critical situation میں ایک شخص کا جب چناؤ کیا، تو اُس کے پیچھے reason یہ رکھی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی ساتھی تھے۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بعینہٖ اسی طرح عمل کیا اور یہ سوچتے ہوئے کہ اسلام ابھی crisis سے باہر نہیں ہے، انھوں نے اپنا prerogative individually استعمال کیا اور بجائے انتخاب کے Being fully convinced that this is the only man who suits Islam. انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کا چناؤ کیا۔

حضراتِ محترم! یہ ماڈرن سوسائٹی میں بھی ہوتا ہے۔ یہ British democracy میں بھی ہوا کہ جب World War شروع ہوئی تو انھوں نے تمام وزیروں کو

ہٹا کر جنگ لڑنے کے لئے Winston Churchill کو وزیرِ اعظم مقرر کیا۔ Those who know the history of England اُن کو یہ اچھی طرح پتہ ہے کہ جب جنگِ عظیم شروع ہوئی تو یہ جانتے ہوئے کہ کوئی civilian آدمی یہاں سُوٹ نہیں کرے گا۔ Queen نے یا King نے prerogative استعمال کرتے ہوئے سرونسٹن چرچل کو وزیرِاعظم مقرر کیا اور مزے کی بات یہ ہے کہ جنگ جیتنے کے فوراً بعد سرونسٹن چرچل کو سیاست سے نکال دیا گیا۔ تو خواتین و حضرات! ہر قوم یہ حق رکھتی ہے کہ وہ اپنے حالات کے مطابق بہترین انتخابی صورت اختیار کرے، تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ابھی ارتداد کا فتنہ ختم نہیں ہوا، ابھی مدینہ محفوظ نہیں ہوا اور اسلام کو بڑے مضبوط بازوؤں کی ضرورت تھی جو کسی اور کے نہیں ہو سکتے تھے، اسی لئے جلالتمآب عمر فاروقؓ کا انتخاب ہوا اور تاریخ نے ہمیں بتایا ہے کہ اُن کا انتخاب بہت زیادہ درست تھا۔ اُن کا انتخاب ایسی فراستِ ابو بکرؓ کی دلیل ہے کہ آج تک تاریخ اُنکی کی گواہی دیتی آرہی ہے۔

مگر سیدنا فاروقؓ کے بعد سسٹم میں تھوڑی سی تبدیلی آئی۔ اب بھی حضرت فاروق اعظمؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ میری طرح کا انتخاب ہو، اب چونکہ اور لوگ آرہے تھے، معاملات کھل رہے تھے۔ اب situation یہ پیش آئی کہ مجلسِ مشاورت منعقد کی جائے یا جنرل consensus کیا جائے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے مناسب سمجھا کہ ابتدائے حال میں لوگ ابھی اسلام میں پختہ نہیں ہوئے، اگر باقی لوگوں کو choice دی جائے تو ہوسکتا ہے کہ لوگ اپنے کسی کمزور آدمی کو آگے لے آئیں جو سارے consensus کو توڑ دے تو انھوں نے چھ کی کمیٹی بنالی۔ مگر چھ کی کمیٹی کے پیچھے یہ لازم قرار دیا کہ اصحابِ مدینہ سے یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں سے مشورہ لیا جائے، اپنے بیٹے کو جج مقرر کیا اور اُس کمیٹی میں سے زبردستی نکال دیا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ حضرت عمرؓ کی مراد عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنانے کی ہے۔

چھ کی کمیٹی نے مدینہ کے گھروں میں جا کر عثمان بن عفانؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔
حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کا انتخاب Total general consensus سے ہوا کہ بے شمار وفود جو اُس وقت ممالک روسائے اسلام سے آئے ہوئے تھے، وہ سب اکٹھے ہوئے تھے اور انھوں نے مِل کر حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اگر اس processing کو دیکھا جائے تو چاروں خلفاء کے زمانے میں چار processes نظر آتے ہیں۔ اسلام آپ پر کسی

مخصوص طرزِ عمل کو ban نہیں کرتا بلکہ وقت اور موقع کی ضرورت کے مطابق جو مناسب system آپ سمجھتے ہیں، وہ آپ اختیار کر سکتے ہیں۔ اگر democracy کا صرف political پہلو ہوتا تو اسلام کو اُس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر صاحبانِ محترم! democracy کا ایک اور پہلو بھی ہے جو moral نہیں ہے، یہ immoral نہیں ہے یہ amoral ہے۔ یہ نہ بداخلاق ہے نہ بااخلاق ہے...... یہ لااخلاق ہے۔ ضرورت کیمطابق جمہوریت اپنا اخلاق متعین کرتی ہے۔

حضراتِ محترم! یہ چونکہ بہت بڑا challenge ہے جو اس وقت درپیش ہے۔ اس نقطے کو ذرا غور سے سنیں کہ generally جو لوگ ووٹ دیتے ہیں اُن کی moral پوزیشن انتخاب کی حد تک اور ہے اور قانون بنانے کی حد تک اور ہے۔ generality یا common people are never a moral people اُن کو اُس قسم کی اصولی گرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے British democracy میں تین مرتبہ House of Commons نے homosexuality کا قانون پاس کر کے House of Lords کو بھیجا اور تینوں مرتبہ House of Lords نے homosexuality کا law مسترد کر دیا۔ امرد پرستی کا قانون reject کر دیا مگر تیسری مرتبہ روایتِ قانون یہ ہے کہ آپ اُس کو پاس کریں گے۔ تو majority جو moral نہیں ہے...... majority اُس وقت بھی Christian religion خواہ وہ Protestant ہو، خواہ وہ Roman Catholics ہوں، خواہ وہ Nestorian ہو خواہ وہ Anglican Church ہوں تمام کا تمام مذہب اس چیز کے خلاف ہے مگر تمام مذہب کے کہنے کے باوجود لوگوں نے اپنی majority will کے ساتھ homosexuality law اوپر بھیجا اور تیسری مرتبہ House of Lords نے اُسے accept کر لیا اور اس طرح اُن کے قانون کا ایک حصہ ہوا تو بہترین جمہوریت میں Morality is not the concept of general people اسی طرح امریکہ میں ہوتا ہے، اسی طرح Scandinavia میں ہوتا ہے: Man marriages with man are allowed and female marriages with female are allowed.

اصولاً مذہب democracy کے اسی ایک پہلو کے شدید خلاف ہے کہ جمہور اخلاقیات پر پابند نہیں ہوتا۔ انکا علم محدود اور جبلی شعور طاقت ور ہوتا ہے۔ General common person is not literate چونکہ وہ پڑھا لکھا نہیں ہوتا۔ اُسے حُسن و قبح

کی، جمالیات کی، اعلیٰ ترین اخلاقیات کی تعلیم نہیں ہوتی۔ So generally he passes the laws in favour of personal desires , wishes and physical necessities. اسی وجہ سے تمام democratics میں جہاں جہاں democracy ہے۔ وہاں وہاں moral relaxations بے حدوحساب چل رہی ہیں۔

حضراتِ محترم! ایک آخری حصہ اس بات کا رہ گیا ہے، ہر challenge کے لئے ایک response ہوتا ہے اور وہی آگے بڑھ کر Hegelian synthesis بن جاتا ہے۔ Hegel کے مطابق ہر نظریے کا ایک ردِعمل نظریے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ جب دونوں نظریات جنگ کرتے ہیں تو کچھ عرصے کے بعد اِس جنگ کے باوجود اُن میں مفاہمت کے انداز پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ایک synthetic نظریہ پیدا ہو جاتا ہے جو جزوی طور پر دونوں کا حامل ہوتا ہے اور وہ synthetic نظریہ کچھ عرصے بعد دوبارہ ایک نظریہ بن جاتا ہے اور پھر اسکا تواتر ہوتا ہے۔

Hegel کے نزدیک انسان ازل سے اس نظریاتی جدلیات کا شکار ہے اور عمل اور ردّ عمل کے اس فلسفے کے بعد انسان آگے اس لئے بڑھ رہا ہے، ترقی اس لئے کر رہا ہے کہ اُس کی یہ نظریاتی جنگ جو ازل سے جاری ہے، ابد تک جاری رہے گی اور نظریے کے مخالف نظریہ پیدا ہوتا رہے گا۔ اس نظریاتی جدلیات کو Karl Marx نے نظریاتی جدلیات کی بجائے مادی جدلیات کا نام دیا اور material dialectic شروع ہو گئے۔ تو There are two charges on Marx, پہلا الزام تو اُس پر یہ ہے کہ اس نے Hegelian جدلیات کو اس کے پس منظر سے ہٹا کر تمام تر مادیت پر منسلک کر دیا اور دوسرا اعتراض جو مارکس پر ہے کہ اُس نے جدلیاتی مادیت کے لئے یا مادی جدلیات کے لئے جو پس منظر چُنا وہ تمام تر یورپی تھا اور جو نظریہ اُس نے build کیا، وہ تمام تر اپنے ماحول کے پس منظر میں ہی اُس نے build کیا اور ماحول سے آگے نکل کر اُس نے ایک cosmos کی طرف توجہ نہیں کی اور بین الاقوامی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا، جہاں اُس کی جدلیات کے برعکس بڑے حیرت انگیز نتائج پیدا ہو رہے تھے۔ مثال کے طور پر اگر تمام جنگ have اور have not کی، غلام و آقا کی ہو تو وہ پہلی بات یہیں بھول گیا کہ کبھی کبھی غلامی acceptance of people ہے، اُن کے فیصلے کے مطابق چُنی جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام غلامی force کی جائے بلکہ جب survival کا مسئلہ ہو تو غلامی

بحیثیت ایک choice کے اختیار کی جاتی ہے۔

Anthropology اور History of law بتاتے ہیں کہ ابتدائے زمانہ میں جب معاشی اور معاشرتی نظام وجود نہیں رکھتے تھے اور انسان صرف چرا گاہوں کے لئے قتل و غارت کرتے تھے، ساحلوں کے لئے ایک دوسرے کا کشت وخون کرتے تھے تو اُس زمانے میں چونکہ قانونِ قصاص موجود نہیں تھا اور معاشرے ایک فردِ خاندان کا بدلہ صرف ایک فرد سے نہیں لیتے تھے بلکہ تمام خاندان سے لیتے تھے اور بہت جلد پورا معاشرہ، پورا انسان extinct ہونے لگ گیا۔ اتنا ختم ہونا شروع ہو گیا کہ کسی بڑے جانور کو مارنے کے لئے جو دو چار دس انسانوں کی طاقت چاہیے تھی، وہ بھی انسان کے پاس نہ رہی اور بعض قبائل دو دو یا تین تین انسانوں پر مشتمل تھے۔ جب یہ صورتِ حال پیش آئی تو انسان نے یہ فیصلہ کیا، کچھ بڑے بوڑھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہم کوئی ایسا قانون نہیں بنائیں گے، جس سے زندگی محفوظ ہو سکے تو ہم بحیثیت ایک نسل کے زمین سے ناپید ہو جائیں گے۔ یہ ایک thesis ہے کہ Dinosaur کی تباہی کے زمانے کے بعد انسان صرف اس لئے بچ گیا کہ وہ چھوٹا سا تھا۔ بڑے وجود کا مالک نہیں تھا۔ شاید بونوں کے سائز کا تھا، تو جب زمین پر بہت بڑے زلزلے پچاس ہزار سال تک جاری رہے، اس میں یہ ہوا کہ اس نسلِ انسان کو چھوٹا ہونے کی وجہ سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا میسر آ گیا، ایک جھاڑی مل گئی، اس کے ساتھ لٹک گیا اور اس طرح اس مکمل تباہی و ہلاکت کے زمانے میں جہاں بڑے بڑے وجود اللہ نے ختم کر دیئے، انسان بچ گئے مگر انسان جب بچنے کے بعد نئے دور میں داخل ہوا، جب اس کی آبادیاں بڑھیں، تو زندگی کے انہی حقوق کیلئے اس نے بے رحمانہ ایک دوسرے کا قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر یہ واحد وہ انسان تھا جس کو personally extinction کا خطرہ محسوس ہوا۔ اپنے فنا پذیر ہونے کا خطرہ محسوس ہوا، جیسے قرآن حکیم میں اللہ نے کہا اور جیسے میں آپ سے پہلے بھی کہہ رہا تھا کہ قرآنِ حکیم کے کسی قانون کو individually یا ایک century میں نہیں پڑھا جا سکتا۔ اس کی continuity اور validity لوکل بھی ہے اور total بھی ہے۔

قرآنِ حکیم نے ایک بات انتہائی خوبصورت اور حکیمانہ انداز میں کہی ہے، یقین جانیے کہ اتنی بڑی اور خوبصورت آیتِ قرآن ہے کہ شاید ہی اس قسم کی statement کسی دنیا کے ادب میں نظر آتی ہو۔

"وَلَكُم فِي القِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِى الالبَابِ" (البقرة 2:179)

(اے اہلِ عقل! اگر غور کرو تو ہم نے قصاص میں زندگی رکھ دی ہے۔)

یعنی قتل کے بدلے قتل میں زندگی رکھی ہے کہ اگر تم بے محابہ جانوروں کی طرح بغیر کسی خیال کے قتل و غارت میں مصروف ہو گئے تو تم ایک دوسرے کی زندگیاں ختم کر دو گے۔ اگر تم مجرم کی نشاندہی نہ کرو، اگر تم ملزم کو نہ پہچانو گے اور ایک خطا کی خاطر پوری نسلِ انسان کو قتل کرنے کے درپے ہو گے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریسؑ کے ذریعے یہ پہلا قانون نسلِ انسانی کو دیا اور Cassidin تہذیب میں جو بڑا بادشاہ تھا جسے Hammurabi کہتے ہیں۔ سب سے پہلے اس نے یہ قانون مرتب کیا۔

" اَلحُرُّ بِالحُرِّ وَالعَبدُ بِالعَبدِ وَالاُنثیٰ بِالاُنثیٰ "(البقرۃ 178:2)

(آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت)

کہ مرد کے بدلے مرد اور عورت کے بدلے عورت، آزاد کے بدلے آزاد، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک...... یہ وہ قانونِ قصاص تھا، جس نے زندگی مرتب کی...... اب اگر دیکھا جائے تو اس وقت غلامی بھی وجود میں آئی مگر غلامی اس لئے وجود میں آئی کہ جب ایک قوم کو، ایک جزوِ انسانیت کو total elimination کا خطرہ ہوتا تھا تو اس کے پاس دو choices ہوتی تھیں۔ ایک choice یہ تھی کہ وہ تمام تر اپنی موت قبول کرلے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ زندگی کی خاطر غلامی قبول کرلے۔ اس وقت by choice بہت سے قبائل نے طاقت ور قبائل کی غلامی قبول کی۔ پھر رفتہ رفتہ اس غلامی میں وہ ایک قوم بن گئے اور چھوٹے چھوٹے قبائل سے گزرتے ہوئے ایک بڑی قوم کی جہت تعمیر ہو گئی۔

حضراتِ محترم! اگر آپ تھوڑا سا غور کریں اور پرانے زمانے کی تہذیبات سے نکل کر اپنے Mediaeval Ages میں آئیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ thesis کہ غلام و آقا کی ہمیشہ آپس میں جنگ رہے گی اور یہ کہ غلاموں نے ہمیشہ آقاؤں کے اقتدار پر قبضہ کیا تو یہ غلط ہے۔ اسلام میں یہ واقعہ کبھی نہیں ہوا۔ ایک عجیب سی بات جو اسلام میں واقع نہیں ہوئی کہ کبھی اور کہیں بھی اس میں mass revolutions نہیں آئیں اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اسلام اگرچہ heads کے بدلنے کی ایک عادت کا شکار رہا ہے تو یہ مصیبت تو آتی رہی کہ ایک شہزادہ دوسرے شہزادے کو اتار دیتا۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اتار دیتا مگر عوام الناس کی حد تک انہیں دو چیزیں ملتی تھیں۔ رزق اور انصاف...... تمام اسلامی معاشرے میں یہ دو چیزیں مہیا تھیں۔

ہارون الرشید جیسے dictator کے زمانے میں ایک common بڑھیا اس پر مقدمہ کر کے اپنی زمین لے سکتی تھی اور اس کا محل ٹیڑھا ہو جاتا........سلطان مراد کے زمانے میں بھی جب ایک معمار کا ہاتھ کاٹنے کے عوض میں قاضی نے سلطان مراد کو قصاص کا حکم سنایا اور ہاتھ کاٹنے کی سزا دی، اگر وہ مدعی خود معاف نہ کرتا تو کبھی بھی قاضی اسے معاف نہ کرتا۔ لیکن مدعی کے معاف کرنے کے باوجود قاضی نے insist کیا کہ یہ سزا بحال رکھی جائے گی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ بادشاہ کے خوف میں آ گیا ہو۔

اگر آپ تھوڑا سا history کا مطالعہ کریں تو برصغیر کی history میں ایک خاندانِ غلاماں گزرا ہے۔ سلطان محمد غوری کے چالیس غلام تھے۔ ان کو چہلگانہ غلام کہتے ہیں اور سلطان محمد غوری سے انہوں نے حکومت چھینی نہیں۔ نہ کبھی انہوں نے سلطان محمد غوری سے بغاوت کی، نہ کبھی انہوں نے آقا و ولی نعمت کے حق میں کوئی جملۂ تکذیب کہا بلکہ سلطان نے خود ان غلاموں کو حکومتیں بخشیں۔ وہ ناصر الدین قباچہ تھا یا قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش تھا یا سلطان غیاث الدین بلبن تھا...... بادشاہ کی نگہداشت میں جب ان کی اہلیت و صلاحیت دیکھی گئی تو سلطان عالم سلطان محمد غوری نے ان کی صلاحیتوں کی بناء پر ان کو زمین سے اٹھا کر بادشاہتوں پر بٹھایا اور یہی لوگ ہندوستان کی تاریخ میں خاندانِ غلاماں کے نام سے جانے گئے۔

حضراتِ محترم! اسلام میں یہ بات ایک دفعہ نہیں ہوئی۔ دیلمیا میں سلطان بیبرس مصر کا حکمران بنا اور وہ بھی سلطان علاؤالدین کا غلام تھا۔ تمام سلجوقیہ غلام تھے جن کے ساتھ سلطنت اسلامیہ کی ہیبت و سطوت وابستہ ہے۔ جنہوں نے خلفائے عباسیہ کے بعد خلفائے بغداد کی اطاعت میں سربلندی حاصل کی۔ جہاں جہاں سلطان رہا وہاں غلام کا institution بڑا instructive رہا۔ غلام کا institution ہمیشہ ہی ایک بڑی بلندی و مرتبہ کے رُتبہ کا حامل رہا اور جن بادشاہوں نے اور جن منصف مزاج مسلمانوں نے ان میں عزت و شوکت دیکھی اور جیسا انہوں نے ان کو پایا، ویسے treat کیا اور یہ واحد اسلام کی تاریخِ عالم ہے کہ جہاں کوئی بھی معمولی سا غلام اُٹھ کر بادشاہت کا مالک ہوا۔

مگر کارل مارکس کی توجہ تاریخ کے ان حقائق تک نہیں گئی۔ Marxian فلاسفی اس وقت وجود میں آئی جب Russia میں ایک پل سے پیدل گزرنے پر ٹیکس تھا۔ اس کے واپس جانے پر دوبارہ ٹیکس تھا۔ تندور میں روٹیاں لگانے پر ٹیکس تھا اور روٹیاں نکالنے پر ٹیکس تھا۔ تو

حضرات محترم! European serfdom worst exploiter of time
وہ ایک بدترین استحصالی معاشرہ تھا اور اس قسم کا استحصالی معاشرہ killing everybody.
مسلمانوں کی تاریخ میں کبھی بھی نہیں گزرا، اس لئے Marxian جدلیات کی تمام نظرا پنے یورپین
ماحول پر تھی اور اسی لئے اس کے پس منظر میں اتنی تلخی آئی ہے مگر Marx کا اپنا حال یہ تھا کہ اتنا
بڑا فلسفہء خیال دینے والے کا اسلامی نظریہ پر کوئی علم نہ تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں اسے
appriciate نہیں کر رہا بلکہ شاید اس وقت کے یورپین مسائل کا حل Marxian ہی تھا۔ حتیٰ
کہ اقبال نے اسے ایک بہت بڑا compliment دیا ہے کہ:

صاحب سرمایۂ ازنسلِ خلیل
یعنی آن پیغمبرِ بے جبرئیل

حضرات محترم! میرا نہیں خیال کہ اس سے بڑا کوئی compliment ہو جو اقبال نے
اسے دیا مگر جہاں تک اسلام کی بات تھی۔ as a religion اس نے اسے touch نہیں
کیا۔ اسلام میں ہر نظریے کے سامنے اتنی لچک ضرور موجود تھی کہ وہ Marxian فلاسفی ہو یا
Secular فلاسفی ہو یا Existentialism ہو وہ ہمیشہ سے کچھ دیر تو نتیجتاً جو بھی نظریہ ہو گا اگر
دوسرا نظریہ اس پر aggression میں ہے، تو کچھ دباؤ تو ضرور آئے گا۔ مگر
inherently مسلمان mind اس نظریہ کی ان تمام values کو وصول کرتا ہے۔ کیونکہ
already جو قرآن اور رسولؐ انہیں دے چکے تھے، اگر وہ بندوں کی وجہ سے اسے وصول نہیں
ہوئی تو کم از کم بحیثیت ایک امت کے یا بحیثیت ایک سکالر کے کون مسلمان اس سے آگاہ نہیں تھا
کہ fraternity equality, right of Inheritance جو Law کوئی دوسری
نسل دے رہی ہے۔ For Example اگر ہم یہ کہیں کہ Marxian Philosophy
was also a counterfeit copy of Islam. وہ بھی انہی معاملات اور انہی
خیالات کو پیش کر رہے تھے جو اسلام اس سے بہت پہلے کر چکا تھا مثلاً جب India میں اسلام آیا
ہے تو اپنے ساتھ دو Basic values لایا۔ ایک تو Unitarian Faith لایا ہے۔
There was such a geometrical precision about the oneness of God in Islam that no mythology was possible. ایک تو یہ تھا کہ کلی وحدانیت پر اعتماد جس کے ساتھ لَاشَرِیکَ لَہٗ ہر صورت لگتا

تھا اور آج کے زمانے میں بھی جب مذہب اپنی decadance کی آخری صورت میں ہے۔ اگر آپ کسی مسلمان سے یہ پوچھ کر دیکھیں کہ خدا کتنے ہیں تو وہ کہے گا ایک...... اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی اسلامی نظریہ شاید محفوظ نہیں ہوا اور دوسری بات جو ہے کہ اسلام ایک Equality of patterns کا concept لایا تھا جو انڈیا میں پہلے سے caste میں بٹا ہوا تھا۔ چندر اموریا گپتا کے زمانے میں جو ذات پات کا نظام بنایا گیا تھا، برہمن میں، کشتری میں، ویشا میں اور شودرا میں اتنا مضبوط ہو چکا تھا کہ اب وہ خون کے ہر قطرے میں تھا۔ Now it was the pathology for the Indians اور جب اسلام یہاں آیا تو اسلام سے متاثر زدہ لوگ انہی دو concepts سے متاثر ہوئے: ایک تو جو اس نے fraternity اور equality کا پرچار کیا اور دوسرا jungle of gods and goddesses میں سے یعنی بے پناہ ہجوم دیوی اور دیوتاؤں میں سے اس نے خدائے واحد کا علم بلند کیا۔

حضراتِ محترم! اسلام اگر مارکس فلاسفی سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ مارکس کے پاس اسلام کو متاثر کرنے کیلئے کوئی چیز نہ تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ already ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ جو concept کشت وخون کے نام پر کیا جا رہا تھا، جو concept military Jackboots کے نام پر دیا جا رہا ہے وہ ہمیں خدا اور رسولؐ نے محبت و مروت اور عدل سے عطا کیا ہوا ہے اسی لئے کوئی مسلمان بھی ان concepts کی کبھی مخالفت کرتا نظر نہیں آئے گا۔ میں اس بچے کی بات نہیں کرتا جو اپنے باپ سے ناراض تھا اور Communist ہو گیا۔ میں اس بچے کی بات نہیں کرتا کہ جو مولویانہ تنظیمات کے خلاف تھا، جس کو ہر وقت کی چخ چخ قابلِ قبول نہیں تھی، کبھی سر ڈھانپنے کی، کبھی پائنچہ اُٹھانے کی، کبھی یہ کرنے کی، کبھی وہ کرنے کی......

ایسے بہت سے لوگ پاکستان میں کمیونزم کی طرف مائل ہوئے جو دراصل اسلام کو نہ جانتے تھے۔ مگر اسلام کے representatives کی کوتاہ نظری اور کم علمی کو ضرور جانتے تھے۔ بیشتر مسلمانوں میں جو communist ہوئے یا جو socialist temper کے مالک ہوئے، اُنکا احتجاج اسلام کے خلاف نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کے خلاف اور ان patterns کے خلاف تھا جو غیر اسلامی تھے مگر اسلام کے نام پر پیش کئے جا رہے تھے۔ حضراتِ محترم! اس کی مثال ابھی آپکو طالبان کے چار قوانین میں نظر آتی ہے۔ اگر بدقسمتی سے یہ قوانین طالبان کی وجہ سے اسلامی سمجھیں جائیں گے تو اعتراض اسلام پر آئے گا۔ For Example جب طالبان

نے یہ پہلا حکم لگایا کہ کوئی ننگے سر نہ چلے تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جس معاشرے میں اسلام شروع ہوا، قریش کے عماموں کے سوا کوئی اور لوگ سر نہیں ڈھانپا کرتے تھے۔ کپڑا تھا ہی نہیں کہ وہ سر ڈھانپتے اور یہ عمامہ اور دستار تمرّد اور سرداری کا نشان تھا اسی لئے نماز کے پورے ابواب میں بخاری اور مسلم میں اور صحاح ستہ میں اگر آپ بابِ صلوٰۃ دیکھیں گے تو اس میں سر ڈھانپنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ باقی ہر چیز کا ذکر ہوگا۔ مگر متفق علیہ ان دو کتابوں میں نماز وصلوٰۃ کے chapter میں کسی قسم کا سر ڈھانپنے کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ جب دوسرا قانون انہوں نے پاس کیا کہ عورتوں پر تعلیم بند ہوگئی تو یہ direct اس قانون کے خلاف تھا جو رسول اللہ ﷺ نے دیا کہ:

"طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة"

(علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور ہر مسلم عورت پر فرض ہے۔)

اب اگر اس کے برعکس کوئی مذہبی شخص عورت پر تعلیم بند کردے گا تو کم از کم وہ اسلامی نہیں، اپنا ایک جز وقتی قانون ضرور استعمال کر رہا ہوگا۔ اسی طرح حضراتِ محترم! جب وہ یہ قانون پاس کر رہے تھے کہ عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے تو کم از کم انھیں قرآن میں وہ آیت تو پڑھ لینی چاہیے تھی کہ اگر عورتیں بوڑھی ہو جائیں اور پردہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

فرض کیجئے کہ اب یہ قوانین اگر Western democracy کے پاس چلے جاتے ہیں، اگر یہ قوانین کسی غیر کی نظر میں جاتے ہیں تو بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اصلی اور original اسلام پر نظر نہیں ڈالے گا۔ اگر مسلمان اسلام کے بارے میں اتنے غافل ہیں تو غیر کو اسلام سے کیا غرض ہے؟ وہ تو صرف اس برتن کو دیکھتے ہیں جس میں اسلام پڑا ہوا ہے۔

کچھ دیر ہوئی میرے پاس ایک امریکی صاحب آئے اور انہوں نے اسلام کے بارے میں تجسّس کیا۔ انھوں نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب میں آپکا اس لئے سن کے آیا ہوں کہ I don't find properly educated Musalman to talk with on a certain level. میں پہلے یہودی تھا۔ میں نے بڑا عرصہ یہودیت میں گزارا۔ مجھے یہودیت سے خدا نہیں ملا تو میں نے Christian بن کے وقت گزارا۔ میں کافی عرصہ Christian رہا ہوں۔ مجھے خدا نہیں ملا۔ میں اب بدھسٹ ہوں، مجھے بدھسٹ ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں مگر اب بھی میری بے چینی کا وہی عالم ہے۔ مجھے خدا نہیں ملا۔ تو I have

heard that you are specialist in the concept of God. Can you help me. تو میں نے اس سے کہا کہ بھائی تجھے سودا چاہیے یا دکان چاہیے؟ تجھے کیا چاہیے؟ پہلے یہ decide کر لے کہ تجھے religions چاہئیں یا خدا چاہیے؟ تُو جو یہ دکانیں بار بار بدل رہا ہے، تجھے سودا نہیں مل رہا تو تُو نے اسلام کو chance کیوں نہیں دیا؟

Why did you develop a prejudice against this religion کیوں تو نے اسلام کو بھی try نہیں کیا۔ ایک بڑا مذہب تھا، بہت بڑا claimant تھا۔ اگر تو نے Judaism try کیا تھا، Christianity try کی تھی، تو نے بدھ ازم try کیا تھا۔ تو اسلام کو کیوں نہیں try کیا؟ اس نے مجھ سے کہا۔ Perhaps I made a mistake. تو میں نے کہا کہ If you have made a mistake and you are really interested in God and you did not find in any other religion, why not you try Islam, also.

میں نے بالکل اس سے نہیں کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ میں نے اس سے کہا کہ بخدا مجھے تیرے اسلام کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اگر تجھے کوئی Christians کی ضرورت ہے تو ہمارے پاس سے دس بیس کروڑ مسلمان لے جا، وہ خوشی سے امریکہ جانے کیلئے Christian ہو جائیں گے۔ ہمیں تو اپنے لوگوں سے جان چھڑانے کی ضرورت ہے۔ مجھے ایک انگریز کو امریکی کو مسلمان کر کے نہ تو ترفع نصیب ہو گا، نہ کوئی عزت نصیب ہو گی۔ But if you are interested in God تو میں تجھ سے دو باتیں کہہ رہا ہوں کہ Give a chance to Islam and give some acceptance to the Prophet of God, Mohammed. اگر تُو سمجھتا ہے کہ تُو خدا میں interested ہے تو خدا تو یہ کہتا ہے کہ سب میرے پیغمبر ہیں۔ اگر تُو محمد ﷺ تک آ کر رُک جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ علم کے خلاف اور خدا کے خلاف تیرے دل میں prejudice موجود ہے۔ Give him a try صرف ایمان مت رکھ...... قبول مت کر...... مگر ایک trial تو دے۔ حضرات محترم! میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ جس prejudice میں یہ گرفتار ہے، اس سے نکال کر میں اس کو سیدھے رستے پر لے جاؤں۔

After about thirty forty days انہوں نے claim کیا کہ خدا کا بھی مجھے کچھ شعور حاصل ہو گیا، کچھ حالات زندگی بھی بدل گئے۔ تو مجھے کہنے لگا what next...?

اس کے آگے میرے ساتھ کیا ہوگا؟ میں نے کہا: ''کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اللہ میاں نے پچھلی اٹکائی تھی، اٹکالی۔ آگے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آگے تیری خیر وسلامتی کا دور ہے، آگے تیری learning ہے۔ جو چیز تو نے by chance لی تھی، اب by choice لے گا۔ اب شعوری کاوش کرے گا'' تو حضراتِ محترم! جب idea, idea سے ٹکرایا تو اس چیز کی value ہونی چاہیے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ باقی دنیا میں idea کو propagate کیا جاتا ہے، ہمارے ہاں، container کو propagate کیا جاتا ہے۔ باقی لوگ جو ہیں وہ مارکسن فلاسفی discuss کرتے ہیں۔ جب اسلام کی باری آتی ہے تو مسلمان discuss ہوتا ہے۔ اسلام discuss نہیں ہوتا۔ The reason is very obvious. Where all other philosophers have got very well devoted best adherence. بہترین دماغ ان کی assistance کرتے ہیں۔ معاشروں کے بہترین لوگ ان خیالات کو قبول کرتے ہیں، ان کے لئے پوری پوری زندگی دیتے ہیں، جدوجہد کرتے ہیں اور ایک ابلاغی رستے پر چلتے ہیں۔ اس کے برعکس جب اسلام کی باری آتی ہے تو total failure اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ dichotomy جو یورپ نے اپنے مذہب اور دنیا میں پیدا کی تھی کہ مذہب ایک ذاتی مسئلہ ہے اور دنیا ایک اور مسئلہ ہے، رفتہ رفتہ پوری مسلمان دنیا میں سرایت کر گیا اور دین کو دنیا سے علیحدہ کر دیا گیا۔ دنیاوی علوم کو دینی علوم سے علیحدہ کر دیا گیا۔ حضراتِ محترم! یہ وہ پرابلم تھا، جو مسلمانوں نے face کیا تھا۔

اب دیکھئے If you have to meet the challenge of Marxism. مسلمانوں نے Marxism کو نہیں مارا۔ ایک نظریہ boredom اور total tensions, کی وجہ سے خود ہی اپنے آپکو exhaust کر گیا۔ وہ اپنی طاقت سے چونکہ تمام کی تمام negativity کی force پر قائم تھا۔ Basically it was born out of the crucial time, then murder and killing are ferocious اور وہ دعویٰ یہ کر رہے تھے کہ تمام انسانوں کو ایک جیسے حقوق حاصل ہوں۔ philosophically ان کا دعویٰ اس لئے غلط تھا کہ ستر سال میں مارکسزم کوئی class یا سوسائٹی نہیں دے سکا، جو...... جدلیات کا نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔ جدلیات کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر thesis کے خلاف ایک anti-thesis ہوتا ہے یعنی غلام کے خلاف آقا...... کہ جب ان کی

جنگ ہوگی تو ان کے درمیان میں جو class پیدا ہوگی وہ نہ غلام ہوگی، نہ آقا ہوگی بلکہ ایک middle class ہوگی۔

مگر جب Russia ٹوٹا ہے تو اس کے ایک common worker میں اور اس کے ایک naval officer کی تنخواہوں میں بارہ سو چوہتر درجے کا فرق تھا، اور بجائے Zionist imperialism کے اس پوری حکومت کو Russian Politburo نے replace کر دیا تھا۔ Whereas the Politburo was the top most rulers of the country. ایک common آدمی میں اور Politburo میں جو differences تھے وہ لامحالہ بے پناہ تھے۔ اسلام کی تو بات ہی چھوڑ دیجئے۔ Marxism میں جب اپنے چڑھاؤ پر تھی تو Christian religion نے ان کو اس بری طرح سے شکست دی کہ Ist International Congress میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ ہم مذہب کو متقابل ہو کر نہیں چھیڑیں گے۔ جرمنی میں جب کیمونزم آیا جو اس کا گھر ہے، مارکس کا گھر ہے، تو یہاں جب First International پر فیصلہ کیا گیا کہ جرمنی میں ہماری تبلیغ جدلیات Christians Orthodoxy کی وجہ سے رک گئی ہے تو فیصلہ یہ ہوا کہ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی خیال مذہبی خیالات کے متقابل جاتا ہے تو انکے پیچھے کھڑی ہوئی images میں اتنی powers ہیں کہ ہم اپنے خیالات کو ان پر مسلط نہیں کر سکتے۔

ابھی مجھے ایک Russian لڑکی ملی، تو میں نے اس کو پوچھا کہ تم لوگ Marxian زمانے میں یا Leninism کے زمانے میں کیسے رہتے تھے تو اس نے کہا ہمارے گھروں میں جو عورتیں، جو ہماری مائیں تھیں، وہ ساری کی ساری Christians تھیں۔ When we would become out we will be Communist تو ہمارے گھروں میں عورتوں نے چھوٹی چھوٹی Christ کی images بنا رکھی تھیں۔ She was a pure Russian girl اس نے کہا کہ ہم نے pure اپنی images بنا رکھی تھیں اور ہم ڈر کے مارے We only share it with very personal links کہ ہم ابھی تک Orthodox Christians ہیں and we have to do nothing with Socialism and Communism یہ وہ نفاق ہے جو کسی نظریے کو willingly accept نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور تمام اس فلاسفی میں یہ پیدا ہو جاتا

ہے جس میں شدت موجود ہو، جس میں سختی موجود ہو، جو murder کو روا رکھے اور جو قتل و غارت کی بنیاد رکھے، کیونکہ عام انسان طبعاً حلیم اور امن پسند ہے، وہ اس فلسفۂ خیال کو نہیں جانتا۔ اب اس کے برعکس بدقسمتی سے اسلام میں ایک اور بحران آیا۔

حضراتِ محترم! میں آپ سے چلتے چلتے ایک بات کہہ دوں کہ اسلام کو آج تک کسی کاؤنٹر فلاسفی سے کوئی ضرب نہیں پہنچی۔ اسلام کو آج تک کسی باہر کی movement نے رسوا نہیں کیا۔ آج تک کسی نظریۂ خیال نے نظریۂ اسلام پر دباؤ نہیں ڈالا۔ خداوند ذوالجلال والاکرام کا یہ thesis اتنا متحرک اور اتنا important ہے کہ ہر زمانے میں، ہر صدی میں نہ صرف اپنے آپکو safe کرتا رہا بلکہ ہمیشہ اپنے مخالفین کیلئے یہ باعثِ ندامت بنا۔ اس میں خیالات کی اتنی power، اتنی movement ہے، اتنی طاقت ہے ......!!! خواہ اس کی mysticism ہو، خواہ اس کی شرع ہو، خواہ اس کا طریقت کا نظام ہو، اس میں اتنی power ہے، یہ سچائی کا اتنا بڑا نظام ہے کہ آج تک کسی بھی temporary فلسفے سے یہ متاثر نہ ہوا مگر:

''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''......

جب معیارِ اسلام گرا، جب اسلام کو جس نے بھی، جب بھی گرایا تو اس کی اس لوکل interpretation نے گرایا کہ جنہوں نے قرآن کو بین الکائناتی، آفاقی اور بین المعاشرتی سطح پر سمجھنے کے بجائے اسے اتنے لوکل انداز میں interpret کیا کہ جو خدا کا مذہب تھا، جو خدا کے رسوخ اور رسائی کا مذہب تھا، اسے اس نے ٹخنوں تک محدود کر دیا، اسے انہوں نے مسجدوں کے titles میں محدود کر دیا کہ یہ مسجد فلاں فرقے کی ہے اور یہ مسجد فلاں فرقے کی ہے۔ اسلام اور دورِ حاضر کا attack کسی individualism سے نہیں آیا، کسی فلسفی سے نہیں آیا۔ اسلام کا سب سے بڑا مخالف خود خدا اور رسول ﷺ نے line out کیا اور یہ تھا دجال...... دجال جو عصرِ حاضر کی تمام تر scientific inventions پر بنیاد رکھتا ہے۔

اسلام کو سب سے بڑا مسئلہ جو پیش آیا اور اب بھی پیش آرہا ہے، وہ صرف دجل کے اس فریب سے ہے جہاں انسان نے اپنی individual capacity میں Scientific pragmatism میں اپنے آپکو خدائی دینی شروع کر دی۔ جہاں انہوں نے آیاتِ قرآنی کا اس لئے بطلان کیا کہ یہ پندرہ سو برس پرانی آیات ہیں۔ یہ decadent art ہے حتیٰ کہ

Russell نے کہا کہ .All gospel truth is alike کچھ نے کہا کہ مذہب صرف verbosity ہے، Hyperbollic expressions ہیں۔ تمام جدید ترین mathematicians فلاسفرز اور Pragmatic scientists نے مذہب پر سب سے بڑا یہ اعتراض کیا کہ It does not come up to the standard of the objective criticism of modern times.

حضراتِ محترم! یہ صرف اس لئے ہوا کہ اسلام میں بھی دورِ حاضر میں objective truth کا سمجھنے والا کوئی نہیں رہا۔ قرآن کو بھی اسی pattern پر جاننے والا کوئی نہیں رہا۔ وہ قرآن جو اپنی پہلی آیت میں ان تمام نظریات کو ایک مضبوط ترین challenge دے رہا تھا: "الـــم . ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ" کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں...... اگر تمہیں کوئی شک ہے، کسی سائنسدان کو کوئی شک ہے، کسی ادیب کو کوئی شک ہے، کسی عالم کو شک ہے، کسی فلاسفر کو شک ہے، یا فشتے کو شک ہے، یا برگساں کو شک ہے، نیٹشے کو شک ہے، یا ہیگل کو شک ہے، یا ہاپکنز کو شک ہے، جو cosmos کو سٹڈی کر رہا تھا، تو why not come back to Quran. بجائے اس کے کہ تم کتاب اللہ کے ساتھ ناانصافی کرو، بجائے اس کے کہ تم مسلمان کی حالت سے قرآن کو judge کرو، بجائے اس کے کہ تم خود ساختہ تعصبات کے ذریعے ایک کتاب کو Interpret کرو......

میں نے آپ سے بہت پہلے عرض کیا تھا کہ خدا کو defend کرنا میرا کام نہیں ہے۔ ہر زمانے میں خدا اپنے آپکو خود defend کرتا ہے اس لئے کہ اگر ایک انسان پر اس کا defence ہوتا تو اس انسان کے گزر جانے کے بعد وہ defence loss ہو جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ علم وفراست یہ تو کہتی ہے، حضرت علیؓ کا قولِ مبارک ہے، کہ ہر عصر میں اس امت کا حصہ ہے...... اس زمانے میں مَیں بارہویں، پندرہویں صدی کی تاویلات قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے وہ تاویل چاہیے جو موجودہ scientific دور میں مجھے موجودہ scientific parallel دیتی ہے۔ مجھے objective standard کا parallel دیتی ہے، مجھے اس سے آگے بڑھاتی ہے۔ میں اس قرآن کو چاہتا ہوں جو آج کے جدید ترین زمانے سے بھی آگے جاتا ہے۔

حضراتِ محترم! ایک بہت بڑا طعنہ دیا جاتا تھا آج کے دور میں بھی اور کچھ عرصے پہلے بھی کہ جب ہمارے ہاں کوئی سائنسی ایجادات ہوتی ہیں تو مسلمان اسے قرآن سے نکال لیتے

ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا طعنہ دیا جاتا تھا۔ آج میں آپ کو کچھ ایسی آیات بتا رہا ہوں، کچھ ایسی باتیں بتا رہا ہوں، جو ابھی تک کسی سائنسدان نے discover نہیں کیں، جو آج کے scientific thesis کو compete کرتی ہیں، جو آج کے نظریات کے مقابل ایک بہت بڑے آفاقی نظریات کی متحمل ہیں، میں آیتِ قرآن quote کروں گا، میں اس میں کوئی لفظی تخیل نہیں کروں گا۔ اسلام تاویل سے مارا گیا، کم عقلوں کی تاویل سے...... جس کو جتنی بات سمجھ میں آئی، اتنی بات اس نے تاویل میں پیش کر دی۔ یہ نہ دیکھا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤں، شاید زمانہ اتنا آگے نہیں بڑھا، شاید انسان نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی کہ آفاقی حقائق کی تحقیق تک پہنچ سکے۔

میں اب آپکو وہ باتیں بتانے چلا ہوں، جہاں تک ابھی انسان نہیں پہنچا...... اکیسویں صدی کا انسان نہیں پہنچا، اکیسویں صدی کا scientist نہیں پہنچا، Black Holes کا سائنسدان نہیں پہنچا، جنرل Relativity کا ماسٹر نہیں پہنچا، Quantum کا مفکر نہیں پہنچا۔

"اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ السَّمٰوٰتِ " (الطلاق 12:25)

(اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اُسی کی طرح کی سات زمینیں بھی)

حضراتِ محترم! اگر یہاں پر بات ختم کر دیتا تو گمان تھا کہ یہ سات زمینیں inhabited نہیں ہیں۔ لائف شاید ہماری ہی زمین پر ہے، میں narcissist ہوں، میرا وجود اپنی لذت میں گم ہے، میں وہ انسان ہوں اس کائنات میں...... میں وہ مخلوق ہوں جس کا خیال یہ ہے کہ خدا ایک دنیا بنا کر تھک گیا ہے۔ خدا نے اس کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔ میں اُس کو اپنی دنیا میں محدود کرتا ہوں۔ خدا کہتا ہے ایسا نہیں ہے، ایسا بالکل نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور اُسی کی طرح کی سات زمینیں...... خالی یہ بات نہیں ہے۔

"وَیَتَنَزَّلُ الامْر " (الطلاق 12:25)

(ان ساری زمینوں میں میرا حکم اُترتا ہے جیسے تمہاری زمین میں اترتا ہے۔)

"لِتَعلَمُوٓا اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیٍٔ قَدِیر " (الطلاق 12:25)

(تا کہ تم جان سکو کہ اللہ کتنی بڑی قدرت کا مالک ہے۔)

اتنا تو جانو کہ میری کس کس بات پر قدرت ہے۔

یہ سب سے بڑی بات ہے جو cosmos میں پروردگار نے کہی۔ سائنسدان یہ بات جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ There could be other life belts in the

universe. سائنسدان یہ جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ کیا ہماری زمین جیسی اور بھی کہیں ہیں۔ کہیں اس آفاقِ بے پناہ میں کوئی اور سورج بھی ہے جس constellations کے ساتھ وابستہ کوئی زمین بھی ہے۔ اُس کے خیال میں ہے کہ ہوسکتا ہے۔ بنانے والا کہتا ہے کہ نہیں......ایک نہیں...... میں نے سات بنائی ہیں، مجھے پتہ ہے......ان ساری زمینوں پر میرا حکم اُترتا ہے۔ ضمنی سی بات ہے کہ اگر ان سارے عالمین کا وہ ربّ نہ ہوتا تو محمد رسول اللہ ﷺ اسی زمین میں محدود ہو جاتے...... ایک ہی زمین کی رحمت بن جاتے۔ اسی لئے پروردگار نے جہاں جہاں زمینیں تھیں...... جہاں یہ فرمایا کہ الحمدُ للہ ربّ العلمین وہاں یہ بھی فرمایا: "وَمَا اَرسَلنک اِلاَّ رَحمَةَ الِلعٰلَمِین" تو ظاہر ہے اُس کو تو اپنے نظام کا پتہ تھا۔ اب یہ رحمت للعالمین ایک نئی scientific exhibition دے رہے ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے۔ دیکھئے قرآن کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کس انداز سے کر رہے ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے، حضرتِ انسؓ کی حدیث ہے۔ دونوں اصحاب نے تواتر سے حدیث نقل کی ہے۔ باب الجنت میں یہ حدیث ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو جنت میں داخل کر چکے گا تو پھر بھی جنت میں جگہ بچ جائے گی اور جنت میں ہمیشہ جگہ بچی رہے گی۔ پھر اللہ دوسرے لوگ پیدا کرے گا، پھر اُن کی آزمائش ہو گی اور فرمایا کہ میں نے عمرو بن الحیٰ کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا ہے۔

حضراتِ محترم! یہ دونوں احادیث یہ بات بتاتی ہیں کہ یہ زمین پہلی زمین ہے، نہ یہ زمین آخری زمین ہے۔ تواتر کے ساتھ ایک بے پناہ سلسلۂ تخلیق ہے جو اس کائنات میں جاری ہے۔ شاید سات زمینوں کی صورت پر...... کب سے یہ زمینیں چلتی آرہی ہیں، کب تک یہ جائیں گی۔ حدیث رسول ﷺ ہے، ذرا غور کیجئے گا مسلم کی حدیث ہے کہ جب دوزخ مطالبہ کرے گی۔ "هَل مِن مَّزِید ......، هَل مِن مَّزِید ......" کچھ اور لاؤ...... میرے لئے کچھ اور لاؤ...... تو پھر ایک وقت آئے گا کہ لوگ دوزخ کیلئے باقی نہ بچیں گے تو خدا اسکے اندر اپنا قدم رکھ دے گا......تو دوزخ کہے گی: "پروردگار! میں راضی ہوئی، میرا پیٹ بھر گیا"۔ مگر جنت میں جگہ ہمیشہ خالی رہے گی۔ اب قرآنِ حکیم یہ کہتا ہے کہ یہ جنت کیا چیز ہے؟ ذرا غور کیجئے کہ galaxies کو interpret نہیں کیا جا رہا ہے۔ جنت کا ذرا حدود اربعہ دیکھئے۔ پروردگار کہتا ہے کہ "جَنَّةٍ عَرضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالاَرضُ" (یہ جنت جو ہے، اس کی چوڑائی تمہارے زمین و آسمان کے برابر ہے۔) یہ غور فرمائیے کہ آپ کا تصورِ جنت کیا ہے اور پروردگار کا تصورِ جنت کیا ہے: It is a

galaxy اتنی بڑی galaxy ہے کہ اس کی چوڑائی huge most galaxy in the skies.
آپکی galaxial order کی لمبائی کے برابر ہے اور آپکے galaxial order میں دوسو
ارب ستارے ہیں۔ یہ بات یاد رکھیئے کہ ستارہ جو ہے وہ آپکے سورج سے اٹھارہ سو سے لیکر اٹھارہ
ہزار گُنا تک بڑا ہے اور جنت کی چوڑائی ان کی لمبائی کے برابر ہے......واللہ اعلم بالصواب

حضراتِ محترم! نظریات کے تقابل میں اللہ اور اُسکے رسول ﷺ نے ایک ہستی کا نام
نہیں لیا بلکہ ایک زمانے کا نام لیا ہے، ایک عصر کا نام لیا ہے اور شروع سے لیکر آخر تک تمام پیغمبر
اُس کی گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔ اگر آپکو عہد نامہ عتیق پڑھنے کی کبھی فرصت ملے تو حضرتِ
دانیالؑ نے اسی عصر کی گواہی دی اور حضرتِ جبرائیلِ امین سے حضرتِ دانیالؑ نے پوچھا کہ وہ
وقت، وہ زمانہ کب آئے گا کہ جب خدائی کا دعویٰ کیا جائے گا، کیا اُن کی معرفت اتنی بڑھ جائے گی
کہ اُس وقت انسان اپنے آپکو خدا کہے گا، جھوٹ اور فریب سے اپنے آپکو مزین کرے گا، وہ
دجال کب آئے گا تو حضرتِ جبرائیلؑ نے حضرتِ دانیالؑ سے کہا کہ اے دانیال! تُو صالحین میں
سے ہے، تُو نیک لوگوں میں سے ہے، تُو اُس وقت زندہ نہیں ہوگا مگر اُس کی دو علامات میں تمہیں بتا
دیتا ہوں۔ ایک علامت تو یہ ہے کہ مملکت رُس اور بحیرہ بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قومیں دجّال
ہونگی۔ ایک نشانی تو انہوں نے یہ بتائی اور دوسری نشانی انہوں نے یہ بتائی کہ جب انسان اجرام
فلکی میں دراندازی کرے گا اور تیسری نشانی یہ بتائی کہ جب اُجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کی
جائیں گی۔ حضراتِ محترم! اس عصر کو عصرِ دجّال اس لئے کہتے ہیں کہ اب انسان خدائی کے
concept سے گزر گیا ہے۔ آگے بڑھتا ہوا اب وہ تصّورِ یزداں کا حریف نہیں رہا۔ بلکہ وہ یہ
کہنے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں خدا ہوں۔

آج کا انسان پورے مذہب کو، پورے تصورِ خدا کو محض ایک فرسودہ concept کا
مقام دیتا ہے۔ وہ Anthropology ہو یا Genetic engineering ہو یا کوئی بھی
فزکس ہو، Cosmology ہو، Psychology ہو یا Parapsychology ہو، ان علوم
کی آگہی سے آگے بڑھتا ہوا انسان تمام تر ایک ہی concept کو مضبوط کر رہا ہے کہ
Perhaps there is no God. Perhaps I am the God. تو سب سے
strong نظریہ جو اس وقت قرآن کے اور اللہ کے مقابل ہے، وہ نہ وجودیت ہے، نہ
Marxism ہے۔ یہ وہ نظریات ہیں جو ایک صدی کے فروغ تک ہیں، ان کی ایک مدت ہے،

ایک عصر ہے جیسے پروردگار نے یہ فرمایا کہ "کُلٌّ یَّجرِی اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی (لقمٰن 29:31)
(کہ ہر چیز چلتی ہے ایک وقتِ مقررہ تک......) تو انسان کے پیدا کردہ نظریات بھی ایک امت کی
طرح ہیں اور یہ اپنے بچپن سے فروغ تک کا وقت پورا کرتے ہیں......اور پھر...... کہن سالی اور
بڑھاپے کا شکار ہو جاتے ہیں اور تمام تر تاریخ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ بڑے بڑے
نظریات، بڑے بڑے odd نظریات، بڑے بڑے عجیب و غریب تصورات انسان کے ساتھ
آگے بڑھے اور پھر ایک صدی کے یا پچاس سال کے فروغ سے اپنی اجتماعی عمر پوری کر کے
انسان کے سینے میں اور ذہن میں انکا وجود باقی نہ رہا۔

مگر یہ جو عصر ہے، جس کو ہم ایک اکیلا نظریہ نہیں کہہ سکتے، جس کو اللہ اور اُسکے رسول
ﷺ نے دجّال کہا ہے، سب سے زیادہ رسول ﷺ نے اسکو explain کیا اور اس کی
qualities بتائیں اور اُس کی تخلیقات کا process بتایا اور وہ کارنامے بتائے جو دجال کرنے
کے قابل ہوگا، جو اس زمانے میں ہونگے، جو انسان کے یقین و اعتماد پر سب سے زیادہ بوجھ ڈالیں
گے۔ اگر اُن کارناموں پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ تمام کارنامے انسان کی علمی اور سائنسی ترقی کی
بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں۔ For Example حضرات! میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ ابھی سائنس وہاں
تک نہیں پہنچی جہاں کی ultimate progress کی طرف قرآن وحدیث نے نشاندہی کی
ہے، جیسے میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ ابھی تک انسان اُن سات زمینوں کی discovery تک
نہیں پہنچا۔ جدید ترین سائنس کی glimpse رکھنے کے باوجود اور outer galaxy سے
اشارات وصول کرنے کے باوجود ابھی تک اس مستحکم خیال تک نہیں پہنچیں کہ شاید outer
galaxy میں سات زمینیں موجود ہیں۔ وہ تو سات کا لفظ استعمال نہیں کرتے مگر
concept موجود ہے کہ شاید اس زمین جیسی اور زمینیں موجود ہوں۔ اور ہوسکتا ہے کہ کسی ایسی ہی
زمین میں کوئی مخلوق موجود ہو۔ یہ ایک probability کی طرح سائنس میں موجود ہے۔ مگر
سائنس اس حقیقت تک نہیں پہنچی جس طرف بڑے ہی یقینی انداز میں قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

اب ایک او رحدیث کی طرف آیئے، جو ایک بہت بڑی Genetic
engineering کی طرف اشارہ کرتی ہے مگر ابھی تک Genetic engineering اس
منزل تک نہیں پہنچی۔ توقع ہے کہ اس decade میں یا دس سال میں یقیناً Genetic
engineering یہ کام کرنے کے قابل ہو جائے گی مگر اس سے پہلے میں ایک اور حدیث آپ

کو بتاؤں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ زمین تمام چیزیں کھالیتی ہے مگر وہ جوڑ کی ہڈی جسے "ذَنَبْ" کہتے ہیں...... یہ وہ ہڈی ہے جس سے جانور کی دم اُگتی ہے، اُس ہڈی کو زمین نہیں نگل سکتی اور اُسی سے recreation شروع ہوگی۔ حضراتِ محترم! ابھی fossils میں جو latest genetic تحقیقات ہیں کہ fossils میں، اسی مقام سے Five thousand old fossils میں سے ایک Russian ایک Scandinavian scientist نے وہ gene دریافت کر کے اُس پر ایک نئی زندگی کو build کرلیا ہے اور ان کی آخری تحقیق یہ ہے کہ جاپانی جینیٹک انجینئرنگ کے experts نے ابھی ایک thesis یہ پیش کیا ہے کہ مردہ کا gene بھی relive ہوسکتا ہے یعنی یہ آخری تحقیق جو genetics میں جاری ہے کہ ایک مردہ جانور کا یا زندگی کا یا انسان کا gene بھی relive ہوسکتا ہے۔

اب مسئلہ سنیئے! بیٹی اور بیٹیوں کے پیدا کرنے کا......ابھی ایک research ایسی completion کو پہنچ رہی ہے کہ چونکہ بیٹی اور بیٹیاں دونوں مرد کے genes میں ہوتی ہیں، ایکس (x) کروموسومز اور وائے (y) کروموسومز ہوتے ہیں تو اب یہ ہو رہا ہے کہ اگر ایک filter لگا دیا جائے اور کسی آدمی کو لڑکے کی ضرورت ہو تو ایکس (x) کروموسومز کو اگر finish کر دیا جائے تو صرف اور صرف وائے (y) کروموسومز اندر اوور ی (ovary) میں جا کر egg کو fertilize کریں گے اور صرف لڑکے پیدا ہونگے۔ اگر کسی کو لڑکی چاہیے تو وہی filter جو ہے وہ وائے (y) کروموسومز کو filter کردے گا۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ filter ہیں جو آگے جا کر ایکس اور وائے کروموسومز کو علیحدہ علیحدہ کر دیتے ہیں اور اس طرح انسان کے اس spermatic fluid میں صرف لڑکیاں یا لڑکے پیدا ہوں گے۔ یعنی آج سے بیس سال پہلے ایک بہت خوبصورت آرٹیکل ایک میگزین میں آیا تھا اور اُس کا عنوان یہ تھا کہ Now you can choose the sex of your baby... اب آپ اپنے بچے کا انتخاب خود کر سکتے ہو۔

حضراتِ گرامی! یہ ایک جگہ نہیں ہے، ایک مقام نہیں ہے، یہ ایک عصر ہے۔ یہ عصرِ دجال ہے۔ اسمیں ہر نوعیت کی تبدیلی اور نئی ایجادات ملکر ایک بہت بڑا خود پسندی کا عنصر پیدا کر رہی ہیں جہاں انسان یہ کوشش کر رہا ہے، medical sciences یہ ultimate struggle کر رہی ہیں اور ابھی ایک non-confirmed news کے مطابق انہوں نے ایک ایسا gene بھی دریافت کرلیا ہے جو شاید دو سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ شاید یہ کل کو

حیاتِ انسانی کو مزید طویل کرنے کی کوشش کرے۔ مگر ایک نئی دریافت بھی چونکا دینے والی سامنے آئی ہے کہ انسان کے کروموسومز بالکل relative ہیں۔ جس طرح relativity کا ئنات میں چلتی ہے اسی طرح انسان کے کروموسومز بھی thoughts relativity کا شکار ہیں۔ اگر آپ کا خیال بدلے گا تو آپکے کروموسومز بھی بدل جائیں گے اور اُن کی پوزیشن shift ہو جائے گی۔

حضراتِ محترم! اب سائنس وہ باتیں کررہی ہے جو خواب وخیال کی باتیں ہیں مگر سائنس کی ان باتوں کو آپ خواب وخیال نہیں کہہ سکتے۔ حب دین یا اسلام یا کوئی مذہب بھی برزخ کی بات کرتا ہے۔ تو برزخ سے مراد یہ تھی کہ ایک ایسا جہان جس میں وجود کوئی نہیں ہے۔ ہیولہ، شکل وصورت تمام موجود ہیں مگر وجود نہیں ہے۔ ایک جہان بے کیمت، ایک جہان بے وزن ہے، جس میں وزن نہیں ہے مگر شکل وصورت، شباہت، حرکات سب کچھ موجود ہے۔ اب ذرا آیئے اس کی طرف جو ایک حرفِ آخر ہے فزکس میں...... اُس سائنسدان کی بات سنیئے کہ تمام مادی دنیا protons کی وجہ سے ہے۔ اُن کو quarks اور anti-quarks کہتے ہیں مگر جو quarks ہیں انکے مقابل اتنے anti-quarks نہیں بنتے۔ اگر برابر کے quarks اور anti-quarks ہوں تو تمام دنیا بھک سے اڑ جائے کیونکہ proton کا جو غیرِ اصلی ہے، جسے anti-proton کہتے ہیں...... اگر پروٹان اور اینٹی پروٹان ملیں گے تو مکمل تباہی ہو جائے گی...... حتیٰ کہ سائنسدان کہتا ہے کہ When you find another self of yours in anti-proton don't shake hand. اُن سے ہاتھ نہ ملا بیٹھیۓ گا، جونہی آپ ایک دوسرے کو touch کریں گے پوری کائنات، پورا آپکا وجود بھک سے اُڑ جائے گا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ پرانے زمانے میں ایک ہم زاد کا تصور تھا کہ انسان کے وجود میں ایک وجود ہے جس کو قابو کرنے کی خاطر پتہ نہیں کتنے مجاہدے اور کشف وریاضتیں لوگوں نے کیں۔ اب سائنس دان یہ کہتا ہے کہ جتنا ہمارا وجود اور جہان ہے...... اس کے کاؤنٹر ایک متقابل anti-protons کا جہان ہے۔ William James نے کہا کہ میں تو اس جہان کو دیکھ رہا ہوں مگر مصیبت یہ ہے کہ جونہی ہم اُس جہان میں جائیں گے، جس کا وزن کوئی نہیں ہے جو anti-matter کی حیثیت رکھتا ہے، جونہی یہ وجود اُس وجود میں جائے گا تو دونوں جہان اُڑ جائیں گے...... اگر آپ غور کیجیۓ تو موت آپکو اس وجود سے نجات دیتی ہے، وہ اصل میں آپکو دوبارہ anti-protons میں convert کرتی ہے اور یہ زندگی، یہ مادی وجود کی زندگی جو ہے، اس

پر جب ہم اگلا حکم لگاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اب یہی وجودِ مادی برزخی وجود ہو گیا ہے۔

حضراتِ محترم! میں وہ حدیث آپ کو سنا رہا تھا، یہ ضمناً بات آ گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دجّال کے پاس ایک شخص آئے گا، اُس سے کہے گا کہ کیا تو میرا بھائی زندہ کر سکتا ہے۔ دجال کہے گا کہ ہاں کر سکتا ہوں اور پھر وہ اُس کیلئے اُسکا بھائی زندہ کرے گا تو اصحابِ رسول ﷺ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ وہی شخص ہو گا جو مر گیا تھا، فرمایا: ''نہیں، اُس کی مثال ہو گا''۔ رسول اللہ ﷺ ماڈرن genetic language میں گفتگو کر کے نہیں گئے۔ But he mentioned one of the greatest probability in genetic engineering that man one day will be able to create an exact replica of human self. اُسی ایک gene سے دوسرا انسان پیدا ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی (DNA) deoxyriboneuclic acid, double helix ہیں۔ یہ ویسے ہی ڈبل ہے اور یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ اگر ایک آدمی مر گیا تو اُسی کے gene کو exactly دوبارہ relive کیا جا سکتا ہے۔ The only problem is the psychological self کہ اگر ہم نے شکل و شباہت، قد کاٹھ، انداز، چال ڈھال میں ایک دوسرا انسان پیدا کر بھی لیا تو یہ کیسے ہو گا کہ وہ شخص وہی ہو گا...... اب دیکھئے ایک عصر یہ چیز پیدا کر رہا ہے اور دوسرا اُس کے ساتھ والا علم جو ہے وہ دوسری probability show کر رہا ہے جس کو ہم Psychology کہتے ہیں۔ تو نفسیات والے ایسے memory locks دریافت کر چکے ہیں کہ اگر ایک شخص کا brain بالکل wash کر کے اُس میں جو information اُس آدمی کی ہے، وہ بھر دی جائے اور اُس کا human mind جو کہ total computerized system ہے اگر اُس کمپیوٹر کو پہلے سے خیالات سے خالی کر کے اُس میں مکمل طور پر نئی information بھر دی جائیں تو وہ آدمی اُس کے لہجے میں بھی بات کرے گا اور اُسی انداز میں بھی بات کرے گا یعنی آپ ایک extra-replica of a human being create کر لیں گے اور حضورِ اکرم ﷺ کی یہ حدیث مطلق ہے کہ وہ آدمی وہ نہیں ہو گا بلکہ اُس کی مثال ہو گا۔

نہ صرف یہاں بلکہ قرآن و حدیث سے ہمیں ایک پورے عصر سے آگاہی ملتی ہے۔ I wish کہ جب آپ عصرِ دجال کو پڑھیں، جو احادیث کے بہت سے صفحات پر بکھرا ہوا ہے تو

یقیناً آپ اس زمانے میں آگے ہونے والے ہر واقعہ سے باخبر ہو جائیں مگر افسوس کی بات یہ ہے جیسے میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ سب سے بڑا المیہ جو اس وقت religion کے ساتھ وارد ہے، وہ خوف ہے۔ یہ خوف وہ ہے کہ اگر ہم سوچیں، اگر ہم غور کریں تو ہم پر کسی مکتبِ فکر کا کوئی فتویٰ نہ عائد ہو جائے، ہم سرزمینِ کفر میں نہ travel کر جائیں اور ایک سادہ سا مسلمان یہ سوچنے سے عاری ہو جاتا ہے۔ perhaps اُس کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ زمانہ اتنا متمدن، مہذب، اتنا ترقی یافتہ ہے اور ہمیں force کیا جا رہا ہے، ایک decadent state of mind میں رہنے کیلئے، ایک پست فکری میں مسلسل رہنے کیلئے......

بہت سے سکول اعمال کی نوعیت پر مذہب کو استوار کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھیئے گا کہ خدانخواستہ میں کسی عمل کو نا قابلِ عمل قرار نہیں دے رہا۔ اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو چھوڑ کر آدمی آگے بڑھ سکے۔ تمام چیزیں ساتھ چلتی ہیں، اکٹھی چلتی ہیں۔ علم و حکمت، عمل، سیرت، اخلاق نیت یہ سب ملکر آگے چلتے ہیں۔ اسی لئے حضراتِ محترم! میں نے آپ کو last time یہ کہا تھا کہ خالی عمل آپکو جنت میں نہیں لے کر جائے گا اور یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اور حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمل سے کسی شخص پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ ہاں اللہ کی رحمت اُسے جنت میں لے جائیگی۔ پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی......فرمایا: ''ہاں! میں بھی اللہ کی رحمت ہی کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا''۔ تو حضراتِ محترم! لازم یہ تھا کہ وہ اللہ، وہ رسول ﷺ جو تمام مراتبِ ذہنیہ اور انسانیہ کو علم پر استوار رکھتے ہیں، اگر آپ اُسی مذہب سے علم نکال دیں گے، تحقیق و جستجو نکال دیں گے، اجتہادِ فکر نکال دیں گے، خیال کی کاوش نکال دیں گے، تو آپ اس پورے زمانے میں، عصرِ دجال میں اک متروک اور ایسے قدیمی عنصر کی طرح رہ جائیں گے، جن پر سوائے fundamentalism کے کوئی لفظ عائد نہیں ہوتا۔

حضراتِ محترم! پروردگارِ عالم نے تمام درجاتِ انسان کو علم پر مرتب کیا ہے اور ایک بڑی خوبصورت آیت میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔

''نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّن نَّشَآءُ وَفَوقَ كُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِيمٌ '' (یوسف 76:12)

(ہم جس کو چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور تمام علم والوں کے اوپر ایک علم والا ہے۔)

حضراتِ محترم! ابھی کل کی بات ہے، ایک صاحب نے ایک question کیا اور میں وہ

question آپ کے سامنے اپنی طرف سے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ مجذوب، دیوانے یا وہ قلندر جو سرِ راہ بیٹھے ہیں، شریعت کے عمل سے خالی، جن کی تلقین اور ہدایت کا chapter بالکل خالی ہے۔ کیا وہ لوگ ہمارے لئے respectable ہیں یا وہ لوگ respectable ہیں جو خدا اور رسول ﷺ کے توسط سے ہمیں نیت اور اعمال کا علم اور تلقینِ ہدایت کرتے ہیں۔

حضراتِ محترم! توجہ کیجیے کہ ایک وہ شخص ہے جو ہوش میں بھی ہے اور شریعت سے عاری ہے اور تصوف کو claim کرتا ہے اور جو لوگ اُسے صوفی مانتے ہیں، میں یہ اُن کیلئے بات کر رہا ہوں کہ اگر خدا اور رسول ﷺ کو اپنے سسٹم کے علاوہ اپنی راہِ ہدایت کے علاوہ، اپنے اصحابِ رسول ﷺ کے سسٹم کے علاوہ اگر وہ سسٹم preferable ہوتا تو پھر خدا پر نفاق کا حکم آ جاتا کہ ایک طرف تو خدا، رسول ﷺ کے ذریعے ایک طرف کتاب و قرآن و اعمال کے فلسفے کیلئے وہ ہمیں ایک ہدایت بتا رہا ہے اور دوسری طرف وہ اپنی رحمت اُن لوگوں پر کر رہا ہے، اپنی ہدایت اُن لوگوں پر نچھاور کر رہا ہے جن کو اُن سے کوئی نسبت نہیں تو لگتا تو پھر ایسے ہی ہے کہ کہنے کو تو خدا یہ احکام دے رہا ہے مگر follow کرنے کو اُن لوگوں کو کہہ رہا ہے۔ تو یہ impossible بات ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایسی کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔ خدا کے نزدیک محترم اور معزز وہی طریقہ ہے۔ وہ اصحابِ تصوف ہوں یا اصحابِ عقل و خرد ہوں یا اصحابِ عمل ہوں، جو اللہ تعالیٰ کے پورے طرائق کو ساتھ لیکر چلتے ہوں۔

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ '' (البقرۃ 208:2)

(اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقشِ قدم پر۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

جزوی طور پر صرف خیال و دانش میں مسلمان ہونا matter نہیں کرتا۔ اعمال خیال کے تابع ہیں۔ جب آپ خیال میں ایمان رکھتے ہیں تو لازماً ذہن جس کیفیت سے possessed ہے، وہی کیفیت عمل میں بھی لائے گا۔ اگر آپ خدا کی طرف رغبت رکھتے ہیں، اگر اللہ کے حصول کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپکے اعمال بھی اُس ارادے کے مطابق ہونگے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ طبعاً، ذہناً اور اخلاقاً ایک شخص مسلمان ہو اور اعمالِ مسلمانی سے گریز کرے کیونکہ عمل ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ آپکی توجہ کا out-come ہے۔ آپ کے motor nerves کے نتیجے

میں ہے۔ آپکے احکامِ ذہنی کے نتیجے میں یہ جسمانی اعمال نکلتے ہیں۔ کبھی آپ نے paralysis کے حال میں کسی شخص کی انگلی بھی ہلتی ہوئی دیکھی ہے؟ یعنی دماغ کا ایک حصہ جو احکام دیتا ہے، اگر وہ بے کار ہو جائے تو کوئی شخص اپنی انگلی بھی نہیں ہلا سکتا۔ اگر آپ کو تجربہ نہ ہو تو کسی قومہ میں پڑے ہوئے مریض کو دیکھ لیں۔ پروردگار نے ان تمام نظریات کے مقابل جو اس وقت موجود ہیں۔ advance Cosmology, advance Genetics, ایک بہت بڑی advance Philosophy اور Psychology دی۔ یہ تمام باتیں پروردگار کے قرآنِ مجید میں موجود ہیں مگر اللہ کو حسرتِ آرزو ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ ''یٰحَسرَۃً عَلَی العِبَاد'' کہ اے لوگو! مجھے تم پر حسرت ہے کہ میں تو تمہیں سب کچھ دینے کیلئے تیار ہوں، میں تو تمہیں زندگی کی وسعتیں دینے کیلئے تیار ہوں، میں تو تمہیں زمین میں معزز کرنے کیلئے تیار ہوں، میں تمہیں خلافتِ ارضی اور سماوی دینے کے لئے تیار ہوں مگر تم میں سے کتنے میری طرف آتے ہیں۔ ''اَمَّن یُّجِیبُ المُضطَرَّ'' کون ہے جو اضطراب میں مضطرب کی فریاد سنتا ہے؟ کون ہے؟ خدا کہتا ہے ''وَیَکشِفُ السُّوٓءَ'' کون ہے جو برائی کی گرہیں کھولتا ہے، تمہاری مشکلات کی گرہیں کھولتا ہے اور صرف یہ ہی نہیں کرتا۔ '' وَیَجعَلُکُم خُلَفَآءَ الاَرضِ '' اور زمین پر تمہیں خلافت عطا کرتا ہے۔

'' ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللہِ ط قَلِیلاً مَّاتَذَکَّرُونَ '' (النمل 26:27)

(کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے۔)

اللہ ہی تو ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ تم اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہو۔ تم اُسکا بہت کم دھیان کرتے ہو۔

اقبال نے comparative inferiority کے against اسلامی طاقت کا نظریہ دیا تھا۔ اُسکا نظریہ اناء، اُسکا نظریہ خودی، اس کی مسلم اُمہّ سے وابستگی...... وہ صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا تھا کہ بحیثیت مسلمان کے تم تنہا کچھ نہیں، اگر آپ individually exist کرنا چاہیں گے، اگر آپ اکیلے فرد کی حیثیت میں exist کرنا چاہیں گے، روایات سے کٹ کر، وطنیت کی بنیاد پر...... تو آپ قرآن سے، خدا سے، رسول سے کچھ بھی حاصل نہیں کریں گے۔ اگر آپ اپنے آپکو اُمتِ واحدۂ اسلام سمجھتے ہیں، مسلم اُمہّ کا ایک فرد سمجھتے ہیں تو یقین جانیے کہ آپ کا ماضی بھی شاندار ہے اور آپکا مستقبل بھی غلبے والا ہے مگر اُس کی صرف ایک شرط ہے کہ

The priority of thoughts must go to God.

جب تک آپ کا کمپیوٹر پہلی priority پر مطلق decision نہیں دیتا، جب تک مسلمان خدا کو ترجیح اوّل قرار نہیں دیتا، وہ کبھی بھی مسلمان کہلوانے کا حقدار نہیں ہوسکتا..... خواہ وہ کلمہ پڑھے، خواہ نماز پڑھے کیونکہ پروردگار نے اعمال سے جواب طلب نہیں کرنا، پروردگار نے آپکے اُسی ذہن سے، اُسی عقل و شعور سے جواب طلب کرنا ہے جس کی وجہ سے اور جس کے وجود کی وجہ سے اُس نے تمام زمین و آسمان کی تخلیقات پر آپ کو فوقیت اور ترجیح دی ہے۔ وہ امانتِ عقل و شعور جو اُس نے آپ کو بخشی ہے، اُسی سے وہ جواب لے گا۔ وہ دنیا میں آپ سے بالکل مواخذہ نہیں کرے گا مگر جب آپ قبر میں جائیں گے تو سب سے پہلا question جو اللہ آپ سے کرے گا وہ اُسی ذہنی رسائی کا ہوگا کہ "مَنْ رَبُّکَ" کہ آ گئے آپ، وقت گزار آئے، تساہل میں، تعیش میں، تنہائی میں، اخلاص میں، محبت میں یا خیالِ خدا میں..... کس خیال سے آئے ہو۔ نہ نماز کا سوال پہلا ہوگا، نہ اعمال کا ہوگا۔ پہلا سوال اخلاصِ عقل و شعور پر ہوگا، ذہن پر ہوگا: "مَنْ رَبُّکَ" تم نے کس چیز کو خدا جانا.....؟ تم نے کس چیز کو خدا سمجھا.....؟ کس خیال نے تمہیں possess کیا؟ کس خیال نے تمہیں زندگی دی؟ کس خیال سے تم موت تک پہنچے؟ حضراتِ محترم! May God bless us with this one main idea being Musalman ہم اللہ کو اپنی ترجیح اوّل سمجھیں اور رسول اللہ ﷺ کی محبت سے اس ترجیح کے چراغ کو روشن کریں اور خداوندِ کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم اُس مقام تک پہنچیں جو پروردگار نے مسلمانوں کیلئے لکھا اور رکھا کہ تم سستی نہ کرو میری یاد میں، وَلَا تَهِنُوا اور خواہ مخواہ تم اقوامِ عالم کا غم نہ کرو، اُنکی ترقیوں پر جلتے نہ رہو، اُن سے مرعوب نہ ہو جاؤ، ہر دوسرے بندے کو دیکھ کر اپنے لئے ذلت و لعنت وادبار مت ڈھونڈو بلکہ اپنے اندر سے اپنے اللہ کیلئے توکل اور محبت پیدا کرو..... اُن کو بھی اللہ نے اس لئے دیا کہ اُن کو اس دُنیا کے باہر اس نے کچھ بھی نہیں دینا تھا۔ تمہیں اس لئے دیا کہ اس دُنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی پتہ نہیں کتنی galaxies کی خلافت اُس نے تمہارے سپرد کرنی ہے تو اس چھوٹی سی زندگی کا سودا اتنی طویل عمری کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ ساٹھ ستر سال اتنے زیادہ نہیں کہ ہم لاکھوں، کروڑوں billions of years کا اس سے سودا کرلیں اور ہمیں امید ہے ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز کہ with full confidence in God اور ایک پورے عقل و فکر اور روشنی کے ساتھ ہم اللہ کے اس قول تک ضرور پہنچیں گے۔ وَلَا تَهِنُوا کہ سستی نہ کرنا وَلَا تَحْزَنُوا اور غم نہ کرنا۔ یقین رکھو کہ تم ہی غالب ہو گے اگر اہل ایمان میں سے ہو گے۔

وَمَا عَلَینَا اِلَّا البَلاغ

سوال: تیسرے سپارے میں آیت شروع ہوتی ہے۔ تِلکَ الرُّسُلُ فَضَّلنَا بَعضَھُم عَلٰی بَعضٍ اللہ تعالیٰ نے اس میں بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت کا حکم دیا ہے یا یہ فرمایا ہے کہ میں نے انبیاء کے درجے بنائے ہیں۔

جواب: کہ جب یونس بن متیؑ کا ذکر ہو رہا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے بھائی یونس بن متیؑ پر فضیلت نہ دو...... اسی طرح فرمایا کہ مجھے عیسیٰؑ پر فضیلت مت دو تو اصل بات یہ ہے کہ یہ تقابل کی اجازت نہیں دیتا، یہ تعظیم کی اجازت دیتا ہے۔

تقابل میں اور درجاتِ پیغمبر گننے میں تناقص ہے کہ کس وقت کس پیغمبر نے غلطی کی تو جب یہ کہا جائے کہ حضرت یونس بن متیؑ نے غلطی کی ہے تو حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھائی یونسؑ پر مجھے فضیلت مت دو۔ اگر میں اُس کی جگہ ہوتا تو شاید اس سے بڑی غلطی کرتا۔ اسی طرح حضرتِ موسیٰ کے باب میں فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ موسیٰؑ نے عجلت کی...... میں ہوتا تو شاید میں بھی صبر نہ کر پاتا۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ظرفِ پیغمبرِ عالی ہے...... سرکار رسالت مآبؐ کی بزرگی اس سے بڑی اور کیا ہوگی کہ اُن titles کے مالک ہیں جو اور کسی کے نہیں ہیں۔ مقامِ محمود پر وہ متمکن ہیں، کوئی اور نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک ہی مقام ہے، مقامِ وسیلہ...... میرے لئے دعا کرو...... مجھے اُمید ہے کہ اللہ مجھے ہی اُس مقام پر متمکن فرمائے گا۔ آپ ﷺ مقامِ وسیلہ والے ہیں اور حدیث یہ واضح کرتی ہے کہ قیامت کے دن صرف اور صرف واحد مقامِ شفاعت حضور ﷺ کے نصیب میں آئے گا اور تمام پیغمبر اپنی معمولی اجتہادی کوتاہیوں کی وجہ سے خدا کے حضور جانے سے کچھ شرمندگی محسوس کریں گے اور اُس مقامِ شفاعت پر صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ ہی متمکن ہونگے۔

یہ عالی ظرفی پیغمبر ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو بھی اپنے پیغمبر کے اُسوہ پر چلتے ہوئے عالی ظرف ہی ہونا چاہیے، بجائے اس کے کہ تنقیصِ پیغمبراں کا شکار ہوں۔ ہمیں یہ چاہیے کہ ہم اس برادری کے خلاف کم از کم کسی بھی قسم کے تعصبات کم و بیش نہ رکھیں اور ہم تمام محترم پیغمبروں کی محبت کے شائق ہوں، اسی لئے وہ آیتِ قرآنِ کریم اگر کسی کو شبہ ہو تو ضرور پڑھ لیں۔

" سُبحَانَ رَبِّکَ رَبِّ العِزَّةِ عَمَّا یَصِفُونَ ہ وَسَلَامٌ عَلَی المُرسَلِین "(الصفت 37:180-181)

سوال: اسلام میں اولی الامر کون ہوگا؟ اس کا تعین کون کرے گا اور سب کیلئے کیسے قابلِ قبول ہوگا؟

جواب: حضراتِ محترم! بات یہ ہے کہ اولی الامر کے معنوں میں بہت فساد ہوا اور امت اس مسئلے میں بہت انتشار کا شکار ہوگئی مگر آپ نے ایک بات دیکھی ہوگی کہ جب کسی زمانے میں...... اس میں صرف دو بڑے طبقات میں اپنے آپ کو محدود رکھوں گا...... جب بھی کوئی بڑا مسئلہ امت کو پیش آیا تو ''اولی الامر منکم'' کا بڑا آسانی سے تعین ہوگیا۔ جب انگریز کی حکومت متعلقہ قائم تھی تو سوڈان میں محمد بن عبداللہ نے علمِ جہاد بلند کیا، یہ کٹر سنّی تھے۔ اُس زمانے میں افغانستان میں ایک بہت بڑے عالم اثنا عشری تھے، آپ سب اُن کا نام جانتے ہیں: سید جمال الدین افغانی...... اب سیدنا جمال الدین افغانی کے پاس وہ طاقت نہیں تھی کہ وہ ایک متفقہ enemy کے خلاف جدوجہد کر سکتے۔ تو سیدنا جمال الدین افغانی نے ایک خط لکھا محمد ابن عبداللہ کو اور اُس میں اُن سے درخواست کی کہ آپ مہدی کا لقب اختیار کرلیں تو مہدی سوڈان نے جواب میں لکھا کہ آپ کمال کے آدمی ہو کہ ایک تو آپ اثنا عشری ہو، مجتہدِ زمانہ کے مقام پر ہو اور کہتے ہو کہ میں مہدی کا لقب اختیار کرلوں، تم کو پتہ ہے اچھی طرح کہ میں مہدی نہیں ہوں تو آپ مجھ سے کیسے کہہ رہے ہو کہ میں مہدی کا لقب اختیار کروں۔ مجھے بھی پتہ ہے کہ میں مہدی نہیں ہوسکتا، آپ کو بھی پتہ ہے کہ میں مہدی نہیں ہوں تو پھر مجھے کیوں کہہ رہے ہو کہ یہ title اختیار کرو۔ سیدنا جمال الدین افغانی نے اُسے جواب دیا کہ اے ابنِ عبداللہ! میں تو تم پر بڑی نوازش کر رہا ہوں کہ میں تمہیں اپنی طرف سے اتنا اچھا title اختیار کرنے کو اُکسا رہا ہوں۔ خدا کی قسم اگر انگریز کو نکالنے کیلئے کتا بھی بننا پڑے تو میں اُس کیلئے بھی تیار ہوں۔

جب بھی کوئی مسئلہ آیا۔ جب کوئی بہت بڑا مسئلہ آیا اور دونوں طرف سے، بڑے طبقاتِ خیال سے صحیح العقیدہ مسلمان اٹھے، جن لوگوں کو یہ خیال تھا کہ ہم نے کسی مسئلے کا متفق علیہ حل ڈھونڈنا ہے تو بخدا اُن میں کبھی اختلاف نہیں ہوا، کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا۔ یہ اُس نیت کی وجہ سے ہوا کہ اگر کوئی شخص خدا کیلئے sincere ہے...... ان دونوں حضرات کی top reality صرف اللہ تھی اور اُسکا رسول ﷺ اور قرآن تھا۔

میں آپ سے عرض کروں کہ محبتوں کی تفضیل میں انسان جدا ہوسکتے ہیں۔ ذرا آپ اپنی زندگیوں میں غور کرو کہ آپکو اپنا بھائی اچھا نہیں لگتا، دوست اچھا لگتا ہے۔ بھائیوں کو یہ گلہ ہے کہ دوست اچھے لگتے ہیں، بھائی اچھے نہیں لگتے۔ حضراتِ محترم! تفضیل پر تو میں کسی کا گریبان نوچنے کا نہیں کہ آپ کو یہ اچھا کیوں نہیں لگتا اور یہ کیوں کم اچھا لگتا ہے مگر جب بھی priority پر

ذکر ہوگا تو اُمتِ مسلمہ میں کوئی بھی اختلاف ''اولی الامر منکم'' پر نہیں ہوگا۔ مگر یہاں ایک جملہ قابلِ غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام جماعتیں جو religion کا علم لیکر اٹھتی ہیں، وہ ایک جملہ ضرور quote کرتی ہیں اور وہ جملہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے قرآن میں کہ ''فَرِیقُ مِنهُم '' کہ تم میں سے ایک فریق وہ ہے جو ہمیشہ حق وراستی وعدل کی روایت پر قائم رہے گا۔ حضراتِ محترم! وہ ''فَرِیقُ مِنهُم '' کو ملا کر پڑھتے ہیں۔ یہ غور نہیں کرتے کہ ''منھم'' سے مراد ''تم میں ہی سے''......اور اگر آپ لوگ کسی کو قبول کرنے سے انکار کردیں گے تو ''فَرِیقُ مِنهُم '' کیسے ہوسکتا ہے۔

اگر ایک مذہبی جماعت اٹھتی ہے اور یہ claim کرتی ہے کہ ہم وہ فریق ہیں تو اصولاً چاہیے کہ آپ بھی اُس سے کہیں کہ وہ آپ میں سے ہیں مگر جب اجماع امت اُس فریق کو یہ کہتی ہے کہ آپ ہم میں سے نہیں ہیں تو وہ ''فَرِیقُ مِنهُم '' کی اصل تک نہیں جاتے۔ ''فَرِیقُ مِنهُم '' وہی ہوگا، جس پر امت اجماع کرے گی، جس پہ اجماع امت اتفاق کرے گا، خواہ وہ قائدِ اعظم ہو، خواہ وہ علامہ اقبال ہو...... وہ بندہ نہیں ہوسکتا جو ایک odd religious attitudes یا جماعت یا organization بنا کر بیٹھا ہوا ہے اس لئے کہ اس پر اللہ کا دوسرا قانون لاگو ہے کہ ''اِنَ الَّذِینَ فَرَّقُوا دِینَهُم '' جن لوگوں نے اپنے دین میں فرق کیا یعنی اس کا بہتر، اس کا بدتر، اسکا اچھا، اسکا بُرا...... یہ آیت دین کے اندر لاگو ہے، دین کے باہر لاگو نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اپنے اپنے دین میں فرق کرلیا۔ ''وَ کَانُو شِیَعاً لَّستَ مِنهُم فِی شَیءٍ '' (الانعام 159:6) اور گروہ بن گئے۔ اے پیغمبر! تو اُن میں سے نہیں ہے جو گروہ بن گئے اور انہوں نے اپنے اپنے گروہ کو علامت سے علیحدہ کرلیا، posture سے علیحدہ کرلیا، طریقے سے علیحدہ کرلیا۔ اے پیغمبر! تُو ان میں سے نہیں ہے۔ تو معاذ اللہ، استغفر اللہ میں تو کم از کم کسی ایسے گروہ میں جانے کیلئے تیار نہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اگر آپ کو یہ جاننا ہو کہ کونسا اسلام صحیح ہے تو بڑا ہی سادہ طریقہ ہے۔

یہ امت ایک دریا کی طرح چلی...... اس کی روانی سیلاب کی طرح تھی۔ پھر چھوٹی چھوٹی نہریں علیحدہ ہوتی گئیں۔ مگر نہروں کے علیحدہ ہونے سے امت کو فرق نہیں پڑا۔ اب بھی اگر آپ غور کریں تو امتِ مسلمہ وہی جانی جاتی ہے جو bulk میں ہے۔ وہی کمزور ہے، وہی بے نماز ہیں، وہی بے عمل ہیں، وہی اپنی کوتاہیوں پر شرمندہ ہیں، وہی گنہگار ہیں اور آپ نے وہ حدیث تو سنی ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب ایک صحابی نے کہا کہ ہم گناہ نہیں کریں گے تو

غضب سے حضور ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا: ''خدا کی قسم اگر تم ایسا کرو گے تو پروردگار تمہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دے گا، پھر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور توبہ کریں گے اور اللہ اُن کی توبہ قبول کرنے میں زیادہ خوشی محسوس کرے گا۔'' حضراتِ محترم! میرے نزدیک کوئی اور امت نہیں ہے، وہی امت ہے جو bulk میں اس وقت موجود ہے، وہ جو one billion مسلمان ہیں...... رائے کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ مزاج کی وجہ سے رائے کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ کبھی کبھی علمی تشخص جدا ہو سکتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بُرا چاہے گا۔ کبھی بھی یہ نہیں ہوا کہ ایک مسلمان اپنے آپ کو دوسرے مسلمان سے خارج کرے گا۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ امتِ مسلمہ سے چھوٹے چھوٹے گروہ علیحدہ ہو کر کبھی امت نہیں بنتے اور اسی لئے اسلام گروہِ انشقاق و افتراق کے خلاف ہے۔ تو جنابِ والا! ''اولی الامر منکم'' تو وہی ہوگا جسے امت مسلمہ in total قبول کرے گی......

حضراتِ محترم! ہو سکتا ہے کہ یہ سوال مہدی تک پہنچ جائے کہ آخر مہدی کونسا ہوگا؟ کس کیلئے قابلِ قبول ہوگا؟ اگر ایران میں پیدا ہوا تو اسکو پاکستانی نہیں مانیں گے۔ پاکستان کے مہدی کو سعودی عرب نہیں مانے گا اور سعودی عرب کے مہدی کو لیبیا والا نہیں مانے گا تو لامحالہ مہدی کیلئے تو total acceptance ضروری ہے، تو یہ کہاں سے ہوگا؟ کون ہوگا؟ حضراتِ محترم! یہ میرا ذاتی نظریہ ہے، اس کو آپ اسلامی نظریہ نہ سمجھئے گا۔ یہ ذاتی نظریہ ہے اور اس پر اعتراض و تنقید کا آپ حق رکھتے ہیں۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ مہدی ایک total war کے بعد بچے کھچے مسلمانوں پر وارد ہوگا۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب total disaster آئے گی، بہت بڑی جنگ، تو اُس میں بیشتر ممالک جو ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ If you are looking for a third or fourth world war تو اُس میں ایک total annihilation کے بعد بہت تھوڑے لوگ بچ جائیں گے۔ اُن تھوڑے لوگوں میں سے تھوڑے مسلمان بھی ہونگے۔ اُنکو بالکل بھی شبہ نہیں ہوگا کہ مہدی کون ہوگا، قطعاً کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ میری تو یہ رائے ہے کہ اُس وقت اولی الامر کو پہچاننا سب سے آسان ہوگا......

سوال: عورت کی نصف گواہی مرد کے مقابلے میں مقرر کرنے کی کیا حکمت ہے؟ کیا یہ حق حوا کی بیٹی سے غیر مساویانہ سلوک نہیں ہے؟

جواب: حضراتِ محترم! بات یہ ہے کہ مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، آپ عورت کی گواہی پوری

سمجھ لیں مگر پچھتانا آپ کو پڑے گا، مجھے نہیں...... حضرات! عورت کی اور کونسی چیز پوری ہے کہ اُس کی گواہی پوری گنی جاتی؟؟؟ اب اگر آپ غور کریں تو یہ جو مساویانہ طرزِ عمل ہے، یہ آپ ٹوٹل عورت کے 05. عنصر پر لگا رہے ہیں۔ وہ عورت جو اس وقت perhaps آپ کو مغربی یورپ میں نظر آ رہی ہے، وہ عورت جو میڈیکل سائنسز acquire کر رہی ہے، انجینئرنگ میں ہے، law میں ہے، آپ دور مت جائیے، اپنے ملک میں ہی اُسی عورت کا جائزہ لے لیجئے، جس کو آپ مساویانہ حقوق کا مالک سمجھتے ہیں۔

مساوی اور غیر مساوی میں تقسیم کرنے کی بجائے ایک بہت intelligent عورت نے مجھ پہ ایک بڑا خوفناک وار کیا۔ perhaps you are ready to argue with me تو اُس نے مجھ سے کہا: پروفیسر صاحب آپ کے نزدیک مرد بہتر ہے یا عورت بہتر ہے؟ کون بڑا ہے؟ کون بدتر ہے؟ تو مجھے قرآن کی وہ آیت آتی تھی۔ ''وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ '' کہ ہم نے مرد کو عورت پہ درجہ دیا مگر مجھے پتہ تھا کہ اس پر کوئی اثر نہیں ہونا۔ اس نے argue کرنا ہے، اس لئے میں نے اس کو تھوڑا سا different جواب دیا۔ تو میں نے اُن سے کہا کہ خاتون محترم! میرا خیال یہ ہے کہ اگر مرد عورت کے بارے میں وہ کرے جو اللہ نے اُس کو حکم دیا ہے عورت کے بارے میں اور اگر عورت مرد کے ساتھ وہ سلوک رکھے جو اللہ نے اُسے حکم دیا ہے مرد کے بارے میں، تو کوئی جھگڑا کبھی پیدا نہیں ہوتا، نہ یہ clash آتا ہے کہ بڑا کون ہے، چھوٹا کون ہے، نہ تشخص کی جنگ آتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آج کے معاشرے میں مرد عورت کے بارے میں وہ نہیں کر رہا جو اللہ نے اُسے کہا ہے اور عورت مرد کے حقوق میں وہ نہیں کر رہی جو اللہ نے اُسے دیا ہے۔ اگر کسی عورت کو آپ یہ حدیث سُنا دیں کہ پروردگار کی یہ حدیث ہے کہ جس عورت کو مرد بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے تو تمام رات ملائکہ اُس پر لعنت کرتے ہیں تو آپ کا کیا خیال ہے کہ کتنی عورتیں اس حدیث کو مانیں گی؟؟؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت ہے کہ ایک عورت اُن کے پاس آئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پلکیں منڈانے والی اور بال لگوانے والی مردود ہیں۔ حضرات محترم! ماڈرن زمانہ ہے، آپ سمجھا سکتے ہو تو سمجھا لو...... مگر یہ حدیث ہے کہ پلکیں منڈانے والی اور بال لگوانے والی مردود ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایک انصاری صحابیہ نے کہا: عبداللہ بن مسعودؓ سنا ہے تم ہمیں مردود ہونے کا فتویٰ دیتے ہو۔ تو کہاں یہ قرآن میں لکھا ہے......

آپ دیکھتے ہونگے کہ ابھی بھی کوئی بات خلافِ مرضی ہو جائے تو عورت سب سے پہلے یہی جملہ بولتی ہے کہ کہاں قرآن میں لکھا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے افعال کی اُن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فوراً پوچھتی ہیں کہ کہاں قرآن میں لکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: ہاں یہ قرآن میں لکھا ہے اور قرآن میں لکھا ہے کہ رسول ﷺ جو چیز دیں اُسے لے لو اور جس چیز کے چھوڑنے کا حکم دیں اُسے چھوڑ دو......، تو حضراتِ محترم! نصف گواہی کی اصل وجہ عورت کا constitutional self ہے basically اُس کا locale, اُس کی حدود، اُس کی sentimental conditions اُس کی psychology, اُس کے possessive attitudes, اُس کی memory, اُس کا denial, اُس کی acceptance ہے۔

اگر آپ نے تھوڑا سا کسی عورت کا مطالعہ کیا ہو، تو سب سے نمایاں بات جو آپکو گھروں میں نظر آتی ہے، وہ یہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی کہ اگر ساری عمر بھی ایک عورت کے ساتھ آپ شفقت کا رویہ رکھیں تو ایک ذرا سی بات پر وہ کہتی ہے کہ تم نے ساری عمر مجھے ذلیل و رسوا رکھا۔ میرا خیال ہے اسکا تجربہ تو ہر گھر میں ہے تو حضراتِ محترم! قرآن یہ کہتا ہے کہ اتنی جلدی ایک total decision اور پوری زندگی کے decision کو رد کر دینے والی، ساری عمر کی مرد کی شفقتوں کو ignore کر دینے والی، ایک لمحہ جذبات میں سنگل گواہی کے قابل نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اُسی جذبے میں جس میں وہ گواہی اثبات میں دے رہی ہے اُس گواہی میں اگلے دن وہ انکار کر دے کہ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ اُس کی sympathetic conditions ایسی ہیں کہ کسی بھی sentiment کے تحت آ کر، ایک بچے کے معاملے میں، ایک بھائی کے معاملے میں، ایک بزرگ کے معاملے میں، ایک سہیلی کے معاملے میں وہ justice کو ترک کر سکتی ہے۔

Because of her possessive instinct and sentimental conditions اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بھول نہ جائے تو بھول جانے کا مقصد یہ ہے کہ deliberately بھول نہ جائے۔ جانتے بوجھتے ہوئے نہ بھول جائے۔

میں آپ کو اپنی زندگی سے اس کی ایک مثال دے سکتا ہوں and this is very interesting incident in my life. My sister was a professor in Philosophy. She is double M.A. ایک دفعہ جب میں اپنے گھر میں داخل ہوا تو My elder sister who was double M.A. تو مجھے کھڑی یہ کہہ رہی تھی کہ

اس کھڑکی سے ذرا سونگھ کر دیکھیئے کہ خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے کہا: ''نہیں مجھے تو کوئی خوشبو نہیں آ رہی'' تو مجھے کہنے لگی: ''آ رہی ہے۔'' امی آپ دیکھیں۔تو My mother was very simple lady, God bless her in grave, she just smelled اور کہا کہ ہاں آ رہی ہے.....تو یہ ہے ایک مرد کی گواہی......آپ یقین جانیے کہ میں بڑا حیران ہوا...... مجھے ایک مرد بلانا پڑا اور میں نے اپنے کزن کو بلایا، میں نے کہا یار سونگھ تو سہی، میں پاگل ہوں یا یہ پاگل ہو گئے ہیں۔تو اُس نے کہا: '' بھائی جان! کوئی نہیں آ رہی۔'' تو اصل بات یہ ہے کہ Psychologically they are very possessive and they can change in any mood or intention...

تم نے کیوں اتنی High scientific education حاصل کی ہیں۔ If you believe the same which a woman in the streets believes. تو میں آپ کو کس لحاظ سے پڑھا لکھا سمجھوں گا۔مگر بعض cases میں ایک عورت کی گواہی فائنل ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ جب مردِ عادل گواہ مہیا نہ ہو مگر آجکل مردوں کی گواہی عورتوں سے بھی بدتر ہے۔آج کے زمانے کی بات میں نہیں کرتا کیونکہ زمانہ اب مرد اور عورت کی تفریق چھوڑ گیا ہے۔ سچی بات آپکو بتاؤں......جس چیز کیلئے مرد بنا تھا، اب وہ مردوں میں نہیں ہے، اچھے decisions نہیں ہیں، استحکام نہیں ہے، عدل نہیں ہے، صبر نہیں ہے۔ مرد فیصلے صبر سے کرتا ہے...... اب مردوں میں فیصلہ اور صبر ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے اب Genetically speaking species علیحدہ ہیں مگر اعضائے مردانہ لگ جانے سے کوئی مرد نہیں ہوتا اور اعضائے نسوانی سے کوئی عورت نہیں بنتی۔ صفاتِ مردانہ کچھ اور ہیں، صفاتِ زنانہ کچھ اور ہیں۔

میں ہزاروں مردوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ عورتوں کی guidance کے بغیر حرکت ہی نہیں کر سکتے۔معاف کیجئے گا میں اُن کی گھریلو زندگیوں میں تلخی نہیں پیدا کرنا چاہتا مگر میرا یہ حق ہے پوچھنے کا کہ Have you given up the right of being a man. Have you accepted the women as a man. کیونکہ دونوں طرف bi-sexuals ہیں۔عورت بھی bi-sexual ہے، مرد بھی bi-sexual کسی وقت بھی transference ہو سکتی ہے۔اس لئے آج کے زمانے میں...... یہ میں نہیں کہتا لیکن یقینی بات

ہے کہ جس زمانے میں مرد کا یہ concept اور عورت کا یہ concept تھا۔ If he is a male, certainly he has a stronger memory, stronger decision, stronger sense of justice. اور آج کے زمانے کی بات کر رہا ہوں کہ Still the woman is the same possessive psychotic depressions, hallucination ویسے ہی ہیں۔

سوال: ایک قوم علم نجوم میں بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ جب جبرئیلؑ نے اُس قوم کے آدمیوں سے پوچھا کہ بتاؤ جبرئیلؑ اس وقت کہاں ہونگے تو اُس نے اپنا حساب لگانے کے بعد کہا کہ جبرئیل آسمانوں پر نہیں۔ یا تم ہو یا میں اور اُس قوم کو تباہ کر دیا گیا۔ آگے دو نتائج سوالوں میں خود ہی نکالے گئے ہیں کہ اس قوم کو تباہ کیا گیا اور دوسرا کہ کیا وہ بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو گئے تھے؟ کیا اللہ کو یہ تھا کہ وہ میرے راز جان جائیں گے یا ان کے پاس زیادہ علم آ گیا تھا؟

جواب: حضراتِ محترم! یہ واقعہ اسرائیلیات میں سے ہے جس کی کوئی تصدیق نہیں ہے مگر یہ قوم جس کو تباہ کیا گیا یہ بابل و نینوا کی تہذیب تھی Assyria and Babylonia کی تہذیب تھی۔ ان میں حضرتِ ادریسؑ بن شیثؑ بن نوحؑ نے جنم لیا۔ حضورِ گرامی مرتبتؐ سے جب علمِ نجوم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ نے یہ علم اپنے ایک پیغمبر کو دیا تھا پھر جس کی لکیریں اُن کی طرح ہو جائیں، وہ ٹھیک ہے اور پھر جو اُن سے غیر مناسبت رکھیں گے، وہ محض ڈھکوسلہ ہے۔ حضرتِ ادریسؑ کو یہ علم عطا کیا گیا تھا۔ حضرتِ ادریسؑ نے ہی یہ علم اپنی قوم کو بھی سکھایا۔ بابل اور نینوا میں اسی کی وجہ سے ترقی ہوئی۔ This is astrology not astronomy... وہ astrology میں اتنی زیادہ ترقی کر چکے تھے کہ Solar eclipses اور Lunar eclipses کی صحیح تاریخیں تک جانتے تھے۔ یہ Hanging gardens of Babylonia والی نسل ہے اور یہ بے انتہا ترقی یافتہ ہو گئے تھے۔ انہی میں ہاروت و ماروت کو اُتارا گیا۔ جب یہ علمی طور پر اتنے ترقی یافتہ تھے تو ان کے faith میں rift آنا شروع ہو گیا۔ لوگوں نے بھی دیوتاؤں کی پرستش شروع کر دی۔ ہاروت و ماروت کا وقت تھا اور یہ لوگ سحر میں بہت آگے تھے اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَمَا اُنزِلَ عَلَی المَلَکَینِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ'' (البقرة 102:2)

(اور جو اُتارا گیا دو فرشتوں پر شہرِ بابل میں جن کے نام ہاروت اور ماروت تھے۔)

یعنی ہم نے بابل پر ہاروت و ماروت کو اس لئے نہیں اُتارا تھا کہ وہ لوگوں کو سحر سکھائیں بلکہ اس سے پہلے خداوندِ کریم کہتے ہیں:

''وَمَا كَفَرَ سُلَيمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحرَ'' (البقرة 102:2)

(سلیمان نے کفر نہیں کیا، شیاطین کافر تھے اور لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔)

اس کے بعد پھر پروردگار کہتا ہے کہ میں نے ہاروت و ماروت کو سحر سکھانے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ میں نے ہاروت و ماروت کو ان لوگوں کی آزمائش کے لئے بھیجا تھا کہ دیکھتا یہ ہوں کہ یہ ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں یا لغویاتِ سحر پر متوجہ ہوتے ہیں۔ جب ہاروت و ماروت اس قوم میں آئے تو اُن کو سحر کا علم تھا۔ وہ صرف ایک بات ہر آدمی کو کہتے تھے۔

''وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِن اَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَا اِنَّمَا نَحنُ فِتنَةٌ فَلَا تَكفُر'' (البقرة 102:2)

(اور نہ سکھاتے تھے وہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں، ان پر عمل کر کے کفر مت کرنا۔)

کہ اگر تم ہم سے سحر سیکھو گے تو کفر کا ارتکاب کرو گے مگر ان لوگوں نے بلکہ پروردگار یہ کہتا ہے کہ اُس وقت کے ساحروں نے، اُس وقت کی قوم نے، سحر کو قبول کیا اور خدائے واحد پر یقین کو چھوڑ دِیا۔

" فَيَتَعَلَّمُونَ مِنهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَينَ المَرءِ وَ زَوجِهٖ (البقرة2:102)

اور وہ لوگوں کو سکھاتے کیا تھے......؟؟؟ جو آجکل جاری ہے...... آپکے معاشرے میں، آپ کے محلوں میں، جگہ جگہ، گلی کوچے، وہ کام...... جو قومِ بابل میں تھا، وہی کام جو ہاروت و ماروت سکھاتے تھے، بالکل ویسے ہی، وہی کام ہر گلی کوچے میں جاری ہے کہ میاں بیوی میں فرق کیسے ڈالنا ہے۔ تعویذ...... حب، تعویذِ بغض، بیوی قابو کرنی ہے۔ دوشیزہ کو قبضے میں لانا ہے۔ بڑا تعویذ، چھوٹا تعویذ بڑے بڑے عامل جہاں بیٹھے ہوئے ہیں...... یہ تمام اُسی سحر کی کارگزاری ہے۔

سحر خیال پر اثر کرتا ہے۔ اس کی مختصر ترین definition یہ ہے: Recurrent aggression of thoughts کہ ایک ہی خیال بار بار انسانی ذہن کو گرفت میں لے لیتا ہے اور اس گرفت کی وجہ سے اُس کا vision بھی بدل جاتا ہے۔ یہ دو چیزیں سحر میں ہوتی ہیں۔ ایک تو خیال کسی مخصوص گرفت میں آجاتا ہے اور اُسکا اثر vision پر چلا جاتا ہے۔ Psychology میں اسے neurosis اور psychosis کا نام دیا گیا ہے۔ پہلے زمانے میں اسے کیفیتِ سحر کا نام دیا گیا تھا اور پروردگار یہ کہتا ہے کہ سحر بذاتِ خود کچھ اثر نہیں رکھتا۔

"وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُم وَلاَ يَنفَعُهُم"

(اور وہ سیکھتے ہیں ایسی چیز جو ضرر رساں ہے ان کے لئے اور نہیں نفع پہنچا سکتی۔)

یعنی تم وہ چیز کیوں سیکھتے ہو جس کا ضرر ہے فائدہ نہیں ہے۔ یہ قوم سحر و ساحری میں اتنی آگے بڑھ گئی کہ انھوں نے تمام معقولات کو ستاروں کے ساتھ وابستہ کیا۔ یہ علم میں ترقی یافتہ ہونے کے باوجود پستیٔ علم کو بڑھ گئے۔ آج بھی اگر ایک آدمی علم سیکھنا چاہے تو Astronomy کی بجائے Astrology کو چلا جائے گا تو ایک قسم کی جہالت کا شکار ہو جائے گا۔

باقی رہا پروردگار کا علم تو اللہ کے رسول نے اُس کی مثال دی ہے۔ اگر تمام سمندر میں ایک شخص انگلی ڈبوئے تو جو اُس کی انگلی پر پانی لگتا ہے، ہماری مثال اللہ کے علم کے سامنے اور پوری دنیا کے علم کی مثال اللہ کے علم کے سامنے اُس قطرہ آب کی سی ہے، جو انگشت پر ایک پورے دریا میں ڈبونے سے لگ جاتا ہے۔ Nobody has ever crossed the knowledge of God, nobody ever can think of God. اس لئے پروردگار کا حکم ہے:

"هُوَ الاَوَّلُ وَالاَخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیءٍ عَلِيمٌ" (الحدید 3:57)

سوال: آپ نے in the begining of Islam ایک دو گروپوں کا ذکر کیا ہے۔ جس میں سے ایک معتزلہ ہے، مرجۂ ہے وغیرہ وغیرہ لیکن آپ نے ہندوازم، بدھ ازم، عیسائیت اور یہودیت کی بات نہیں کی کہ ان سے بھی اسلام کو خطرہ ہے۔ آپ نے کہا کہ تشخص کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تھوڑا سا اختلاف تو ہو سکتا ہے بہر حال امت ایک جسدِ واحد ہے۔ میں ذاتی طور پر feel کرتا ہوں کہ ہمارے اندر جو انتشار ہے جو ہم فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اس انتشار کی وجہ سے ہمارے لئے دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا بہت مشکل کام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے علماء آپس میں لڑتے ہیں ہم کس کو بتائیں گے کہ ہم کس کے پیچھے جائیں؟

جواب: جنابِ محترم! میں آپ کا شکر گزار ہوں کیونکہ موضوع بہت بڑا تھا مگر میرا خیال یہ ہے کہ میں نے سب سے پہلے تقابلِ ادیان کے موضوع کو چھوا تھا اور اُس میں میں نے عرض کیا تھا کہ literally speaking ہمارا کسی مذہب سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر کچھ مذہب کے لوگ out of prejudices ہمیں سمجھ نہیں پا رہے یا ہمارے بارے میں کم تعلیم ہیں تو اُس میں اُن کے ابلاغ کی کمی ہے۔ which is not our fault ایک پادری نے Mediaeval

Ages میں مسلمانوں کے بارے میں ایک جملہ اپنی کتاب میں لکھا کہ Muslims worship a god whose name is mohet آپ اندازہ کیجئے کہ وہ ایک تو proper نام اسمِ گرامی محمد ﷺ بھی نہیں جانتا تھا اور دوسرا انکا یہ concept کہ مسلمان ایک دیوتا کی پرستش کرتے ہیں، جسکا نام مہیت ہے۔

میں آپ سے عرض کر رہا ہوں کہ Christians سے، Judaism سے Buddhism سے as for as we have got nothing to act against them میں نے عرض کیا تھا کہ یہ ایک تسلسلِ ادیان ہے، نہ ہم حضرتِ موسیٰؑ کے خلاف ہیں، نہ دینِ موسوی کے نہ حضرتِ عیسیٰؑ کے نہ عیسوی کے...... The accomplishment is our religion اب آپ دیکھیئے کہ جس شخص نے ایک آخری کتاب جو دین پر لکھی ہے، وہ بڑی خوبصورت کتاب ہے، اُس کتاب کا نام History of God ہے اور History of God کا مصنف جو History of religion ٹریس کرتا ہے اور آخر میں ایک بات کہتا ہے، چونکہ میں اصلی حریف کو point out کر رہا تھا جس کو پورے کمپلکس کو، قرآن وحدیث کی روشنی میں میں نے دجال کا نام دیا تو History of God کا مصنف اپنے آخری chapter کے آخری جملوں میں کہتا ہے کہ The God has to be a democrate. He has to accept all these faults which exist in human beings for example lesbianism, homosexuality etc. اور اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو عصرِ حاضر کا انسان خدا کو باہر نکال پھینکے گا They don't need him

اصل بات یہ ہے کہ اب Christianity میں واپس جانے کا کوئی concept نہیں ہے۔ اسی طرح Judaism اپنی اصلی original self کو نہیں پلٹ سکتا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ thematic sense میں original sense وہ exist ہی نہیں کرتے۔ آج تک کسی یہودی کی زبان سے Judaism کی بناء پر آپ اسلام پر حملہ نہیں دیکھیں گے یا کوئی Christian ایسا نہیں کر سکتا۔ I do not agree with Dr. Ahmed Dedat وہ خواہ مخواہ بائبل اور قرآن کی آیات کو متقابل کرتے رہتے ہیں۔ It is not needed جب ہزاروں Christian scholars خود ہی کہہ رہے ہیں۔ Even the Pope said کہ یہ بائبل صحیح نہیں ہے تو اُس کو میں کیا کہوں گا کہ وہ غلط ہے۔ even in

جیسے ''قرآن، بائبل اور سائنس'' the comparative studies کے مصنف نے اغلاطِ بائبل پر پورا ایک chapter لکھا ہے اور وہ قرآن کو justify قرار دیتا ہے اور بائبل کو غلط قرار دیتا ہے۔

ہمارا یہ job نہیں ہے کیونکہ میں نے آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ تمام دین ایک تسلسل ہے۔ اگر کسی نے دین کو ابہام کا شکار کیا یا اُسکو غلط رُخ دیا تو It is their fault not ours. Only acceptable message of God is the Quran. تو آجکل کا فتنہ شاید تقابلِ ادیان نہیں مگر تقابلِ خیالات ضرور ہے او رسب سے بڑا powerful خیال جو میرے نزدیک آج کی دنیا میں exist کرتا ہے، وہ scientific attitudes ہیں، وہ scientific pragmatism ہے، وہ دورِ حاضر کی ایجادات اور انسان کی وہ خود پسندی ہے، جس کے بارے میں علامہ اقبال نے بڑے ہی خوبصورت تین شعر کہے تھے:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہء نفع و ضرر کر نہ سکا

اگر کم از کم وہ انسان نفع وضرر کا فیصلہ نہیں کر سکا تو میں اور آپ تو کر سکتے ہیں۔

سوال: واقعہء کربلا میں لوگوں کی اکثریت حضرت امام حسینؓ کے ساتھ نہیں تھی بلکہ دوسری طرف تھی۔ کیا یہ حضرت امام حسینؓ کی توہین نہیں تھی کہ اولی الامر کے ہوتے ہوئے لوگوں نے یزید کا ساتھ دیا تو پھر اولی الامر کون تھا؟؟؟

جواب: جی نہیں! کربلا میں اکثریت دوسری طرف نہیں تھی۔ In fact a few paid soldiers cannot be a majority بلکہ حضرت حنظلہؓ کو حضرت ابوبکرؓ ملنے گئے تو پوچھا: ''حنظلہ! کیا حال ہے''؟ تو کہا کہ حنظلہ منافق ہو گیا۔ ابو بکر نے کہا: ''سبحان اللہ! حنظلہ

کیا بات کہہ رہے ہو تم، تم تو صحابیِ رسول ﷺ ہو"۔ کہا: "جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتا ہوں، ہمارے دل و دماغ اتنے صاف ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں دوزخ اور جنت سے ڈراتے ہیں اور ہمارے دل خدا کے ساتھ کتنے مشغول ہوتے ہیں۔ پھر ہم اُن سے جدا ہوتے ہیں، ہم دنیا میں، بیوی بچوں میں مال و اسباب میں ڈوب جاتے ہیں تو ہمیں خدا کا خیال نہیں رہتا۔ بخدا حنظلہ نفاق میں چلا گیا ہے"۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حنظلہ میرا بھی یہی حال ہے۔ آؤ! رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں۔ وہ دونوں مل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور حضور ﷺ نے پوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے۔ فرمایا: "حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "یارسول اللہ ﷺ! میرا بھی کوئی ایسا ہی حال ہے۔ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، تو ہم سب سے زیادہ خدا اور رسولؐ میں ڈوب جاتے ہیں۔ جب آپ سے دور ہوتے ہیں۔ تو دنیا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "ابوبکر! ایک سانس دنیا کے ساتھ...... ایک اللہ کے ساتھ......

سب سے بڑی حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ کی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہم لوگ محفوظ تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ چلے گئے ہیں تو اصحابِ رسول ﷺ کو سب سے زیادہ ڈر نفاق سے ہے۔ دل کے تقسیم ہونے سے ہے۔" تو حضراتِ محترم! "یہ اُولی الامرِ مِنکُم" میں حضرت حسینؑ کی کہیں توہین نہیں ہوئی، ایک mastodon power ایک بکتر بند قوت نے ایک معصوم نہتے کو شہید کر دیا۔ میں تو آپ سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں بجائے اس کے دیکھنا تو یہ ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ وہ اُولی الامرِ کس طرح ٹھہرتا ہے؟ کس بات پر ٹھہرتا ہے؟ تو حسینؑ کا کیا یہی کمال ہے کہ وہ شہید ہو گئے؟؟؟ کیا اس سے پہلے دنیا و کائنات پر ہیروز نہیں گزرے......؟؟؟ کیا Heraclius o f Greece نہیں تھا جس نے چودہ دن تک صرف ایک چھوٹے سے محاذ پر پوری آرمی کو روکے رکھا۔ وہ لڑ کر مر گیا مگر اُس نے پورے سپارٹا کو بچا لیا، کیا آپکے خیال میں Hannibal شہید نہیں ہوا، جو زندگی بھر روما کی طاقت کے خلاف لڑتا رہا اور اپنے آپکو اُس نے مظلومیت کے حوالے سے بھی اُن کے حوالے نہیں کیا اور زہر پھانک لیا۔

کیا دنیا میں ہیرو نہیں گزرے؟؟؟ آخر حسینؑ کی کوئی حیثیت ہو گی!!! کوئی بات ہو گی!!! کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر Heraclius کا بیٹا اُس کے ساتھ ہوتا، اُس کی بیوی اُس کے ساتھ ہوتی یا اگر Hannibal کی اولاد کو سامنے رکھ کر وہ قتل کرتے تو وہ ایسا ہی حوصلہ دکھاتا؟؟؟ پروردگار نے ایک حکم رکھا تھا:

''وَلَنَبلُوَنَّکُم بشَیءٍ مِّنَ الخَوفِ وَالجُوعِ وَنَقصٍ مِّنَ الاَموَالِ '' (البقرۃ 156:2)

بلاشبہ ہم انسان کو آزمائیں گے خوف سے، بھوک سے، مال و دولت کے نقصان سے اور اُنکے پھلوں کو چھین لیں گے۔

''وبَشِّرِ الصَّابِرِینَ الَّذِینَ اِذَآ اَصَابَتھُم مُّصِیبَۃٌ '' (البقرۃ 156:2)

جنابِ والا! یہ امتحان علیحدہ علیحدہ اُترتے ہیں...... ایک آدمی مال ہی کا نقصان نہیں برداشت کر سکتا، ایک بیٹے کا نہیں کرتا، ایک ماں باپ کا نہیں کرسکتا، ایک ذرا سے خوف پر جان دیتا ہے اور پھر اُن کی location بہت بڑی ہوتی ہے۔ ساری زندگی میں ''بشیءٍ'' تھوڑا تھوڑا...... مگر اُس شخص کو دیکھیئے جس پر دس دنوں میں سارے عذاب اکٹھے گزر گئے۔ وہ ''اُولی الامر'' نہیں ہوگا تو پھر کون ہو گا؟ مگر یہ بھی تو غور کیجئے کہ ان سارے عذابوں میں ایک لمحہ اُس کے وجود کے ذرّے کا بھی نہیں ہلا۔

آپ نے اُس کی تقریر سنی......؟ وہ دیوانہ نہیں نظر آتا۔ وہ مجنون نہیں ہے۔ وہ ثابت و سالم ہے۔ اُس کے لہجے میں وہی تقویت ہے جو پہلے تھی۔ اتنے بڑے آلام و مصائب سے گزر کر، جس کے بیٹے کو اُس کی بانہوں میں چھینا جاتا ہے، جس کی عورتوں کی عصمت خطرے میں ہے، جس کے بھائی، بچے اُس کی نظر کے سامنے مر رہے ہیں۔ آپ نے پورے اس عرصے میں حسینؑ کے ذہن پر کوئی اثر دیکھا......؟؟؟ آپ نے دیکھا کہ وہ کتنا مطمئن ہے...... وہ کتنا سینہ تان کر کھڑا ہے اور جب وہ مر رہا ہے تو پوری اُمت کو priority بتا رہا ہے...... ظہر کی نمازِ خوف قضا نہیں کرنا چاہتا۔ ادا کر کے نکلنا چاہتا ہے، وہ یہ تو نہیں جانتا کہ دشمن کتنا ہے۔ میرا کتنا بڑا نقصان ہو گیا...... اس سے بڑا ''اولی الامر'' کون ہو گا جو اپنی موت کے وقت بھی اپنی top priority کو maintain کر رہا ہے اور آپکے لئے lesson چھوڑ رہا ہے......

اب حضراتِ محترم! اگر میں اُسکا معتقد ہوں، اگر آپ اُس کے معتقد ہیں تو اولی الامر سے ہم نے سیکھا کیا؟ کیا ہم نے وہ priority اٹھالی جو انہوں نے پیش کی؟ کیا وہ مرتے وقت اور کچھ نہیں کر سکتا تھا؟؟؟ وہ دو چار کافروں کو بھی جہنم رسید کر سکتا تھا۔ مگر اُس نے تو اپنے آخری وقت میں ظہر کو خالی نہیں جانے دیا۔ صلوٰۃِ خوف پڑھ کر دنیا سے رخصت ہوا۔ وہ یہ بتا رہا تھا کہ مجھ پر کسی چیز کا اثر نہیں ہے۔ میں اپنے اللہ کے ساتھ ہوں اور اُسی کی priority maintain کر رہا ہوں۔ حضرتِ والا! اولی الامر میں اتنی تو صفت ہونی چاہیے۔ کوئی اپنی top priority کی adjustability بھی تو قائم ہو۔ ہم تو اُسی کو مانیں گے......

سوال: حضرت امام حسینؑ کے بعد لوگوں نے جیسے امام زین العابدینؒ اور اہلِ بیت کے ساتھ اس وقت حسنِ سلوک نہ کیا اس کی کیا وجہ تھی......؟

جواب: نہیں صاحب! یہ اس وقت بھی نہیں ہوا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں...... کہ حضرت امام زین العابدینؒ حج کر رہے تھے۔ اُس دوران ہشام ابن عبدالملک بھی حج کے لئے آیا ہوا تھا۔ اُس کو دھکے بہت پڑ رہے تھے۔ وہ کھڑا دیکھ رہا تھا کہ ایک نوجوان ایسا ہے کہ جدھر آگے بڑھتا ہے، لوگ چھٹ جاتے ہیں اور اس کو رستہ دیتے ہیں۔ تو اُس نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ امام زین العابدینؒ ہیں تو اُس نے بڑی حسرت سے کہا: "حکومت تو یہ کرتے ہیں۔ ہم جبر و استبداد سے حکمران ہیں۔ حکومت تو ان کی ہے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل اُن کے ساتھ نہیں تھے البتہ عمرو بن سعد کو "رے" کی گورنری کا لالچ تھا۔ یہ عمرو بن سعد آپ کو پتہ ہے کہ کس کا بیٹا ہے؟؟؟ سعد بن ابی وقاصؓ کا...... آپ کو پتہ ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ کون ہے؟ یہ خالی رشتہ دار نہیں، یہ اسلام کے سب سے پہلے مجاہد ہیں۔ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ترکش آگے رکھا اور ان کیلئے پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ سعد! ماران کافروں کو...... میرے ماں باپ تجھ پہ قربان......!!! یہ وہ تھے...... اب دیکھئے ایسی بلندی، ایسی پستی!!! priority کا فرق ہے ناں۔ وہ اللہ کو بڑا مانتے تھے اور وہ "رے" کی گورنری کو بڑا سمجھتے تھے۔

سوال: ہم بحیثیت مسلمان تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ پاک سے پہلے نازل ہوئیں پر یقین رکھتے ہیں اور یہ ایمان کا ایک حصہ ہے اور جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ اسلام یہودیت اور عیسائیت ہی کی continuation ہے۔ اب سوال ایک تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح قرآنِ پاک کی حفاظت کا خود اللہ نے ذمہ لیا ہے اور اُس کے کسی کلمے کو وہ کہتا ہے کہ اللہ اپنے کلمات کو تبدیل نہیں کرتا۔ تو اس سے پہلے جو کتابیں اُتریں اور ہمیں یہ بھی ہدایت ہوئی کہ ہم ان پر ایمان رکھیں گے۔ تو ہم کیسے یقین رکھتے ہیں کہ وہ تبدیل ہوں گی اور اسی پر دوسرا سوال یہ ہے کہ جس طرح یہودیوں پر جو کتاب اُتری تھی زبور اور اُس کے بعد عیسائیت پر اُتری، بائبل یا انجیل۔ ابھی ہم بائبل کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے ساتھ تمام پرانی کتابوں کو لیکر چلتی ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ continuation ہے۔ وہ اپنے پہلے تمام پیغمبروں کو مانتے ہیں تو وہ عہد نامہ قدیم کو عہد نامہ جدید کے ساتھ لیکر چلتے ہیں۔ تو جب ہم اُن کتابوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلمات تبدیل نہیں کرتا تو کیوں نہیں ہم اُن تمام کتابوں کو بھی

اپنے ساتھ لیکر چلتے۔ ہم صرف قرآن ہی کو کیوں اپنائے ہوئے ہیں؟

جواب: کیا آپ نے قرآن شریف پڑھا......؟ اگر پڑھا ہو تو آپکو پتہ لگے گا کہ قرآنِ حکیم میں تمام کتابوں کے صحیح علم کو جستہ جستہ بیان کیا گیا ہے۔ Ten Commandments جو تورایت میں دی گئیں، اب وہ تورایت میں اصلی صورت میں نہیں ملیں گی۔ مگر قرآنِ حکیم میں وہ اصلی صورت میں ملیں گی۔

''وَاِذ اَخَذَ مِیثَاقَ بَنِی اِسرَآئِیلَ لَاتَعبُدُونَ اِلَّا اللّٰہَ''

(اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔)

''وَبِالوَالِدَینِ اِحسَانًا ''

(اور ماں باپ پر احسان کرو۔)

''وَّذِی القُربیٰ وَالیَتٰمٰی وَالمَسٰکِینِ ''

(اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کا خیال کرو۔)

''وَقُولُو لِلنَّاسِ حُسناً ''

(اور لوگوں سے اخلاق کی بات کرو۔)

'' وَاَقِیمُو الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوالزَّکٰوۃَ ''(البقرۃ 83:2)

(اور نماز قائم کروگے اور زکوٰۃ دو۔)

اسی طرح جو شریعت حضرت عیسیٰؑ لائے، وہی شریعت continue کر رہی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے نیت اور عمل پر احتجاج record کیا کیونکہ فلسطینی یہودی جو بہت بڑے بڑے عالم تھے مگر وہ سارے کے سارے custom collector تھے اور اپنے اندر تمام گناہ رکھتے ہوئے لوگوں کو نصیحت کرتے تھے جیسے آج کل ہمارے بہت سے علماء کا حال ہے۔

حضرتِ عیسیٰؑ نے نیات کے علم کو فروغ دیا۔ اُسی شریعت کو سامنے رکھ کر انہوں نے اس میں intentions کی ammendments کیں جب سب سے پہلے ایک یہودی عورت Mary Magdalene کو سنگسار کیا جا رہا تھا تو حضرتِ عیسیٰؑ وہاں پہنچے اور انہوں نے کہا کہ اس عورت کو پہلا پتھر وہ مارے جس نے خود زنا نہ کیا ہو، یہ سن کر سب لوگ بھاگ گئے۔ وہ سب لوگ بھاگ کیوں گئے؟ اُس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی reputation اس وقت یہ تھی:

'' وَاُنَبِّئُکُم بِمَا تَاکُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِی بُیُوتِکُم ''(العمران 49:3)

(میں بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کیا کھاتے ہو اور کیا چھپاتے ہو۔)

اب لوگوں کو پتہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ یہ بتا سکتے ہیں، اس لئے یہ سارے بھاگ گئے۔

اسی طرح انہوں نے یہ قانون دیا کہ ہمسائے کی بیوی کو بُری نظر سے دیکھنا سنگسار کے قابل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ توکل پر انھوں نے یوحنا کو جب درس دیا۔ جب یوحنا چل رہے تھے...... حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ساتھ تو انھوں نے پوچھا: ''یوحنا تیری پوٹلی میں کیا ہے''؟ فرمایا: ''نبی اللہ دو روٹیاں ہیں''۔ فرمایا: ''کس لئے''؟ کہا: ''نبی اللہ! ایک آج کیلئے اور ایک کل کیلئے''۔ تو فرمایا: ''اے یوحنا! تم نے توکّل میں ہمیں پرندوں سے بھی نیچے گرا دیا۔ کبھی کسی پرندے کے گھر میں بھی دو وقت کی روٹی دیکھی ہے''۔ تو تمام تر ایک بڑی extremity کو پوری کی پوری انجیل جا رہی ہے۔ وہی قانون جو آج سارے Christians میں موجود ہے کہ اگر تمہیں کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو اُسے دوسرا پیش کر دو۔ اگر آپ اس قانون کی اصل پر غور کریں تو اصل وہی ہے کہ تم ظاہری لبادہءِ عبودیت میں پھرتے ہو۔ تم جو عبادات پر بڑا تکیہ کرتے ہو۔ اگر اس کے پیچھے تمہاری human intentions نہیں ہیں تو تم سے بڑا گنہگار کوئی نہیں۔

قرآنِ حکیم بھی اسی عیسوی intention کو لیکر اور اُسی شریعتِ موسوی کو لیکر ایک توازن قائم کرتا ہے اور نیت اور عمل دونوں کی یکجائیت کی تلقین کرتا ہے، اسی لئے امام بخاری نے جب حدیثِ بخاری مرتب کی تو اسی اصول کے پیش نظر باب الایمان کی پہلی حدیث quote کی، وہ یہ تھی کہ:

''اِنَّمَا الاَعمَالُ بالنِّیات''

قرآن نغمہءِ سلیمان بھی quote کرتا ہے، واقعاتِ داؤدی بھی quote کرتا ہے، اس کے علاوہ حکیم لقمان بھی quote کرتا ہے اور اُن تمام پیغمبروں کو بھی quote کرتا ہے جن سے اُس وقت کی Arabian سوسائٹی آشنا تھی مگر جن کتابوں کی حفاظت کا اللہ نے ذمہ نہیں لیا۔ اُن کتابوں پر ہم تصدیق کا لفظ نہیں رکھ سکتے۔ پروردگار نے خود کہا کہ مجھے ان لوگوں سے دو گلے ہیں، ایک گلہ یہ ہے کہ ان کے علماء بھی اپنے امراء کو خوش کرنے کیلئے کتابوں میں تحریف کر رہے ہیں جیسے اُس کی مثال میں نے آپ کو دی تھی کہ 'حِطّۃٌ' کی جگہ 'حطۃٌ'......

اب پروردگار یہ کہتا ہے کہ اب یہ کتابیں میری طرف سے بحیثیت authority quote نہیں ہوتیں کیونکہ اگر آپ آدھی کتاب سچائی کے طور پر quote کریں گے تو جو باقی آدھی ہے جن

میں خرابی ہے نقص ہے یا کمی بیشی ہے، وہ بھی کوئی نہ کوئی quote کر جائے گا اور جب آپ وہ پڑھیں گے اور یہ پڑھیں گے تو دونوں کو ملا کر سچائی جو ہے وہ چھپ جائے گی۔ اسی لئے اللہ نے کہا: الزام دیا اُن کو جو اُس وقت بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کہ:

"ثُمَّ یُحَرِّ فُونَهُ مِن م بَعدِ مَا عَقَلُوهُ وَ هُم یَعلَمُونَ " (البقرة 75:2)

کہ عقل رکھنے کے باوجود تم نے میری کتابوں میں تحریف کی۔ اب میں اس کو تم پر نہیں چھوڑوں گا۔ میں اس کو مسلمانوں پر بھی نہیں چھوڑوں گا:

" اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُونَ " (الحجر 9:15)

(ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے، اب اس کی حفاظت ہم خود کریں گے۔)

اب دیکھئے اُس کی حفاظت کا طریقہ کیا ہے؟ بڑا عجیب و غریب طریقہ ہے کہ حضرتِ عثمانؓ کے زمانے میں قرآن کے مرتب شدہ دو صحائف تھے۔ ایک Ottoman Empire کے پاس رہا۔ ایک Topkapi Museum Turkey میں محفوظ ہے۔ دوسرا تاشقند میں Russia کے پاس ہے۔ تو پروردگار نے ایک گواہ اپنا رکھا، ایک کافر کا......

آج کے زمانے میں بھی اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ قرآن کا لفظ، ایک فقرہ، ایک حرف بدل گیا ہے۔ اگر اس کو Topkapi کے نسخے پر اعتبار نہیں تو تاشقند کا نسخہ دیکھ لیں۔ یہ اُس کی حفاظت کا طریقہ تھا۔ وجہ یہ تھی...... عموماً آپ نے دیکھا ہو گا کہ اگر رسول آتے رہتے تو adjustment ہو سکتی تھی۔ ایک رسول کی بات دوسرا رسول آ کر کہہ سکتا تھا کہ یہاں غلطی ہو گئی، سچائی یہ ہے مگر چونکہ یہ واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ یہ پیغمبر انبیاء کو ختم کرنیوالا ہے۔ اب غیب کی خبر نہیں آئے گی۔ اب کسی پر جبرئیل نہیں آئے گا۔ اب وحی کا سلسلہ موقوف ہے اس لئے اب آپکو اشاراتِ غیبیہ کی زبان نہیں ملے گی۔ میں اس لئے اس کتاب کو فائنل کر رہا ہوں کہ ابدالآباد تک میری تصدیق کے لئے یہ کتاب صحیح سلامت موجود رہے۔ اس میں کسی کوتاہی و خامی کا وجود نہ رہے اس لئے اس کی حفاظت میں خود کر رہا ہوں۔

" اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین " اس سے بہتر کس کی بات صحیح ہے......؟؟ کہ حقیقت یہ ہے کہ پندرہ سو برس سے کوئی کتاب سلامت نہیں رہی، سوائے قرآن کے...... کسی کا ٹیکسٹ و متن محفوظ نہیں سوائے قرآن کے...... تفریط و تحریف سے کوئی محفوظ نہیں سوائے قرآن کے...... اگر آپ اُن کتابوں کو دیکھیں تو اُن کا رُتبہ ہماری حدیث سے بھی نیچے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

حضرت عیسیٰؑ نے کلام فرمایا تو حواریوں نے سُنا، یوحنا نے سُنا، مرقس نے، لوقا نے، برنباس نے سُنا۔ سننے کے بعد انہوں نے اسے فوری carry نہیں کیا بلکہ ستر سال کے بعد سینٹ پال نے خطوط کے ذریعے ان سے letters منگوائے اور seventy years after the versions of Christ was related to them in letters. اور سینٹ پال کے بارے میں، میں اپنی رائے نہیں دوں گا بلکہ میں نیٹشے کی رائے quote کروں گا، جس نے بڑی سخت ناقص رائے دی ہے اور اُس نے کہا کہ سینٹ پال ایک بدباطن اور بد بخت یہودی تھا جو Christianity میں صرف اس لئے داخل ہوا کہ بائبل کی تحریف کر سکے۔ This is a Christian word. God knows better..... "وَاللہُ اَعلَم بِالصَّوَاب"
ہم تو کسی کے بزرگ کو بھی بُرا نہیں کہتے، یہ بھی ہمیں اللہ کا حکم ہے۔ بزرگ تو چھوڑو...... ہم تو کسی کے بت کو بھی بُرا نہیں کہتے کہ پروردگار نے کہا کہ اگر کسی کے بتوں کو بُرا کہو گے، کسی کے جھوٹے خداؤں کو برا کہو گے تو وہ تمہارے اصلی خدا کو بُرا کہیں گے...... اس لئے ہم ایسا نہیں کہتے۔ یہ رواداری اللہ ہی سکھا سکتا ہے۔

سوال: آج عیسیٰؑ کا برتھ ڈے ہے۔ جب وہ بچہ پیدا ہوا۔ قرآن بھی میرے خیال میں حوالہ دیتا ہے۔ میرا علم ناقص ہوسکتا ہے۔ آپ اُسکو correct کر سکتے ہیں کہ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو جو لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ حرام کا بچہ ہے، پیغام مِلا کہ اس بچے سے پوچھ لو کہ وہ کون ہے۔ فرشتے کے ذریعے جیسے بھی وہ حکم وارد ہوا کہ یہ بچہ اللہ کا رسول ہے، نبی ہے اور اُسکو ہم نے کتاب بھی دی ہے۔ کیا میں یہاں تک ٹھیک ہوں کہ اُسکو کتاب بھی دی ہے۔ اگر وہ کتاب خدا تعالیٰ اُسکو دے رہا ہے تو کیا اُس کی حفاظت وہ نہیں لے سکتا تھا۔ بچے کی حفاظت لے لی پہلے دن کی لیکن کتاب کی حفاظت وہ نہ لے سکا۔ وہ چھ سو سال کے بعد بدل گئی۔

جواب: ہم اللہ کی بات خود تو آگے نہیں بڑھا سکتے۔ اگر نبی اور کتاب تک کا اللہ نے ذکر کیا تو اللہ نے ہی کہا کہ ان لوگوں نے بعد میں اس کو تحریف میں ڈال دیا تو اُسی جگہ تک ہم کو خبر ہے، اگر حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ نے کہا کہ اس بچے کو میں نے زبان دی، اس نے کلام کیا اور میں نے اسے کتاب دی تو اس میں یہ تو لازم نہیں آتا کہ خدا نے حفاظت کا وعدہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کر سکتا تھا۔ مگر اُس نے نہیں کیا۔ قرآن کے مطابق، اللہ کے مطابق ان لوگوں نے اس کتاب کو بدل دیا اور وہ آج testified text ہے، جو اللہ نے کہا: اب میں آپ کو ایک چھوٹی سی مثال دوں

کہ جب یہ انجیل مرتب ہو رہی تھی تو ایک سو تئیس versions پوپ پال نے اکٹھے کیے۔ یہ ایک بہت بڑا problem تھا کہ Christian world کو کونسی کتاب بحیثیت بائبل دی جائے۔ تو ایک سو تئیس versions کو بڑی سخت محنت کے بعد اکٹھا کیا گیا جو اِس وقت آپ کو بائبل کی شکل میں نظر آتے ہیں اور اس میں سے بھی برناباس کی انجیل نکال دی گئی۔ یہ بھی آپکو بتاؤں کہ اس برناباس کی انجیل کے بارے میں مسلمان خوش فہم تھا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پیشن گوئیاں ہیں اور Christians نے کہا کہ لگتا یہ ہے کہ یہ کسی مسلمان نے لکھی ہے کیونکہ اس میں ساری کی ساری پیشین گوئیاں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہیں لیکن برناباس کی انجیل آپ موجودہ انجیل میں نہیں پائیں گے حالانکہ برناباس وہ آخری حواری ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ رہے اور قیامت کے دن اور نزولِ عیسیٰؑ کے وقت برناباس ہی اُن کے ساتھ ہونگے۔ ان کو بھی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اُٹھا لیا گیا تھا۔

جب وہ ایک سو تئیس versions اکٹھی کی گئیں اور بائبل بنائی گئی، جو اس وقت ہمارے پاس ہے اس وقت اگر آپ وہ تھوڑی سی کتاب پڑھ لیں تو ایک version میں بھی آپ کو بے پناہ major lacunas نظر آئیں گے۔ اگر آپ کو ایک کتاب: ''قرآن، بائبل اور سائنس'' مل جائے تو اس کو ضرور پڑھیں جس میں مصنف نے بائبل کے موجودہ تضادات پر ایک پورا باب لکھا ہے۔ تحریف کے بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ وہ کتاب نہیں ہے۔ Hundreds of versions سے اگر آپ ایک کتاب اکٹھی کریں گے تو naturally it will not be true. اس کے بعد جب آپ مرتب شدہ کتاب میں بھی غلطیاں نکالیں گے تو It will be doubly wrong تو خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی نہیں کیا ہوا تھا اور میں نے آپکو بتایا کہ کیوں نہیں کیا ہوا تھا......؟ اس لئے کہ پیغمبروں کے بعد پیغمبر آتے رہے اور اگر کسی پہلی امت نے کوئی غلطی اور خرابی کی تھی تو دوسرا پیغمبر آ کر اُس کی اصلاح کرتا تھا اور خدا کی طرف سے رہنمائی کے بعد وہ کتاب ٹھیک کر لیتا تھا۔ حضرتِ عیسیٰؑ کے بعد صرف رسول اللہ ﷺ نے آنا تھا اور ان کے بعد کسی کتاب نے نہیں آنا تھا۔ Now the finality was coming up. So God had to protect his versions of universe. So the protection came up to the finality and not in the interim period, not on the

transitionویسے بھیtransition کو فائنل کرنا غلط ہوتا ہے۔
سوال: حضرت عثمان غنیؓ کا زمانہ تھا تو اُن کو اُنکے گھر میں یا محل میں محصور کر دیا گیا تھا تو اُن کے اوپر ایک یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے کچھ قرآن جلا دیئے ہیں اور ایک رکھ لیا ہے تو علیؓ بھی موجود تھے۔ حسینؓbodyguard بن کر کھڑے تھے، ایک تو وہ تضادات ہیں۔ یہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ میں کینیڈا میں تھا تو کچھmissionaries میرے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ لوگ کہتے ہو کہ آپ لوگوں کا قرآن ایک ہے مگر بہت سے ہیں میں نے کہا: وہ کیسے؟ تو کہنے لگے کہ قادیانی بھی مسلمان ہیں۔ وہ اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ مر چکا ہے، وہ اب نہیں آئے گا۔ حالانکہ قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ ترجمہ لوگ مختلف کر لیتے ہیں کہ وہ آئیں گے۔ سُنی یا دوسرے کہتے ہیں کہ وہ آئیں گے۔ قادیانی کہتے ہیں کہ وہ نہیں آئیں گے۔ تو دوسرے مسلک کے لوگ قرآن سے زکوۃ کیpercentage کچھ نکالتے ہیں دوسرے کچھ اور نکالتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ آپ کی عربی تو ایک ہی لکھی ہوئی ہے لیکن اصل قرآن تو یہ ہے کہ اس میں سمجھ بوجھ پیدا کی جائے تو یہ چلتے پھرتے جو مسلمان ہیں۔ یہ قرآن کو غلطdefine کر رہے ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ کافی قرآن ہیں۔ ہماری بائبل میں بھی ایسا ہوا۔ اگر آپ ہماری بائبل کے اوپر جوcriticize کر رہے ہیں، ہم آپکے قرآن پر بھیcriticize کر رہے ہیں۔ تو میں اُس کو آگے سے جواب نہ دے سکا۔

جواب: میرا خیال ہے کہ آپ کیstudy پوری نہیں تھی اس لئے آپ جواب نہ دے سکے۔ As far as Quranic version is تو اس کے بارے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ باقی یہ جو قادیانی کی بات کر رہے ہیں، پچھلے کوئی پانچ سات برس پہلے مولانا کوثر نیازی تھے، اُس وقت کی وزارتِ مذہب میں تھے۔ اُس وقت قرآن کے بارے میں شبہ ہوا کہ اس کیversions مختلف ہیں، تو پوری امتِ مسلمہ جو قرآن پڑھتی تھی مختلف ممالک سے وہ باقاعدہ منگوائے گئے اور مولانا اُسے لیکر روس گئے کیونکہ حضرت عثمانؓ کے قرآن پر مرتے وقت اُن کا خون گرا تھا تو کچھ ورق اُس کے خون آلود ہیں، اسلئے زیادہvisible نہیں ہیں، تو وہ تاشقند گئے، وہاں سے انہوں نےcompare کیا اور واپس آ کے یہ اعلان کیا بلکہ تمام دنیا میں یہ اعلان ہوا کہ وہversion جو تمام امتِ مسلمہ پڑھ رہی ہے، وہی قرآن ہے جو تاشقند میں موجود ہے۔ اُس میں کوئی اختلاف نہیں۔

باقی جو آپ کہہ رہے ہیں کہ کچھ لوگوں نے قرآن میں اپنے معانی نکالے تو ان کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوئی، نہ ہوسکتی ہے۔ اگر دس یا بیس لاکھ یا زیادہ سے زیادہ ایک کروڑ بندہ بھی اگر one billion میں سے اپنی grouping کرلیں گے جیسا کہ ہر زمانے میں، ہر امت میں کر لیتے ہیں، کوئی بھی کرسکتا ہے۔ تو اس سے اُمّہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

میں نے ابھی آپ سے کہا کہ کوئی بھی شخص، کوئی بھی گروہ بن کر آئے تو وہ اُمّہ میں نہیں آئے گا۔ ہم اُسے امت میں اس لئے نہیں سمجھ سکتے کہ امت تو میں اور آپ ہیں...... آپ مسلمان ہیں، میں مسلمان ہوں۔ بُرا ہوں یا اچھا ہوں...... ایک دریا ہے، بہت بڑا دریا ہے، ہم اُس سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ اگر اُس میں ایک اچھی مچھلی ہے تو بری مچھلی بھی ہے۔ اگر مہا شیر ہے تو ملّی بھی ہے۔ نیک ہے تو گنہگار بھی ہے...... تو ہم تو ایک دوسرے کو accept کریں گے۔

اگر ایک نے اپنا تشخص علیحدہ کرلیا ہے، ہیڈ کوارٹر علیحدہ کرلیا ہے، یہ سارے علیحدہ علیحدہ ہوگئے تو وہ علیحدہ ہوتے رہیں۔ we have nothing to do with them اُنکی عاقبت اُن کے ساتھ ہے: قرآن میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب میں بنی اسرائیل کو جمع کروں گا اور پوچھوں گا اور حضرت عیسیٰؑ کو بلاؤں گا اور اُن سے پوچھوں گا کہ بتاؤ تم نے ان کو یہ خیالات اپنانے کو کہا تھا جو ان کے اندر موجود ہیں تو حضرت عیسیٰؑ کہیں گے کہ پروردگار! جب تک میں زندہ تھا، میں نے ان کو وہی بات بتائی جو تُو نے مجھے بتائی تھی۔ جب میں مر گیا تو......:

"وَ اَنتَ خَیرُ الوٰرِثِینَ" (الانبیاء 89:21)

(تو ان سب کا وارث ہے۔)

میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ کوئی بھی شریف آدمی بچے کھچے نالائق آدمیوں کا وارث نہیں بنتا۔

سوال: مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کو accept کیا جاتا ہے تو جب عورت علیحدگی میں مصلّے پر بیٹھ کر اَشھَدُ اَن لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کہتی ہے تو تب اس کی گواہی قابلِ قبول ہوتی ہے یا یہ گواہی اور ہے اور عدالت کی گواہی اور ہے......

جواب: صاحب میرے خیال میں آپ اس چیز پر سوچتے ہیں کہ آخر اس بچاری کے ساتھ یہ المیہ کیوں واقعہ ہوا۔ اگر آپ فقۂ اسلامیہ کا مطالعہ کریں تو گواہی کے درجات ہیں۔ کسی ایسی situation میں جہاں صرف ایک عورت گواہ ہے تو اُس عورت کی گواہی مُسلّم ہے For Example اگر کسی عورت کے ساتھ بُرا بھلا ہوا ہو اور وہ اکیلی تھی اور گھر میں کوئی مرد گھُس آیا

اور اُس نے کوئی ایسی زیادتی یا زنا کا ارتکاب کیا اور اس عورت نے گواہی دی تو وہ عورت کی گواہی شرع میں مسلّم ہے۔ وہ گواہی مکمل ہے۔ یہ situations پر منحصر ہے۔

میں آپ سے عرض کروں کہ ایسی situations میں کہ جہاں دو عادل مرد نہ ملتے ہوں، وہاں چار عورتوں کی گواہی طلب کی جائے گی۔ جہاں ایک عادل مرد ملتا ہو وہاں ساتھ دو عورتوں کی گواہی طلب کر کے گواہی کو مکمل کیا جائے گا۔ یہ مختلف ranks ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ جانتے ہیں کہ عورت کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے مگر ایک عورت کی گواہی بھی قابلِ قبول ہے۔ یہ فقہی درجہء شہادت ہے جو کسی بھی دُنیاوی معاملات کے استیصال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اب کیونکہ لوگوں کے علم میں نہیں ہے اس لئے normally یہی concept لیا جاتا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے......

سوال: آپ نے فرمایا کہ اسلام میں کبھی کوئی mass revolution نہیں آیا۔ فتح مکہ کے موقع پر جو انقلاب آیا اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: جی اس کو Revolution of idea تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر The revolution of the change of government نہیں کہہ سکتے بلکہ حضورِ گرامی مرتبت نے جب کفارِ مکہ کو جمع کیا تو اُن سے ایک سوال پوچھا کہ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں تو انہوں نے حضرتِ یوسفؑ کی مثال دی کہ جیسے یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔

"لَا تَثرِیبَ عَلَیکُمُ الیَوم" (یوسف 92:12)

(آج تم پر کوئی سختی نہیں۔)

کہ چلو جاؤ چھٹی کرو۔ آج تم پر کوئی جبر نہیں ہے۔ اس حسنِ سلوک کو دیکھتے ہوئے سارے مکی مسلمان ہو گئے......

اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ revolution ان تمام individuals کے لئے ہے جنہوں نے ایک change of ideas کیا ہے، لیکن یہ وہ change نہیں ہے جس کو ہم Revolution کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر دنیاوی basis پر French revolution کو ہم بڑا revolution کہتے ہیں۔ Russian Revolution بھی ایک mass revolution ہے۔ اس قسم کی mass movement عالمِ اسلام کے کسی ملک میں نہیں چلتی...... جو کسی بادشاہ کے خلاف اس لئے چلی ہو کہ وہاں لوگ انصاف نہ پاتے ہوں

یا خوراک نہ پاتے ہوں، جیسے بھوک و ننگ میں الجھے ہوئے..... آپکو یاد تو ہوگا کہ French Revolution کے دوران جب لوگ بادشاہ کے محل کے نیچے پہنچے تو انہوں نے کہا: "روٹی دو"۔ تو اوپر سے بادشاہ کی بیٹی نے کہا کہ بابا اگر ان کو روٹی نہیں ملتی تو یہ کیک کیوں نہیں کھاتے۔ میں اُس قسم کے revolution کی بات کر رہا تھا۔ خیالاتی revolution تو اسلام میں بہت آئے، بڑے بڑے علمائے اسلام آئے، امام حجۃ الاسلام احمد بن غزالی نے بہت بڑا revolution لایا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایسا revolution لائے کہ عالمِ اسلام کو دو سو سال تک برکت حاصل ہوئی۔

But that is again re-establishing the value of Islam. انحراف سے نہیں بلکہ اثبات و اقرار سے۔

"کُلُّ یَّرجِعُ اِلٰی اَصلِ"

اصل کی طرف واپس لوٹنے کا انقلاب ضرور آتا رہا۔ اُس سے جدائی کا نہیں......

سوال: جب بھی کوئی رُوح زمین پر اترتی ہے تو کہتے ہیں اُسکا رزق بھی مقرر کر دیا جاتا ہے اور موت کا وقت بھی مقرر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اکثر کتب میں پڑھا اور ہمارے علمائے کرام بھی یہ بتاتے ہیں کہ شبِ برات کی رات میں رزق میں تبدیلی آتی ہے، رزق میں کمی و بیشی کی جاتی ہے اور موت کا وقت مقرر کر دیا جاتا ہے کہ آدمی کو اس سال فوت ہونا ہے کہ نہیں......

جواب: آپ شب برات کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔ شب برات کا بڑا simple concept ہے۔ اس سے پہلے تھوڑا سا آپکو concept clear کر دوں کہ There is a master plan with the God. اور master plan جو ہے اس کو ہم لوح محفوظ کہتے ہیں۔

جیسے کوئی بھی انجینئر عمارت بلند کرنے سے پہلے ایک ماسٹر پلان تیار کرتا ہے۔ تو لوح محفوظ کہتے ہیں ماسٹر پلان کو...... جب اُس کو سٹارٹ دیا گیا تو اللہ نے کہا: "کُن فَیَکُونَ"......

"کُن فَیَکُون" سے دُنیا بنی، آسمان بنا، زمین بنی It is a start اسی لئے آپ کا شاعر کہتا ہے کہ:

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

صدائے کن فیکون...... ہو جا، ہو رہا ہے، ہو جا، ہو جا...... اس کے جو orders ہیں، وہ by

category اُترتے ہیں۔ by temporal category اُترتے ہیں۔ For example کہ جو ملائکہ زمین بنانے پہ متمکن ہونگے، انھیں ایک بلین years کی سکیم دے دی، پانچ بلین years کی سکیم دے دی کہ within five billion years you have to complete this scheme. اور اس میں یہ چیزیں رکھنی ہیں تو دو دن لگائے اللہ نے زمین بنانے میں اور دو دن اس میں اشیائے ضرورتِ انسان رکھنے میں......اب اس کے آگے خدا نے کہا کہ تمہارا ایک دن ہزار سال کے برابر ہے۔اب زمین پر ہزار سال کی سکیم اُتری۔ اگر آپ اُس طرف دیکھتے جائیں تو ادوار کے لحاظ سے One thousand years is one complete year of human existence اب اس کے بعد نیچے والے ملائکہ تھے، پھر اُس سے بھی lower سو سو سال کی سکیم اُترنے لگی۔ شب برات وہ ہے جہاں ماسٹر پلان سے ایک سال کی سکیم اُترتی ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ اس میں تغیر و تبدل کا خدا مجاز ہے۔ نسخ کا اور ماسٹر پلان میں تبدیلی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے:

"مَا نَنسَخ مِن ایَةٍ اَو نُنسِهَا نَاتِ بِخَیرٍ مِّنهَا اَو مِثلِهَا "(البقرة 2:106)

(کہ جب ہم کسی سورت کو بدلنا چاہتے ہیں قرآن کی تو ہم اُسی قسم کی سورت اُس سے بہتر دیتے ہیں تا کہ تم جان لو کہ اللہ اس پر قدرت رکھتا ہے۔)

اگر آپکو یہ کہا جائے کہ مقدر فائنل ہے تو صحیح ہے۔ اگر آپکو یہ کہا جائے کہ کیا خدا مقدر بدل سکتا ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ اس لئے بعض لوگ یہ توقع رکھتے ہیں کہ شب برات میں ہم عبادت کریں گے، عجز و انکسار کریں گے، محبتِ خداوند کا دم بھریں گے اور ہماری عبادت کی وجہ سے جو درخواست ہم حضورِ خداوند کے سامنے پیش کریں گے ہوسکتا ہے کہ ہمارے مقدر کی سختی اُس سے بدل جائے، ہماری تلخیاں دور ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ اس معاملے میں مہربان ہے، کریم ہے، کر سکتا ہے......

سوال: ابھی آپ نے فرمایا ہے کہ ماسٹر پلان pre-architect ہے۔ تو پھر what is the objective of the day of judgement

جواب: ماسٹر پلان جو ہے وہ انسان سے liberty of choice نہیں چھینتا۔ judgement کے دن میں آپ کا ماسٹر پلان سے انحراف record کیا جاتا ہے۔ میں آپکو مختصراً ایک چھوٹی سی بات کہہ دوں کہ تمام اختلاف جو انسان کو اپنی ذات یا معاشرے سے

ہے، یا اپنی زندگی کی قدر سے ہے، یہ صرف ایک وجہ سے ہوتا ہے کہ There is a scheme of life which you have in your mind and there is a scheme of life which God has for you in this life.

اب تسلیم و رضا سے اگر آپ دونوں کی سکیمیں for goodness of faith ایک ہو جائیں تو تمام زندگی امن و آشتی میں گزرے گی۔ اگر اللہ کی scheme of your life اور آپکی scheme of your life میں اختلاف ہے تو پھر اُن کا جتنا distance بڑھے گا، اتنی ہی بے چینی، انشقاق anxiety اور depressions بڑھیں گے۔ یہ جو ہم زندگی میں کرتے ہیں، یہ اصل میں protocol ہے جس پر تو کوئی change نہیں ہے۔ protocol of life میں تو کوئی change نہیں ہے مگر جو مقصدِ حیات ہے، اُس میں آپ فری ہیں اور مقصدِ حیات اللہ نے صرف ایک قرار دیا ہے۔ زندگی کے معاملات میں فرض کیجئے آپ کو ہی اپنی ساری زندگی کے اسباب مجتمع کرنے پڑتے تو پھر آپ فری نہ رہتے اور آپ اللہ میاں کو کہہ سکتے تھے کہ اے پروردگار! میں تیرے بارے میں تیرا سوال حل نہیں کر سکا۔ I have no time left for you because you gave me no time.

میں بچوں کو پالتا کہ تجھے یاد کرتا...... میں زندگی کماتا کہ تجھے یاد کرتا...... تو آپکے پاس بہت بڑا طاقتور excuse رہ جاتا ہے، اس لئے خدا نے یہ ذمہ اپنے اوپر لے لیا۔ اگر آپ غور کریں تو یہ ذمہ آپکی پیدائش سے لیکر موت تک محیط ہے یعنی پندرہ سال، چودہ سال تک آپ جس ماحول میں پلتے ہیں۔ آپکو اُس پر اختیار نہیں ہوتا۔ you never know کہ آپکے parents کون ہونگے۔ you never know کہ آپکے mother , father بھائی بہن کون ہونگے۔ you never know. آپکی conditions of life کیا ہونگی۔ you never know. کہ آپ اچھے برے، امیر، غریب کس گھر میں پیدا کئے جاؤ گے تو کم از کم اسی طرح موت کے وقت ہوتا ہے آپکو اس بات سے agree کرنا ہوگا کہ ہم اپنے اختیار جو claim کرتے ہیں یہ تھوڑے سے وقفے کے لئے بیچ کی زندگی کے لئے کرتے ہیں۔ which is not true. It is a mistaken idea. جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''اگر ہمارا ساری زندگی کا طریق کار متعین ہے تو پھر ہم کیا کرتے ہیں'' فرمایا: ''جب اللہ

نے تم سے کوئی کام کروانا ہوتا ہے تو اُسی کے مطابق تمہارا ارادہ اور خیال اور motivation strong کر دیتا ہے۔ باقی اگر آپ غور کریں تو صرف آپکا ایک کام ہے دُنیا پر......

"اِناَّ هَدَیۡنٰهُ السَّبِیلَ اِماَّ شاَ کِراً وَّاِماَّ کَفُوراً" (الدھر3:76)

ہم نے عقل وشعور، معرفت صرف اس لئے بخشی کہ چاہو تو مانو چاہو تو ہمارا انکار کر دو۔

"وَماَ عَلَیناَ اِلاَّالبَلاَغ"

نظریہء اعتدال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین وحضرات ! ادبِ عالیہ، مصوری اور تمام کمالاتِ انسان جن کا نام رہتی دنیا تک زندہ ہے، جو کسی بھی حس جمالیات رکھنے والے انسان کے لئے ایک انتہائی مسرت اور انبساط کا باعث ہیں۔

مانی و بہزاد جو ازمنہء قدیم کے بہت بڑے مصور تھے انہوں نے بھی ایک بات تسلسل سے کہی کہ مصور اپنا باطن، اپنا خیال، اپنی روح اپنی تصویر میں نقش کرتا ہے اور اگر مصور نہ بھی رہے تو ہم اسکی تصویر سے اسکے خالق کی اندرونی، خارجی، ہر قسم کی حیثیتِ عقلی، ذہنی اور قلبی کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ Leonardo da Vinci اپنے وقت کا genius نابغہء عصر۔ مگر کتنی عجیب سی بات ہے کہ اسکا بنایا ہوا کوئی پل مشہور ہوا، نہ اسکا بنایا ہوا بارود کا ذخیرہ مشہور ہوا بلکہ وہ تاریخِ ادب میں تاریخِ انسانیت میں ''مونا لیزا'' کی لازوال مسکراہٹ سے زندہ ہے۔

جب اس نے اپنے آرٹ پر گفتگو کی تو اس نے کہا کہ شاید میرا تمام ذہن، میری تمام ذہانت، میرا تمام کسبِ علم جو پہلے تھا شاید اسی لیے تھا کہ میں اس تخلیق تک پہنچوں، اس تصویر تک پہنچوں، میں مونا لیزا کے تبسم تک پہنچوں...... مائیکل اینجلو فلورنس...... کا وہ مصور تھا کہ جسکے بارے میں ہم لوگ یہ جانتے ہیں کہ اس کی روح کا کرب، اس کی اپنے مذہب کے ساتھ لازوال عقیدت اس وقت نکلی جب Pope Junior II نے اسے اپنے کلیسا...... کو سجانے کے لئے کہا۔ وہ کلیسا اس میں بنی ہوئی frescoes، تخلیقِ آدم پر اسکی تصاویر...... آج بھی مصوری جاننے والوں کے لیے، فن جاننے والوں کے لئے ایک classic کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ہالینڈ کا ایک پژمردہ، اداس، زندگی کی اداسیوں میں الجھا ہوا، اپنے مسائل میں انتہا درجہ کا الجھا ہوا انسان جسے van Gogh کہتے ہیں...... اسکے بارے میں نقاد کہتے ہیں کہ van Gogh نے اپنی زندگی کی تمام frustrations اور fears اپنی تصویروں میں

اجاگر کردیں۔ van Gogh کی تصویروں کے رنگ اس کے ہر لمحہء حیات کی عکاسی کرتے ہیں۔ تصویر مصور کا خیال ہے، تصویر مصور کی عکاسی کرتی ہے۔ صادقین کو دیکھ لیجئے...... ! اسکے ذہن کا خوف، اسکی اذیت اسکے surrialistic pattern of art اس خوف کی، اس distressing کی، اس تجرید کی علامت بن گئے ہیں جو پکاسو کے ہاں مختلف نقوش میں اجاگر ہوئے۔

حضراتِ محترم!

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھ کر ساغرِ جم سے

جہاں تمام کائنات کے لوگ second degree of arts کی تخلیق کر رہے تھے۔ مائیکل اینجلو نے کہا کہ ہم خیال کو تصویر میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اسے بعینہ اسی طرح پیش نہیں کرتے مگر ایک ایسی ہستیء مبارکہ بھی تھی کہ جو original خالق تھی:

''هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِیءُ الْمُصَوِّرُ''(الحشر 24:59)

ایک ایسا مصور تھا، ایک ایسا خالق، ایک ایسا نظریہء حسن، ایک ایسا خلاقِ عالم تھا کہ جس کی تعریف و توصیف کے لئے بھی اسکے پیچھے ایک نظریہ تھا۔ تخلیقات کو شروع کرنے سے پہلے، مصوری کا آغاز کرنے سے پہلے، تصاویر بنانے سے پہلے اس نے اپنے مؤقف کو واضح کیا، اس نے اپنے خیال کو اجاگر کیا اور کہا:

''کُنْتُ کَنزًا مخفیاً''

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔)

''مَا اَحببتُ''

(مجھے اپنی صفات سے اُنس ہوا)

میں نے چاہا کہ لوگ مجھے پہچانیں، لوگ میری پرستش کریں لوگ مجھ سے اُنس رکھیں:

'' فَخَلَقتَ الخلقَ لِیَعرِفُونَ ''

(تو میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لئے پیدا کیا۔)

مصور نے، خالق نے، مالک نے تصاویر بنانے سے پہلے ایک intention واضح کر دیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں جو سب سے بڑا ہوں...... سب سے اعلیٰ ہوں...... جو سب سے نفیس ہوں......سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہوں...... میں جو سب سے خوبصورت ہستی ہوں......

مجھے چاہا جائے، پہچانا جائے؟ مجھے پسند کیا جائے، میری تعریف کی جائے میری ہی تخلیقات کے حسن کو کوئی پرکھنے والا ہو، میں نے انسان کو اپنے تعارف کے لئے پیدا کیا۔ خواتین وحضرات! یہاں رک کر ایک دوسری حدیثِ قدسی کو دیکھیں جس میں ایک لفظ کی تبدیلی ہے اور وہ یہ تھی:

''فَخَلَقتُ مُحَمَّد ﷺ''

(پس میں نے محمد ﷺ پیدا کیا۔)

دراصل دونوں احادیثِ قدسی ایک ہی ہیں اس لیے کہ جہاں مخلوقِ عام کو پیدا کیا، جہاں ہر جاننے والے کو پیدا کیا، جہاں سمجھنے والوں کو پیدا کیا، ان میں ترجیح کو مرتب کیا، ان میں تخلیقات کی ترجیحات کو مرتب کیا، جہاں یہ فیصلہ کیا کہ سب مجھے ایک جیسے ماننے والے، پہچاننے والے اور میری تعریف کرنے والے نہ ہونگے اسی لئے اگر ایک حدیث میں کہا کہ میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لئے پیدا کیا، تو دوسری طرف اس ہستیء مبارکہ کا نام لیا جس سے اس کی تعریف مکمل ہوتی ہے، جس سے اس کی تعریف ایک درجہء کمال کو پہنچتی ہے۔ جس طرح وہ چاہتا تھا کہ مجھے پہچانا جائے، جس طرح وہ چاہتا تھا کہ مجھے سمجھا جائے، جس طرح اس واحد ہستی مبارکہ نے اس کی تعریف کی......

قطع نظر کہ مصور نے اپنی بہترین تصویر کو بنایا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تصویر میں رنگ کیا بھرے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تصویر میں اپنی ہستی کو کیسے اُجاگر کرتا ہے، اس میں اپنے آپ کو کیسے نمایاں کرتا ہے۔ اپنی قدرتِ عالیہ کو کیسے واضح کرتا ہے، جیسے بنو اسرائیل پر اسکا قہر...... جیسے بادلوں سے گرج اور کڑک کی آواز...... جیسے حسنِ فطرت...... جیسے سورج چاند کی روشنی...... کیا اُس ہستیء مبارکہ کو جو ابلاغ دیا، جو انداز دیا، جو زندگی کا طریق دیا، وہ ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا وہ طریق ایسا ہے جو نا قابلِ فہم ہو، نا قابلِ عمل ہو، نا قابلِ شناخت ہو، نا قابلِ تخلیق ہو یا کوئی ایسا انداز دیا جس پر وہ خود بھی قائم تھا۔ ایک ایسا انداز جو اس نے اپنی بہترین تصویر کو دیا۔ وہ خود ہی اپنی زبانِ مبارک سے اپنی طویل تر مخلوقات پر رائے دیتا چلا آرہا تھا کہ میں نے آج تک یہ جو مشقِ سخن کی تھی، اپنے ''خالق'' اور ''باری'' ہونے کے توسط سے جو میں نے خیالات سوچے تھے، جن تجرباتِ زندگی میں میں مصروف رہا تھا تو میں ابھی تک اپنے اس آرٹ کو مکمل نہیں کر پایا تھا، حتیٰ کہ میں اس ہستیء مبارک تک آیا، اس محبوبِ کائنات تک آیا، محمد ﷺ تک آیا اور پھر میں نے جو کچھ، مخلوقِ عالم میں اپنی ہستی سے اجاگر کرنا تھا، جو پیٹرن میں نے انہیں اپنی شناخت کا دینا تھا، جو اندازِ

فکراور اندازِ زندگی میں نے اُنہیں دینا تھا، وہ محمد ﷺ کی صورتِ کاملہ میں میں نے مکمل کیا۔
کیا محمد رسول اللہ ﷺ ایک ایسے شخص تھے کہ جو غیر معتدل تھے، کوئی ایسے شخص تھے جو معجزات کی دبیز چادر میں لپٹے ہوئے تھے؟ کوئی ایسے شخص تھے جو حیران کن تصورات کو آپ تک پہنچا رہے تھے؟ وہ کوئی ایسے شخص تھے جو آپ میں صرف حیرت پیدا کر رہے تھے؟ کتنی حیرت کی بات ہے کہ وہ شخص جس نے ایک لفظ تک کسی کتاب کا نہ پڑھا تھا، اسے معیارِ علم کا راز دیا گیا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ایک یتیم کو اس نے ادبِ عالیہ کا معیار قرار دیا۔ اس نے تمام لوگوں تک ایک پیغام پہنچایا کہ میں، میرا علم، میری شناخت، میری اس تصویر میں مکمل ہوتی ہے۔ جیسے میں چاہتا ہوں تمہیں زندگی دینا...... جیسے میں چاہتا ہوں تمہیں اندازِ زندگی دینا...... بالکل ویسے ہی اس شخص کی تقلید میں وہ اندازِ زندگی نمایاں ہوگا اور یہ انداز نہ غیر معمولی ہے، نہ غیر یقینی ہے...... یہ انداز ایک اعتدال ہے۔
رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں آپ وحی کے علاوہ ایک بھی غیر معتدل واقعہ نہیں پیش کر سکتے۔ آپکو حیرت ہوگی کہ وہ کسی طرح بھی آپ سے مختلف نہ تھے مگر وہ کتنے مختلف تھے!!! جس شخصِ محترم کے ساتھ صبح و شام ایک اتنا حیرت انگیز واقعہ پیش آتا ہو، جبرئیلِ امین اُترتے ہوں۔ اللہ کا کلام اترتا ہو، آپ ایک معمولی سے ASP شخص کو دیکھیں، ایک معمولی شاعر کو دیکھیں، ایک ادیب کو دیکھیں، ایک صفتِ غیر کے آجانے سے ایک معمولی سی صفت کے بڑھنے سے کتنا narcissist ہو جاتا ہے، اپنے وجود کی لذت میں کتنا ڈوب جاتا ہے اور دوسروں سے کیسے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔
مگر محمد ﷺ جس تصویر کا نام تھا اسکا ٹائٹل اللہ نے خود دیا: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ کہ یہ اپنے وجود میں انسانوں کے لئے ہی نہیں، حیوانوں کے لئے نہیں، پرندوں کے لئے نہیں، جاندار کیلئے نہیں بلکہ پوری کائنات کی جان و بے جان چیزوں کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ یہ رحمت کیا ہوگی؟ ہمیں اندازِ رسول ﷺ سے پتہ چلے گا کہ یہ رحمت کیا چیز ہے؟ وہ کیا اصول ہے جو اس نے اپنی اس بہترین تصویر میں سمویا ہے؟ وہ کیا اندازِ زندگی ہے، وہ کیا اندازِ کائنات ہے؟ وہ کیا اصولِ کائنات ہے؟ وہ خواہ Cosmology میں ہو، خواہ biological existence میں ہو، خواہ انسانوں کی زندگی میں ہو، خواہ آدابِ محفل ہو، خواہ اندازِ تفکر میں ہو۔ آخر وہ کیا اصول ہے جو پروردگار نے اپنی اس بہترین تصویر میں منعکس کرنا چاہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا کا اندازِ فکر معتدل ہے۔ خدا اعتدال پسند کرتا ہے۔ خدا اپنے بندوں کے لئے اعتدال چنتا ہے۔ خدا ان کو حشم وزائد سے بچاتا ہے، خدا ان کو ایسے balances کی تلقین کرتا ہے جس میں کوئی چیز حدوحساب سے نہ بڑھی ہوئی ہو اور جو چیز حدوحساب سے بڑھے گی اس پر کہیں نہ کہیں کسی مصیبت کسی آفت یا کسی مسئلے کا آغاز ہو جائے گا۔ اگر ہم مکمل اعتدال نہیں حاصل کر سکتے تو رسولِ گرامیِ مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم مکمل اعتدال حاصل نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کے قریب ترین رہو۔ رسول ﷺ کو اس نے اس طرح پیش کیا، اللہ نے انسانوں کے لئے اسے معیارِ علم بنایا، معیارِ ادب بنایا اور معیارِ اعتدال بنا دیا تو پروردگار نے ہمیں سب سے پہلا نظریہء اعتدالِ خداوند دیا۔ اللہ نے ہمیں بتایا کہ وہ بذاتہ اپنی ذاتِ گرامی میں سب سے زیادہ کس چیز کو پسند کرتا ہے۔ سب سے زیادہ کس چیز کو اُجاگر کرنا چاہتا ہے۔

خواتین وحضرات! میرے ایک دوست ڈاکٹر کے پاس ایک مریض آیا، میں پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ مریض پاس سے گزرا تو ڈاکٹر صاحب نے اسے medicine suggest کی۔ میں نے اشارۃً ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ I think he suffers from slightly schizophrenia یہ غیر معتدل ہے۔ تو میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اسکا بھی کچھ علاج آپ کو ساتھ میں کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب مصروف تھے، چڑے ہوئے تھے تو فرمایا کہ پروفیسر صاحب perfect balance تو پھر اللہ ہی ہے۔ نادانستگی میں انہوں نے ایک بہت صحیح بات کہی۔ ایک مکمل بات کہ perfect balance تو صرف اللہ ہی ہے۔ وہ balance کہ جس کی مدد سے اس نے پوری کائنات کو تھام رکھا ہے۔ مگر جب اس نے اپنے آپ کو اجاگر کرنا چاہا، جب اس نے اپنے آپ کو نمایاں کرنا چاہا، جب اس نے اپنی تعریف وتوصیف چاہی تو یہی balance اور رحمت تخلیق کی......

رحمت اور اعتدال ایک لفظ ہے۔ یہی balance یہی رحمت اس نے ایک فردِ واحد میں منتقل کر دی اور اسکے ساتھ یہ فرما دیا کہ میرا یہ دوست، میرا یہ بندہ بہترین خلقت پر قائم ہے۔ بہترین اعتدال پر قائم ہے۔ تو حضراتِ محترم! اعتدال میں کیا ہوتا ہے......؟ کیا نہیں ہوتا......؟ اعتدال میں مکمل علم ہے۔ اعتدال میں مکمل ادب ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے ہم بڑی آسانی سے کائنات میں بکھرے ہوئے تمام علوم کی شناخت کے بعد جب ہم قرآن کو پلٹتے ہیں، اس کی تفسیر و

وضاحت کو پلٹتے ہیں تو کوئی بھی سمجھدار انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ کائنات کا بہترین علم قرآن ہے۔ اگر قرآن کو نہ سمجھا جائے گا، نہ پڑھا جائے گا، اگر آپ اس سیادت کے علم میں آگے نہ بڑھیں گے، اگر آپ نے اسے ناظرہ روایت تک رکھنا ہے، اگر بغیر سوچے سمجھے اسے پڑھنا ہے تو پھر قرآن اور اللہ کا اس میں کوئی دوش نہیں۔ اگر ہے تو آپ کے اس تجسس کا کہ جو دنیاوی علوم، دنیاوی اشیاء کی طرف تو بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں مگر قرآن تک آ کے تقلید میں محصور ہو جاتے ہیں اور قرآن تک آ کے آپ ہمیشہ اپنی تحقیق و جستجو کے لئے آسرا ڈھونڈتے ہیں۔ بہترین خلاقِ عالم کا، بہترین مصور کا بہترین اعتدال کا علم قرآن ہے۔

شرع balance ہے۔ شرع وہ چیز ہے جو گناہ و ثواب کے درمیان ایک حد برزخی ہے۔ شرع وہ ہے جو آپ کو ناجائز guilt کا شکار نہیں ہونے دیتی...... شرع پابندی نہیں ہے بلکہ پروردگار کی طرف سے وہ حدود ہیں جن حدود کے اندر آپ ایک کشادہ سانس لے سکتے ہیں۔ شرع کی حدود ایسی ہیں جس تک کوئی decent کوئی باادب، کوئی شریف انسان پہنچنا پسند نہیں کرتا اور اسی لئے پروردگار نے کہا کہ اگر تم ان حدود سے اُرے رہو تو تم پر کوئی الزام نہیں اور یہ کتابِ حکیم اور یہ کتاب علم میں نے اس لئے دی ہے اور اس میں جن حدود کا میں نے ذکر کیا ہے یہ تمہیں ہمیشہ مصائب سے بچائے رکھیں گی۔ ذلت و مسکنت سے بچائیں گی، تمہیں اداسی سے بچائیں گی، حزن و ملال سے بچائیں گی۔ اگر تم ان حدود سے اُرے رہو گے تو تم اعتدال میں رہو گے۔ اور اگر تم اعتدال میں رہو گے تو تم پر میری اس آیت کا اِطلاق ہوگا۔

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (یونس 62:10)
یقین جانو کہ اگر تم ان حدود سے اُرے رہو گے اور میری نسبت سے رہو گے تو تمہیں کوئی خوف اور کوئی حزن نہیں ہوگا۔

اعتدال خوف و حزن سے بے نیازی ہے۔ اعتدال ہر اس قدم سے گریز ہے جس کے بعد آپ مصائب میں، تکالیف میں، ذہنی ابتلاء میں، رنج و غم میں پڑ جاتے ہیں۔ اعتدال ہی خوف و حزن سے بے نیازی ہے۔ اعتدال ہی محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ اعتدال ہی پروردگار ہے اور یہی وہ ایک چیز ہے جسے قرآن حکیم میں پورے انسان کے لئے پروردگار نے اس مختصر سی آیت میں پیش کیا ہے کہ میں نے اسے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ بنایا۔ اور جیسے میں نے اسے تخلیق کیا ویسے میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرے۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے

اعصاب پر، خیال پر، ہمارے parental immediate genetics
influences کی وجہ سے یہ ترتیبِ تناسب الٹی ہوئی ہوتی ہے۔ جب ہم پیدا ہوتے
ہیں...... ہمارے معاشرے میں کئی imbalances ہوتے ہیں۔ ہماری ذات کے اندر کئی
imbalances ہوتے ہیں۔ ہمارے خارجی واقعات میں کئی imbalances ہوتے
ہیں اور یہ غیر معتدل حالات وواقعات وخیالات مل کر اس تصویرِ اعتدال میں زنگ لگا دیتے ہیں۔

قرآن ایک مکمل علم ہے اور محمد ﷺ ایک مکمل انسان۔ جب ہم اصولِ علم کی
وضاحت کرتے ہیں، جب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ علم کہاں رکھا جاتا ہے تو علم ''جذب'' میں نہیں
رکھا جاتا۔ علم دیوانہ وار تقلید میں نہیں رکھا جاتا۔ علم کسی جاہلِ مطلق میں نہیں رکھا جاتا۔ علم کسی ناقص
العقل میں، بیمار میں، مجروح العقل میں نہیں رکھا جاتا۔

اگر مکمل علم قرآن ہے تو وہ محمد ﷺ میں رکھا جاتا ہے۔
اگر مکمل علم قرآن ہے تو مکمل اعتدال میں رکھا جاتا ہے۔

یہ اصولِ علم ہے کہ جوں جوں آپ زیادہ معتدل ہونگے آپ زیادہ صاحبِ علم بھی ہونگے اور
اعتدال آتا ہی شناختِ ذات سے ہے۔ شناختِ ذات، شناختِ خداوند سے نصیب ہوتی ہے۔ اور
یہی وہ ایک اصول ہے جو تصوف کا ہے اور یہی وہ ایک اصول ہے جو ترقیٔ مذہب کا ہے۔ یہی وہ
اصول ہے جو مذہب سے ہم نے حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسی اصول کی جدوجہد کرتے ہوئے ایک
مسلمان درجہء ایمان تک پہنچتا ہے اور مومن کہلاتا ہے اور لفظ اولیاء اللہ مومن سے جدا نہیں ہوتا۔

خواتین وحضرات! حسان بن ثابتؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی اور اس
تعریف پر جبرئیل امین نے داد دی اور فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! اہلِ آسمان بھی، اہل اِفلاک
بھی حسان کو اس شعر کی داد دیتے ہیں۔ مختصر اور بڑا ہی خوبصورت سا شعر ہے۔ فرمایا:

''خَلِقت مُبَرَّمًا مِن کُلِّ عَیبٍ ''
(تجھے اللہ نے ہر عیب سے بری کیا)
''اَنکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَاءُ وَنَ ''
(لگتا ایسے ہے کہ جیسے آپ نے چاہا ویسے بنادیا گیا)

یعنی جیسے آپ نے آرزو کی کہ آپ انسان کے لئے بنیں، جیسے آپکا خیال تھا کہ آپ اپنی امت کے
لئے بنیں، جیسے آپ نے چاہا، اللہ نے ویسا بنادیا۔ ذرا اسکو پلٹ کر دیکھئے......!!! بات وہ بھی

بڑی ہی قابلِ تعریف ہے مگر حسان بن ثابتؓ نے یہ کیوں نہ سوچا کہ جیسے خدا نے اپنے آپکو پیش کرنا چاہا، جس بہترین انداز میں اللہ نے اپنی تصویر بنائی اور اس تصویر سے اُس نے اپنے بہتر انداز کو اُجاگر کرنا چاہا تو انہوں نے ویسا محمد رسول اللہ ﷺ کو بنا دیا۔ یہ نہیں کہ خدا replacement پر قادر نہیں۔ یہ نہیں کہ خدا کسی چیز کو اپنے لئے ناگزیر سمجھتا ہے۔ خدا کے لئے کوئی چیز ناگزیر نہیں۔ جہاں اُس کی خدائی ہے وہاں وہ تنہا ہے۔ وہاں وہ بے نیاز ہے مگر جہاں محمد ﷺ ہیں وہاں اُس کا درجہء کمال ہے۔

اللہ کے ہاں بھی تکمیلِ مراتب ہے۔ اللہ کے ہاں بھی حد مصوری ہے۔ اللہ کے ہاں بھی ایک تصویر کا کمال موجود ہے اور وہ محمد رسول اللہ ہے۔ میں گستاخی تو نہیں کرتا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ محمد ﷺ سے بہتر تصویر اللہ کے ذہن میں نہیں ہے۔ محمد ﷺ سے بہتر اللہ نے کسی تصویر کا سوچا ہی نہیں۔ جب اُس نے اس تصویر کو سوچا ہوگا تو اس تصویر کے انداز میں اُس نے اپنی ذات کو اُجاگر کیا جیسے میں آج یہ کہتا ہوں کہ اس تصویر کو دیکھ کر اُس مصور کا ذہن میری سمجھ میں آتا ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اللہ کا ذہن سمجھ میں آتا ہے اور وہ اعتدال ہے۔ ایک مکمل اعتدال......، ایک ایسا حُسن......ایک ایسا حُسنِ تناسب جو کائنات کی ہر رگ و پے میں ہے۔ اور ایک ایسا حسنِ تناسب جو رشتہء انسان میں ہے۔ ایک ایسا حسنِ تناسب جو کہکشاں میں ہے...... بڑے مشہور Cosmology کے ماہر نے ایک بات کہی کہ ہم نے سوچا تھا کہ یہ جو پھیلتی ہوئی کہکشائیں ہیں، یہ شاید بے ترتیب ہیں۔ بڑی تحقیق و جستجو کے بعد ہمیں اب اندازہ ہونے لگا ہے کہ جو بظاہر اتنی بے ترتیبی اس کائناتِ کبیر میں پائی جاتی ہے اس میں بھی ایک حسنِ ترتیب ہے۔

حضراتِ محترم! جسے آپ تقدیر سمجھتے ہیں، یہ حسنِ ترتیب ہے۔ اگر حسنِ ترتیب نہ ہو اگر ان میں حسنِ تناسب نہ رکھا جائے، interior decorations نہ رکھی جائیں تو یہ سب چاند ستارے آپس میں ٹکرا جائیں۔ قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ یہ چاند، سورج، ستارے سب کچھ ہم نے ایک تقدیر سے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ ٹل جائیں تو ہمارے سوا ان کو تھامنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ یہی حال حضرتِ انسان کا ہے۔ یہی حال اس حسنِ کائنات کا ہے مگر سب سے زیادہ خوبصورت ترتیب، سب سے زیادہ حسنِ اعتدال کا مظہر صرف اُس نے اپنی بہترین تصویر کو بنایا ہے اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضراتِ محترم! ہمارے لئے ایک بڑی آسان بات رہ جاتی ہے...... ایک چھوٹی سی بات کہ ہم اعتدال کے قریب جاتے ہوئے یہ دیکھنے کی

کوشش کریں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کیا چیز مانگی ہے اور کس چیز سے پرہیز کیا ہے۔

اگر ہم واقعی زندگی میں خوف وحزن سے بے نیازی چاہتے ہیں، اُداسیوں سے آزادی چاہتے ہیں، غم والم سے آزادی چاہتے ہیں تو ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ آقا و رسول ﷺ نے اپنے لئے کیا چاہا اور کن چیزوں سے پرہیز مانگا۔ اگر ہم اس اصول کو مدنظر رکھ لیں اور ایک دعا کے ہم قائل ہو جائیں کہ ان چیزوں کو جن چیزوں کا سوال تجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہمیں وہ عطا فرما اور اُن چیزوں سے ہمیں پناہ دے جن سے ہمارے رسول ﷺ نے پناہ مانگی ہے تو یقین جانیے کہ آپ کبھی اعتدال سے علیحدہ نہ ہونگے۔ کبھی آپ کو غم والم سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو ایک مکمل balance میں ڈال کر ان چیزوں سے بے نیاز فرمایا ہے۔ جتنی ہماری identification concept of Prophet کے ساتھ ہوگی، جتنا ہم اُن کی عادات و خصائل کے ساتھ ترتیب پائیں گے، اتنا زیادہ ہم خوف وحزن سے بے نیاز ہونگے۔ اللہ کہتا ہے کہ میرے دوست وہ ہونگے جو خوف وحزن سے بے نیاز ہیں اور میں اپنے دوستوں پر یہ کیفیتِ غم وبلا نہیں چھوڑتا مگر شرط صرف ایک ہے کہ تمہیں جو میں نے نظریہ اعتدال دیا ہے جو میں نے تمہیں مجسم مثالِ اعتدال بخشی ہے، تم اس کے قریب ترین رہو۔

یہ کیسی عجیب سی بات ہے کہ پیغمبر کے لئے پروردگار نے قرآنِ حکیم میں دو لفظ استعمال کئے "رؤف" اور "رحیم"..... عبدالرؤف اور عبدالرحیم نہیں بلکہ "رؤف" اور "رحیم" کے...... یہ وہ پیغمبر ہیں جو تمہارے لئے رؤف اور رحیم ہیں تو اس میں ایک صفت کو اجاگر کیا: وَكَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَة کہ میں نے جب تخلیقات کو شروع کیا تو ایک چیز اپنے اوپر لکھ لی اور یہ چیز لکھ لی کہ میں تمام مخلوقات پر اور انسان پر خصوصی رحم کروں گا۔ میں ان پہ رحمت کا نزول فرماؤں گا۔ پھر اپنے اس وعدے کو محمد رسول اللہ ﷺ میں پورا کیا اور رحمت کو مجسم کیا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً الِّلْعٰلَمِين پھر اس رحمت کو اعتدال کے بامعنی کر دیا اور جب ہم اس ہستیء مبارکہ کی زندگی کے حالات پڑھتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ معتدل ہی "رؤف الرّحیم" ہوتا ہے۔ اعتدال میں ہی رحمت ہوتی ہے۔ اعتدال ہی رحمت کا ہم معنی لفظ ہے۔

میں کسی پر طنز نہیں کر رہا، صرف ایک نقطہ بتا رہا ہوں...... یہ کتنی عجیب سی بات ہے کہ لوگ محدث ہیں، لوگ حدیث پڑھتے ہیں۔ عاداتِ رسول ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کو

follow کرتے ہیں مگر پھر اتنے کڑے مزاج کے ہوتے ہیں، پھر اتنے سخت دل ہوتے ہیں، پھر اتنے تناؤ کا شکار ہوتے ہیں تو لگتا یہ ہے کہ وہ Deeds of Prophet تو پڑھتے ہیں لیکن Psychology of the deeds of the Prophet کو نہیں سمجھتے۔ وہ اعمال کے پیچھے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی نیات ہیں، کبھی ان کا مطالعہ نہیں کرتے۔ وہ یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ آقا و رسول ﷺ کا اندازِ تعلیم کیا ہے۔ اس سب سے معتدل استاد کا اندازِ تعلیم صرف ایک مثال سے آپ کو واضح کرتا ہوں کہ براء بن مالک'' حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ پراگندہ بال، مٹی سے اَٹے ہوئے تھے...... صوف کا لباس بُو دیتا ہوا...... اصحابِ اشراف نے ناک بھوں چڑھایا۔ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کتنے صفائی پسند ہیں...... ان کے قریب آنے سے اُلجھ گئے۔ کچھ تنافُر کا اظہار کیا...... کچھ دور ہٹانے کی کوشش کی...... تو حضورِ گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ:

'' کچھ پراگندہ بال، کچھ شوریدہ سر، کچھ اداس لوگ، کچھ غریب ایسے بھی ہیں کہ اگر خدا کی قسم اٹھا لیں تو خدا ہر حال میں ان کی قسم پوری کرتا ہے''۔

حضراتِ محترم! اس پوری حدیث میں آپ کو کہیں یہ نظر آیا کہ اس استادِ محترم نے کسی صحابی کو سرزنش کی ہو، کسی کو تنبیہہ کی ہو، کسی کو یہ کہا ہو کہ تم نے اس پر ناک بھوں چڑھانے میں زیادتی کی ہے۔ ایسا نہیں ہوا...... مگر اتنا خوبصورت اندازِ تعلیم ہے کہ اس فقیر کو اتنی عزت دے دی کہ وہ ناک بھوں چڑھانے والے اصحاب اپنے اس احساس سے خود ہی شرمندہ ہو گئے ہونگے۔ خود ہی معذرت کر لی ہوگی اور اس سوچ سے پیچھے ہٹ گئے ہونگے...... تو یہ ہے اس بڑے استاد کا کرشمۂ تعلیم کہ وہ کسی کو رنجیدہ نہیں کرتے، کسی کو کوفت نہیں پہنچاتے، کسی کو دکھ دے کر تعلیم نہیں دیتے بلکہ انتہائی خوبصورت معتدل انداز میں وہ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ جس سے لوگ خود ہی سمجھ جائیں کہ کیا بُرا ہے اور کیا اچھا ہے۔ کس چیز میں بھلائی ہے، کس چیز میں بُرائی ہے۔

حضراتِ محترم! پروردگار نے فرمایا: '' حدیثِ قدسی ہے کہ عزت میرا ازار ہے اور کبریائی میری چادر ہے جو اِن دو چیزوں پر ہاتھ ڈالتا ہے، میں اس کو نہیں چھوڑتا'' یعنی تکبراتِ ذات، اپنے آپ کو نمایاں اور اجاگر کرنے کی خواہش، چاہے مال سے، چاہے اولاد سے، چاہے اسباب سے، چاہے تعقل سے...... یہ فرعونیتِ ذہن کوئی نہ کوئی انداز ڈھونڈتی ہے اپنے آپ کو اجاگر کرنے کیلئے مگر جہاں بھی آپ اپنے آپ کو تکبراتِ ذات میں الجھائیں گے وہاں کسی نہ کسی

دوسری خارجی شے کی تقصیر واقع ہوگی، کسی نہ کسی کو آپ اپنے سے نیچا سمجھیں گے۔ آپ تبھی متکبر ہوں گے جب کوئی مقصّر ہوگا۔ آپ تبھی بڑے ہوُں گے جب کوئی آپ کی نگاہ میں چھوٹا ہوگا۔ خداوندِ کریم کو یہ عادت بہت ناپسند ہے۔ بے حد ناپسند ہے۔ اس لئے اللہ نے کہا کہ عزت میرا ازار ہے اور کبریائی میری چادر ہے، جو ان کو چھوئے گا، جو انسانوں میں عزت کی، توہین کی تقسیم کرے گا، جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا میں اس کو نہیں چھوڑوں گا مگر آپ دیکھئے کہ اس حدیثِ قدسی کے مقابلے میں رسولِ گرامی مرتبت ﷺ آپ کو یہ نہیں کہہ رہے کہ تم مغرور ہو، متکبر ہو، تم لوگوں کیلئے ایک انا پرستی کا مظاہرہ کر رہے ہو بلکہ ایک دعا بتلا رہے ہیں...... ایک چھوٹی سی دعا...... ایک خوبصورت سی بات کہہ دی کہ چلو اگر تھوڑی سی عقل رکھتے ہو تو اس طرح خدا سے دعا مانگ لینا تو تمہارے مزاج سے تکبر کا انداز نکل جائے گا:

''اَللّٰهُمَّ اجعَلنِی صَبُورًا وَّاجعَلنِیُ شَکُوراً وَّاجعَلنِیُ فِیُ عَینِی صَغِیرًا وَّ فِی اَعیُنِ النَّاسِ کَبِیرًا''

(اے اللہ! مجھے صبر عطا فرما، مجھے اپنی یاد والا بنا، مجھے میری نگاہ میں چھوٹا کر اور مخلوق کی نگاہ میں بڑا کر)

یہ اندازِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ انسانوں کے comparison سے اپنی بڑائی اور تکبر کو طلب کریں، بجائے اس کے کہ مخلوق کو چھوٹا سمجھ کر آپ بڑے بنیں، اسکا رُخ بدل دیں، مخلوق کو اپنے تقابل سے نکال دیں۔ اعتدال یہ کہتا ہے کہ لوگوں کو اپنے تقابل سے نکال دو۔ وہاں کئی ایسے پھرتے ہونگے، شوریدہ سَر جن کا ایک لفظ آپ کے لئے قیامت کا باعث بن سکتا ہے۔ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلا تَنهَر دیکھو سائل کو جھڑکو نہیں، غریب کو جھڑکو نہیں سوال کرنے والے کو جھڑکو نہیں۔ یہ غیر معتدل ہے، یہ متکبرانہ بات ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ننانوے فیصد سائل غلط ہوں مگر ہوسکتا ہے کہ جھڑکنے کی عادت پڑ جائے اور آپ ایسے کو جھڑک بیٹھیں کہ:

بہ ترسِ ازآہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اَجابت ازدرِ حق بہرِ استقبال می آید

(مظلوم کی آہ سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دعا کر بیٹھے تو خبردار رہنا کہ اس کی دعا کو اوپر نہیں جانا پڑتا بلکہ قبولیت خود اس کے در تک اُتر کر آتی ہے۔)

تو ایسا نہ ہو کہ آپ سائلوں کو جھڑکتے جھڑکتے ایک ایسے سائل کو جھڑک بیٹھو کہ جو اتنا خدارسیدہ ہو، جو اتنا اچھا ہو، جو اللہ کے نزدیک اتنا معزز ہو کہ براء بن مالکؓ کی طرح قسم کھا بیٹھے اور اسکی قسم

پوری ہو جائے تو پھر تمہارا زندگی میں کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا۔

حضراتِ محترم ! اعتدال بتاتا ہے کہ ناتوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔اعتدال بتاتا ہے کہ ہم نے رشتوں کی حفاظت کرنی ہے۔اعتدال بتاتا ہے کہ گھر بار بھائی بندوں کی ہم نے حفاظت کرنی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کی روزی بڑھے،کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کی عمر بڑھے تو پھر ناتے داری کا خیال کرو۔کیسی عجیب بات ہے کہ سب سے پہلے تکبرات کا دروازہ ناتے داری ہی پر کھلتا ہے۔رشتہ داری ہی پر کھلتا ہے۔معزز لوگ رشتہ داروں، عزیزوں کی تعظیم ترک کر دیتے ہیں۔ان کو اپنے مرتبہ اور خیال سے پست سمجھتے ہیں۔ پھر وہ بیرونی اور خارجی رشتے اور تعلقات طلب کرتے ہیں جہاں ان کے status equivalent ہوتے ہیں۔کیسی عجیب بات ہے.....ایسے لگتا ہے کہ وہ اپنی روزی میں اور اپنی عمر میں اضافہ نہیں چاہتے۔

اسماء بنتِ ابی بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا...... چونکہ وہ بڑی قریب کی تھیں، حضور ﷺ کی سالی بھی تھیں،اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن بھی تھیں، بے تکلفی بھی تھی تو گزرتے ہوئے کہنے لگے:''خرچ کر خرچ.....خرچ کر خرچ، گن گن کے مال نہ رکھ۔اگر تو گن گن کے مال رکھے گی تو پھر اللہ بھی تجھے گن گن کر دے گا''۔ اسماءؓ نے فرمایا:''اُس کے بعد میں نے مال کو دیکھا نہیں خرچا ہے''۔حضراتِ محترم!اس سے اسراف مراد نہیں، فضول خرچی مراد نہیں مگر ہر انسان اپنے survival سے ڈرتا ہے۔یہ مال جمع کرنا بُخلِ جان ہے''اُحضِرَتْ الاَنفُسِ الشُحّ'' (تمام جانوں کو بُخلِ جان پر جمع کر رکھا ہے) ہر انسان، ہر زندگی، ہر جاندار بخیل ہے۔جب جان کا مسئلہ آجائے، جب زندگی خطرے میں چلی جاتی ہے تو ہر انسان اسے بچانا چاہتا ہے۔

یہ جو ہم بچت کرتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ یورپ میں یہ concept نہیں ہے۔سوشل سیکورٹی سسٹم کی وجہ سے نہیں ہے۔ وہاں کی حکومتوں نے بُخلِ جان سے لوگوں کو محفوظ کیا ہوا ہے۔,They got no job, they are not worried وہ انکے لئے انکی زندگی کے مطابق provisions دے رہے ہیں مگر جہاں زندگی خطرے میں پڑ جائے وہاں تو حرام بھی حلال ہوتا ہے۔یہ بُخلِ جان اتنی سخت شے ہے، اتنی major instinct اتنا tense survival ہے کہ اگر یہ خطرے میں پڑ جائے تو اعتدال خطرے میں پڑ جاتا ہے۔پھر اعتدال نہیں رہتا، صبر نہیں رہتا، یہ خوف و حزن کی maximum limit ہے، اس لئے

پروردگار نے تھوڑی سی چھوٹ دی ہے۔ اگر جان اضطراب میں پڑ جائے تو تھوڑا بہت ضرورت کے مطابق اگر تم حرام کھالو تو کوئی گناہ نہیں۔ یہ اتنا tense survival ہے کہ یہ خدا کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے۔ خدا کو بھی معلوم ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس پر میں نے اپنی مخلوق کو جمع کیا ہے۔

"وَاُحضِرَتُ الاَ نفُسُ الشُّح "

یہ اعتدال کا بدترین دشمن ہے اور اسکی حفاظت آپ ایسے تو نہیں کر سکتے۔ کسی انسان کو اپنے survival کے لئے ایک دن کی روٹی چاہیے، کسی انسان کو بہ ظرفِ اعتدال جو بھی دیتا ہے ایک ہفتے کا رزق دیتا ہے، کسی انسان کو ایک مہینے کا، کسی کو ایک سال کا...... مگر یہ تو اعتدال نہیں ہو سکتا کہ آپ ایک سو سال کے رزق کی فکر کرنا شروع کر دیں۔ یہ بخل جان سے آگے بڑھ کر خالص بخل ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: لوگ مصیبت میں نذر دیتے ہیں...... کہ اگر میں اس مصیبت سے نکلی یا نکلا تو میں پروردگار تجھے یہ نذر پیش کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نذر سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نذر تو تقدیر میں حائل نہیں ہوتی۔ یہ تو کسی کا مقدر نہیں بدلتی۔ ہوتا تو وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ ہاں! اگرچہ نذر کے ذریعے کسی بخیل کا مال ضرور نکل جاتا ہے کہ اور کسی صورت میں وہ مال خرچنے پہ آمادہ نہیں ہوتا مگر جب جان خطرے میں پڑ جائے، اعصاب ٹوٹنے لگیں، ہائے وائے شروع ہو جائے تو پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ نذر جو ہے خطرے میں مقدر کو نہیں بدلتی، ہاں مگر اس کے ذریعے کسی بخیل کا مال نکل جاتا ہے۔

بہترین پیٹرن میں عاداتِ رسول ﷺ کو اپنایئے۔ ایک ایسا اندازِ فکر جس میں تلخی نہ ہو، جس میں شدت وغضب نہ ہو، حسد و بغض نہ ہو۔ فرمایا: "حسد و بغض سے پرہیز کرو، یہ گناہ ہیں، کسی اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنا بھی گناہ ہے"۔ یہ حرام ہے، اس سے پرہیز کرو۔ اس لئے کہ شقاوتِ قلبی میں تمہارا دل کسی ایک کیفیت میں شقی ہو جاتا ہے اور پھر اس دل میں حلاوتِ علم ختم ہو جاتی ہے اور جب کوئی instinct کسی کو possess کرتی ہے تو پھر اسکا اعتدال کا علم کھو جاتا ہے۔ کرشنا نے گیتا میں اپنے پچیسویں اشلوک میں کہا کہ جب کوئی خواہش بڑھ جاتی ہے تو وہ علم کو اس طرح کھا جاتی ہے اور دور اٹھا کر پھینک دیتی ہے جیسے ایک معمولی سی کشتی کو سمندر میں آیا طوفان دور دراز لے جاتا ہے۔ جب انسان کے باطن میں کوئی خواہش کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف پیدا ہو جائے تو وہ قلب میں ایک مکمل جگہ بنا لیتی ہے اور اس معاملے میں مردوں سے زیادہ خواتین شکار ہوتی ہیں کیونکہ انکا locale محدود ہوتا ہے۔

وہ اپنی نفرتیں بھی مکمل کرتی ہیں۔اپنی محبتیں بھی مکمل کرتی ہیں۔اپنی possessions بھی پورا کرتی ہیں تو A woman is generally more possessive than man اسی لیے خواتین کبھی کبھی اعتدال سے زیادہ ہٹ جاتی ہیں مگر حضراتِ محترم! موجودہ زمانے میں ایک عجیب سی بات میں نے یہ دیکھی کہ قریباً مردانہ اور زنانہ عادات ایک جیسی ہوگئی ہیں۔

حضراتِ محترم! حضور ﷺ نے فرمایا کہ اعتدال صدقہ میں ہے۔حسنِ اخلاق نیکی ہے۔صدقہ ہے اور حسنِ اخلاق رب کریم کے نزدیک اعلیٰ ترین پسندیدہ ترین شے ہے۔مگر یہ صدقہ ہے کیا؟ رسولِ گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ ہر تسبیح صدقہ ہے ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر تہذیب صدقہ ہے۔ایک لفظ اچھا بول دینا صدقہ ہے، کسی کو رستہ دکھا دینا صدقہ ہے۔کسی اچھے خیال کا سوچ لینا صدقہ ہے اور جب سورج طلوع ہوتو دو آدمیوں میں ملاپ کروا دینا صدقہ ہے۔ یہ جو لفظِ صدقہ ہے یہ اعتدال کا بہت بڑا ہتھیار ہے۔یہ balances کا ہتھیار ہے اور اسکی بنیاد بہترین اخلاق ہے اور جھوٹ تین مقامات پر جائز ہے۔ویسے جھوٹ بولنا برا اور سچ بولنا اچھا جیسے صحبت اچھے کی اور برے کی..... فرمایا: ''خوشبو والوں کے ساتھ رہو گے تو جب ان کے پاس سے ہٹو گے تو تمہارے جسم سے بھی خوشبو آئے گی اور اگر بُو یا لوہا جو نکنے والے لوہار سے دوستی کرو گے اور وہاں کوئلہ اُڑے گا اور کالک اڑے گی تو جب وہاں سے نکلو گے تو یہی چیزیں ساتھ لے کر نکلو گے۔ تو صحبت یہ ہے اور اخلاق وہ ہے..... حضور گرامی مرتبت نے صدقے کی اتنی باعزت تعریف کی، کہ ذہن میں آئے ہوئے ایک اچھے تصور کو بھی صدقہ کہا۔کسی کی اچھی بات کو بھی صدقہ کہا، تسبیح کو صدقہ کہا، تہلیل کو صدقہ کہا۔ایک دفعہ لاالٰہ الّاالله کہنے کو صدقہ کہا اور یہ اتنی wider range ہے کہ آخر کون انسان ایسا ہوگا جو ایک معمولی سی نیکی پر بھی قادر نہ ہو۔

کسی نہ کسی طریقے سے، کسی نہ کسی انداز سے پروردگار نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے آپ کو معمولی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھنے کا حکم دیا ہے جو شاید آپکے نزدیک اتنی معمولی ہو کہ آپ سوچیں کہ اسکا ثواب کیا ملے گا؟ اگر آپ نے نیکی کرنی ہے تو اس ثواب کا نہ سوچیے..... اُس ثواب کا سوچیے، جو آپ کو قیامت کے بعد ملے گا۔اُس اجر اور صلے کا سوچیے جو پروردگار آپکو زندگی میں بھی دے گا کہ:

''اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُم بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً''

(دن، رات، چھپا کر، دکھا کر کسی بھی طریقے سے اگر تم اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچو گے۔)

"فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ"

اللہ کی طرف سے آپ کو ایک انعام ملے گا۔ خواتینؒ و حضرات اُس انعام کا سوچیے، وہ کتنا بڑا انعام ہے۔ وہ psychological ہے، وہ physical ہے، وہ mental ہے، وہ ایک ایسا انعام ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے انسان کو کوئی فکر و غم نہیں رہتا۔

"وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ "(البقرۃ 274:2)

(پھر اللہ کبھی خوف و حزن کو تمہارے قریب آنے نہیں دے گا۔)

حضراتِ گرامی مرتبت! اعتدال ایک approach ہے۔ اعتدال آپکے ذہن کا ایک رخ ہے۔ اعتدال "الحمد" ہے۔ اعتدال اچھی چیز کا مانگنا ہے۔ اعتدال بُری چیز سے پرہیز مانگنا ہے۔ اعتدال خدا سے توفیق و مدد طلب کرنا ہے۔ بڑے سے بڑا صوفی درجہء کمال تک پہنچ کر یہ بات نہیں کہتا کہ میں نے از خود کچھ acquire کیا ہے۔ سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں جب شیخ بقا ابنِ بقی سے پوچھا گیا کہ شیخ کی approach کیا تھی؟ شیخ کس مسلک کے قائل تھے؟ کس انداز تصوف کے قائل تھے؟ فرمایا:

"لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

(نہیں کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ کی۔)

وہ ہر بات میں اپنا اختیار ترک کرتے تھے۔ وہ ہر بات میں رَجوع اِلی اللہ کرتے تھے۔ وہ ہر بات میں کہتے تھے کہ نہ میرا کوئی خیال، ارادہ، نہ میری کوئی قوت...... جو کچھ ہے وہ میرے پروردگار کا ہے۔ جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے۔ "کشف المحجوب" اٹھا کر دیکھ لیں۔ ایک اور قطب الاقطاب، ایک اور عالمِ تصوف، ایک اور شناسائے ذاتِ ربّانی سیدنا عثمان بن علی ہجویری، تمام باتیں ختم کرنے کے بعد ایک بات ضرور لکھتے تھے۔

"وَمَا تَوفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ"

کہ اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ ہمیں اس کی کوئی توفیق نہیں کہ اگر تو ہمیں خیر کی قوت عطا نہ کرے، شر سے بچنے کی قدرت عطا نہ کرے تو ہمیں کوئی توفیق نہیں ہے۔

"عَلَيهِ تَوَكَّلتُ وَاِلَيهِ اُنِيب "(ھود 88:11)

(تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری طرف ہی رجوع کرنا ہے۔)

اللہ نے حضرت سلیمانؑ کی بڑی تعریف کی۔ اپنے بندے کو بڑا سراہا اور اُس کو ایسی حکومت دی جو

پہلے کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر ایک معمولی سے، ایک مختصر سے جملے میں فرمایا:

نِعمَ العَبدُ ط اِنَّهٗ اَوَّابٌ (صٓ 30:38)

(بڑا اچھا بندہ تھا، توبہ کرنے والا حلیم)

بہترین صفت اللہ کے نزدیک توبہ کرنا اور حلیمی ہے۔ یہ اعتدال کے symbol ہیں۔ یہ اعتدال کی approach ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم گناہ نہ کرو گے تو پروردگار تمہیں اس صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگ لائے گا جو گناہ کریں گے اور توبہ کریں گے اور وہ ان کو قبول کرنے میں زیادہ خوش ہو گا''۔

خواتین و حضرات! ہم خدا پر شک کیوں کرتے؟ دیکھئے کتنی عجیب سی بات ہے!!! ایک آدمی جو شروع سے نماز نہیں پڑھ سکا، قضائے عمری شروع کر دے۔ اب اُس دیوانے سے پوچھو کہ کیا تو قضائے عمری دے گا؟ کیا خالی نماز کی قضا دے گا؟ وہ شر، وہ خیال، وہ فتنہ جو تم نے ساری عمر جاری رکھا تھا، وہ نقصان جو تم مخلوق کا کر چکے ہو، وہ غیبت، وہ حسد، وہ کینہ جو تم ساتھ لیکر چلے تھے، اُس کا تُو کیسے تاوان دے گا؟ اُس کی توبہ کیسے ہو گی؟ یہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ پر اعتماد نہیں کیا۔ جنھوں نے پروردگار کی بات پر اعتماد نہیں کیا کہ فرمایا جس نے توبہ کی وہ بطنِ مادر سے نیا جنا۔ اگر وہ اس گناہ کو excuse نہ بنائے، escape نہ بنائے، دلیل نہ بنائے، اپنے لئے حجت نہ بنائے، مذاق نہ کرے، اللہ کے ساتھ تمسخر نہ کرے تو وہ اگر بار بار بھی گناہ کرے اور بار بار توبہ مانگے تو اللہ بار بار اسے قبول کرے گا۔ سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ نے فرمایا: ''پوچھا گیا کہ یا شیخ! کسی ولی سے گناہِ کبیرہ ہو سکتا ہے؟'' فرمایا: ''ستّر مرتبہ بھی ہو سکتا ہے''۔

خواتین و حضرات! اس اللہ سے اصل میں rigidity غیر معتدل ہے۔ وہ تاوان دینے میں ہو یا احساسِ گناہ ہو۔ سب سے بڑے گناہ کا ذمہ دار احساسِ گناہ ہوتا ہے جسے guilt conscience کہتے ہیں انسان کی معتدل صفات کو سب سے زیادہ نقصان اسی guilt conscience سے ہوتا ہے۔ یہ صحت نہیں مرض ہے۔ یہ morbidity ہے، ذہن کی اداسی کا باعث ہے۔ ہمت کے ابتلاء کا باعث ہے۔ آپ کی بزدلی کا باعث ہے۔ neurosis کا باعث ہے۔ psychosis کا باعث ہے۔ آپ جس جگہ بھی چلے جائیں، اگر انسانی بیماریاں دیکھیں گے، ذہنی بیماریوں کی بنیاد دیکھیں گے تو وہ guilt conscience میں ہیں۔ یعنی

امید مغفرت سے بڑھ کر احساسِ گناہ رکھنا توہینِ خداوند ہے۔ یہ توہینِ رسول ﷺ ہے۔ یہ ارشادِ گرامی رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ فرمایا: "اگر تم گناہ نہ کرو گے تو اللہ تمہیں زمین سے مٹا دے گا"۔ مگر by no chance گناہ اضطراب ہے۔ گناہ ایک وقتی حرکت ہے، ایک exception ہے۔ یہ approach نہیں ہے۔ یہ ایک غیر دانستہ طور پر ہے جو کسی بھی انسان سے ہو سکتی ہے۔ اسکا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ آپ شوق سے گناہ کریں بلکہ ہمیشہ ایک نارمل اور معتدل زندگی میں گناہ ایک exception کی طرح آتا ہے، ایک بدصورتی کی طرح آتا ہے۔

"اَللّٰهُ جَمِيلٌ وَّ يُحِبُّ الجَمَال" (حدیث)

(اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے)

گناہ کا سب سے بڑا نقصان یہ نہیں کہ وہ انسان پر اثر ڈالتا ہے۔ گناہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ چونکہ خدا کو خوبصورتی پسند ہے۔ خدا aesthetic ہے۔ یہ مصورِ کامل ہے، اپنی تصویر میں اتنی غلاظت نہیں دیکھ سکتا اس لئے وہ اُس تصویر سے گریزاں ہوتا ہے۔ وہ اس تصویر سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ وہ اسے discard کر دیتا ہے جو اسکے معیارِ حسن پہ پوری نہیں اترتی اسی لئے گناہ وہ بدصورتی ہے جو اللہ سے دور کر دے۔

خواتین و حضرات ! اللہ سے ڈرنے کا مطلب اور کچھ نہیں ہے۔ آپ اپنی زندگیوں کو دیکھیں...... ایک زبردست کا خوف آپ پر کتنا طاری ہوتا ہے...... ایک لوکل تھانیدار کا خوف کتنا طاری ہوتا ہے کہ اگر وہ اشارتاً کہہ دے کہ صبح آپ کو تھانے بلایا جائے گا تو آپ کو رات چین سے نیند نہیں آتی۔ پھر آپ سوچتے ہیں کہ آپ اللہ سے ڈریں گے۔ اگر اسکے خوف کا ایک حقیقی لمحہ آپ پر وارد ہو جائے تو کیا پھر بھی آپ زندہ رہ سکیں گے؟ کبھی آپ کو احساس ہوا کہ ایک معمولی سے انسان کا خوف آپ سے سہا نہیں جاتا تو پروردگارِ عالم کا خوف کیسے سہیں گے؟ تقویٰ اور انسان کا اللہ سے خوف صرف ایک ہے۔ یہ تصور کیا گیا، یہ سمجھا گیا ہے کہ کائناتِ بالا میں اس کیمیا گر نے جس نے تصویرِ انسان بنائی، اس نے یہ پہلے سے فرض کر لیا تھا کہ میرا انسان مجھ سے محبت کرے اور گناہ اس محبت کا نقص ہے۔ اگر آپ کو اپنے گناہ سے یہ اذیت نہ ہو کہ آپ اپنے محبوب خدا سے دور ہو گئے ہیں تو پھر آپ متقی نہیں ہیں بلکہ آپ گناہ کو academically لے رہے ہیں۔ اپنے inner conscious سے لے رہے ہیں، sickness سے لے رہے ہیں، بڑے متقی میں نے دیکھے ہیں ماشا اللہ...... اللہ انہیں اور توفیقِ عمل دے...... مگر اسکے ساتھ ساتھ ان کو فہم اور

فراستِ قانونِ خداوندے کہ وہ اعمال پر اتنی شدّت نہ کریں۔

اب دیکھیں کہ کیا وہ شدّت، قرآن وحدیث سے support کی گئی ہے؟ ایک بدّو اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: ''یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا!''قیامت کے لئے کیا کیا ہے''؟ کہا: ''میرے اعمال اتنے زیادہ نہیں، نہ نماز، نہ روزہ''۔ فرمایا:''تو پھر کس بات پر قیامت کو پوچھتا ہے''؟ کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ ﷺ سے محبت بہت ہے''۔ فرمایا:''پھر لوگ قیامت کے دن ان کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جن سے انہیں محبت ہوگی''۔ خواتین وحضرات ! محبت ہی فلسفہء کائنات ہے۔ مگر یہ وہ محبت نہیں جو جذباتیت......کی نذر ہوگئی ہے، کم فکری وکم عقلی کی نذر ہوگئی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اندازِ زندگی میں منعکس ہوئی تھی۔ وہ محبت کے انداز تھے۔ اعتدال اندازِ محبت ہے۔ آرزوئے خیر اندازِ محبت ہے، شر سے بچنے کی آرزو اندازِ محبت ہے۔

" اَللّٰھُمَّ اَلھِمنی رُشدِی وَاَعِذنِی مِن شَرِّ نَفسِی " (حصن حصین)

(اے پروردگار! الہام کر خیالِ خیر، عطا فرما نیکی ورشد اور مجھے میرے نفس کے شر سے پرہیز دے) اور کیسے شر سے پرہیز دے......؟؟ یہ میں مانگ رہا ہوں مگر میرا رسول ﷺ اس سے بھی اگلی دعا مانگ رہا ہے: یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ بِرَحمَتِکَ اَستَغِیثُ (اے زندہ اور قائم رہنے والے اپنی رحمت سے میری مدد فرما) اَصلِح لِی شَانِی کُلَّهُ (میری ذات کی اصلاح فرما) وَلَا تَکِلنِی اِلٰی نَفسِی طَرفَةَ عَینٍ (اور ایک پلک جھپکنے کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر)۔ (حصن حصین) تو کیا ہم وہ نہ مانگیں جو رسول اللہ ﷺ مانگتے تھے۔ کیا ہم ان چیزوں سے پرہیز نہ مانگیں جن سے رسول اللہ ﷺ پرہیز مانگتے تھے۔

خواتین وحضرات ! خیر اور بھی بہت سے فوائد رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:...... اور یہ بات یاد رکھیئے گا کہ عرب میں کھجور بڑی حقیر ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ہوتے تو شاید ایک دانہء گندم کی حدیث اترتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک کھجور......ایک کام کی بات صدقہ ہے۔ یہ دوزخ سے تمہاری آڑ ہے۔ یعنی خیر سے دیا ہوا ایک دانہء گندم بھی تمہیں دوزخ سے بچائے گا۔

It is very common to be uncommon! خواتین وحضرات بڑی عام سی بات ہے کہ ہر آدمی uncommon ہونا چاہتا ہے۔ غیر معمولی ہونا چاہتا ہے۔ اسکے اندر عُجب ہے، غرور ہے۔

"وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنیَا اِلَّا مَتَا عُ الغُرُور" (آلِ عمران 185:3)

وہ احساسِ کمتری میں الجھا ہوا ہے۔ ایک غریب الدیار انسان جو زمین میں اپنے ہی جیسوں میں نمائندگی طلب کرتا ہے۔ ان میں ہی اپنے سر کو اونچا کرنا چاہتا ہے۔ تکبراتِ ذات میں الجھا ہوا ہے مگر اگر پروردگار ہمیں عقل بخشے، شعور بخشے اور ہم عقل کی اس استعداد کو حاصل کرنا چاہیں تو پھر ہمیں اس اندازِ معرفتِ رسول ﷺ کو اپنانا ہوگا۔ اُس اندازِ رسول ﷺ کو اپنانا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سب سے اعلیٰ و افضل قرار دیا ہے، جس کو ایک مثالی زندگی قرار دیا ہے۔ جس کو تصوف قرار دیا ہے، جو طریقت ہے، جو شریعت ہے۔ مگر اسکے ساتھ ساتھ اعتدال ہی وہ علم ہے جس سے ہماری آنکھ ہماری ذات پر کھلتی ہے۔ جو ایک کمالِ تصوف ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ صلوۃ و السلام سے پوچھا گیا: How to know God? فرمایا Know thyself you will know God حضرت علی کرم اللہُ وجہہ سے یہی سوال پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''وَمَنْ عَرَفَ نَفسَہٗ فَقَد عَرَفَ رَبَّہٗ'' کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اللہ جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے۔ اسکی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے''۔ لیکن میری آنکھ میرے اوپر کیسے کھلے گی؟ مجھے کیسے محسوس ہوگا؟ I am not a psychologist. I am not a parapsychologist. میں نفسیات دان تو نہیں ہوں۔ مجھے اپنا آپ کسی psychiatry کے لئے present کرنا ہوگا۔ مجھے اپنی شناخت کیلئے کسی ماہرِ علومِ نفس کو جانا ہوگا۔ مجھے سمجھنا ہوگا کہ نفس کیا ہے؟ مجھے سمجھنا ہوگا کہ وہ ماہرِ نفس کون ہے؟ جو مجھے یہ بتائے کہ آپ کا یہ problem ہے، اسکو دور کرو گے تو اعتدال میں آؤ گے...... تب کہیں جا کر شناختِ خداوند پاؤ گے۔ It is very difficult مگر پرانے زمانے میں جسے آپ صوفی کہتے تھے، وہ ایک تنہا جنگ لڑتا تھا۔ بدقسمتی سے اسکا ظاہر اسکے باطن پر غالب آجاتا تھا۔ پہاڑ کی کھوہ اس کی سند بن گئی۔ دریا کی گہرائی اس کے لئے سند...... چلّہ اس کی سند...... غرقابیٔ صحرا اسکی سند...... وہ ایسا تو نہیں تھا۔ He was fighting a battle of balances وہ تو اپنے اعتدال کی جنگ کر رہا تھا۔ وہ خلق سے اس لئے نہیں بھاگتا تھا کہ ویرانے میں علم پڑا ہے۔ وہ خلق سے اس لئے بھاگتا تھا کہ زبان سے کسی کی غیبت نہ نکل جائے۔ وہ اپنے آپ کو اس لئے فاقہ نہیں دیتا تھا کہ فاقہ ٹوٹنے کے ساتھ کوئی غیر شرعی طاقت عروج پائے گی، وہ اپنے آپ کو اسکے لئے فاقہ دیتا تھا کہ کہیں روٹی کی طلب و تلاش اسکی محبتِ خداوند پر غالب

نہ آ جائے۔ وہ اپنے آپ کو ایسی عاداتِ اعتدال پر لانا چاہتا تھا اور پھر کچھ لوگ جو تھے، اس میں بہت آگے بڑھ گئے...... آج بھی آپ کسی بزرگ کی داستان سن لیں۔ تو حیرت کی بات ہے کہ اس کے عقل و علم کی بات نہیں ہوگی بلکہ اسکے مجاہدے کی بات ہوگی۔ اسکی ریاضتِ علم و عقل کی بات نہیں ہوگی۔ اسکی سوچوں سے کوئی آگاہ نہیں ہوگا...... یہ تو وہ غریب آدمی ہوتا ہے وہ شریف آدمی...... جو طلبِ علم میں طلبِ خداوند میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ جس کو یہ پتہ ہے کہ میری جبلتیں بے اعتدال ہیں۔

نفس کیا ہے؟ چند جبلتوں کا ایک packet ہے۔ اس میں survival, sex, love, aggression بنیادی جبلتیں ہیں۔ حضراتِ محترم! جبلت کس کو کہتے ہیں؟ جب ہم ابھی وجودِ عقلی میں نہیں آئے تھے۔ جب ہم سوچنے والے آدم نہیں ہوئے تھے۔ تو اس سے پہلے millions of years He has to live within the framework of an animal work اس وقت ہم نے جو عادات، ان جانوروں میں رہتے ہوئے survival اور sex کے بارے میں اختیار کیں، وہ ہماری بھی مستقل عادات بن گئیں۔ ہمارے اندر بھی وہ جبلتیں آ گئیں جو ہر انسان اور حیوان میں یکساں طور پر موجود ہیں We share it with animals جبلت کو ہم animal کے ساتھ share کرتے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو genetics میں آئیں۔ ہمارے آباؤ اجدادِ انسان سے آئیں۔ وہ انسان جو کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ وہ انسان جو زمانے میں کبھی sub-phylum cordata میں تھا، کبھی وہ mammals class میں تھا۔ family apes میں تھا، Homo-sapiens میں تھا، وہ ابھی آدم نہیں بنا تھا۔ اس میں ابھی عقل و شعور کی transformance نہیں ہوئی تھی۔ جو replica جنت میں تھا اور جو replica زمین پر تھا۔ ایک physical replica تھا، ایک spiritual replica تھا۔ ابھی یہ اتحادِ مابین ہوا نہیں تھا۔ اس وقت جو انسان نیچے پل رہا تھا، جس پر ملائکہ نے opinion دی تھی۔

" قَالُو اَتَجعَلُ فِیهَا مَن یُّفسِدُ فِیهَا وَیَسفِکُ الدِّمَآءَ " (البقرة 30:2)

کہ یہ زمین پر فتنہ و فساد قتل و غارت کرنے والا انسان تھا۔ وہ اس وقت اس قابل نہیں تھا کہ اسے خلافتِ ارضی موصول ہوتی۔ اُس وقت جو کچھ ہم نے gain کیا، جو عاداتِ مستقل ہم نے اپنائیں، ان کو جبلت کہتے ہیں اور پھر شعور کے بعد یہی جبلتیں اپنی shape اور شکل و صورت تھوڑی تھوڑی تبدیل کرتی گئیں۔ ان جبلتوں میں بھی تہذیب تھی۔ آج کا نفسیات دان جبلت کو

ایک مکمل حیوانی شعور کہتا ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ اگر آج غور سے جانورانہ زندگی کو دیکھیں تو جبلت میں بھی تحصیلِ علم ہے۔ مگر جبلت میں جو تحصیل ہے، وہ تجربہ سے ہے، شعور سے ہے۔ intelligence تو spider میں بھی موجود ہے، اگر spider ایک جالا لگا دے اور آپ اسے توڑ دیں تو دوسرے دن پھر لگائے گا۔ اگر دوسرے دن توڑ دیں تو پھر وہ تیسرے دن بھی لگائے گا مگر چھ سات دن کے بعد وہ یہ بات جبلی طور پر سمجھ جاتا ہے کہ میرے جالے کو یہاں کوئی خطرہ ہے۔ وہ یہاں سے اکھاڑ کر کسی اور جگہ لے جائے گا تو جبلی عادات میں بھی ایک شعوری کیفیت ہوتی ہے مگر وہ تجربہ ءانسان سے پیدا ہوتی ہے۔

حضراتِ محترم! جب انسان ان جبلی عادات کے packets میں الجھے...... survival, love, sex اور aggression کے packets میں الجھ کر وہ بعض اوقات اتنا آگے بڑھ گیا کہ چنگیز و ہلاکو کی شکل اختیار کر گیا۔ Caesar کی شکل اختیار کر گیا۔ اس نے Carthaginian Hannibal کی شکل اختیار کی...... وہ صحرائے گوبی سے اٹھے ہوئے امیر تیمور برلاس کی شکل اختیار کر گیا تو زمین پر قتل و غارت اپنی جبلتوں سے آگے بڑھیں۔ اس کے بیچ میں ایک mystic ہے جس کا مطلب واضح ہے، جس کی ترجیحات بڑی واضح ہیں، جو طلبِ خداوند میں ان ترجیحات کو، اپنے اوپر لازم قرار دیتا ہے۔ وہ یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ علم کہاں ہے؟ mystic وہ شخص ہے کہ جو یہ نقطہ پا جاتا ہے کہ علم اعتدال میں ہے اور میں معتدل نہیں ہوں۔ ہر صوفی کو اس نقطے کا علم ہوتا ہے کہ مکمل علم، مکمل اعتدال رسول ﷺ ہیں اور میں اعتدال پانا چاہتا ہوں مگر سب سے بڑی رکاوٹ جو اس اعتدال میں حائل ہے، وہ میرا اپنا نفسی اشکال، میرے اپنے جبلی packets ہیں جو ہر حال میں مجھے possessions غصے، depressions نفرت، حسد، بغض اور کینہ کو مائل کرتے ہیں۔ اور یہ میرے رستے ہیں تو پھر وہاں سے ایک مسلمان کی ایک مومن کی، ایک عام انسان کی، ایک ولی کی struggle, اعتدال کو حاصل کرنے کی struggle شروع ہو جاتی ہے۔ The entire struggle of a mystic is for balance, for overgrowth وہ اپنی جبلتوں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے اور ایک مستقل اعتدال کی کیفیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ کیفیت اعتدال ریاضت سے نہیں...... ذہن سے، سوچنے سے، شعور سے ملتی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان کو باقی مخلوقاتِ آدم پر نمایاں کیا گیا ہے۔ غلطی ہم کر چکے ہیں...... جب مخلوقِ آدم کو، جب انسان کو، جب

شریعت کو اللہ نے متشکل کیا اور دوسری مخلوقات کو بھی اپنے سامنے جمع کیا اور امانتِ عقل و شعور عطا کرنی چاہی تو انسان میں چونکہ لالچ بڑا ہے...... آپ خود سوچیے کہ انسان میں کتنی ہوس ہے......! خود دیکھ رہا تھا، اچھی طرح جانتا تھا کہ تمام مخلوقاتِ ارضی و سماوی نے اس نعمت کو اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ ملائکہ ڈر کے پیچھے ہٹ گئے۔ جنّات ہٹ گئے...... جنود و سماواتِ والارض گئے...... زمین گئی، آسمان گئے...... مگر لالچ انسان بنیادی طور پر طمع اور عجلت کا تھا۔ اور پھر بغیر دیکھے...... بغیر سوچے سمجھے حضرتِ انسان آگے بڑھے...... بھئی یہ کوئی اتنی سستی چیز نہیں ہے۔ باقی ہر چیز اس امانت سے خوف زدہ ہے مگر یہ تیزی سے آگے بڑھ چکا تھا۔ اتنی تیزی دکھائی کہ اللہ کو کہنا پڑا

"اِنَّهٗ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا" (الاحزاب 72:33)

کہ اس جاہلِ مطلق نے سوچا بھی نہیں۔ اس ظالم نے دیکھا ہی نہیں کہ میں اپنے اوپر کتنا ظلم کر رہا ہوں۔ میں کتنی بڑی responsibility لے رہا ہوں۔

اصل میں اس کی نظر responsibility پر تھی ہی نہیں۔ اس کی نظر تو اشرف المخلوقات پر تھی۔

"اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَہً" (البقرۃ 30:2)

شروع سے ہی ہم حریص اقتدار ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ شروع سے ہی ہم وجاہت طلب ہیں، سوائے محمد رسول ﷺ کے...... سوائے اس معتدل ترین انسان کے جو کسی حالت میں بھی تفاخر پسند نہیں کرتے۔ یہ حیرت انگیز معجزۂ تاریخِ فنِ حیات ہے کہ پوری کی پوری حدیث پڑھ لیں۔ ایک لفظ حضور ﷺ کی زبان سے اپنی تعریف میں نہیں نکلا۔ This is a miracle of human record. کس قدر حیرت انگیز ہے کہ وہ جو صاحبِ رحمت ہے، وہ ہستی مبارکہ جو رحمت اللعالمین ہے، وہ یہ کہہ رہی ہے کہ میں بھی اللہ کی رحمت کے ساتھ ہی جنت میں داخل ہونگا۔ important self کی un-important کو کرنے کا یہ کمال ہے۔ یہ حیثیتِ کمال ہے کہ رحمت اللعالمینؐ ہونے کے باوجود فرما رہے ہیں کہ میں بھی خدا کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتا۔ فرمایا! مجھے میرے بھائی یونس بن متیؑ پر فضیلت نہ دو، ہوسکتا ہے میں اس کی جگہ ہوتا تو اس سے بڑی غلطی کرتا۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ افضل ترین نبی ہے...... قرآن کہہ رہا ہے کہ اسی کے لئے قرآن ہے...... قرآن کہہ رہا کہ انہی کی بقیہ ماندہ صفات پر باقی پیغمبر کھڑے رہے...... قرآن کہہ رہا ہے کہ انہی کی صفاتِ پیغمبر ہی باقی پیغمبروں میں بانٹی گئیں مگر ایک ایک...... زیادہ نہیں۔ اسی لئے وہ غیر معتدل پیغمبر تھے۔ اسی لئے عیسیٰ کو follow کرنا بہت مشکل ہے۔

کہاں سے وہ معجزے آپ دکھائیں گے......؟؟؟ کیسے وہ سارے کمالات دکھائیں گے جو حضرتِ عیسیٰ میں تھے۔ کس حیثیت میں اِن کو follow کریں گے؟؟؟ کیسے ان مشکل نیّات کو follow کریں گے کہ جس نے ہمسائے کی بیوی کو بری نظر سے دیکھا اس نے زنا کیا۔ جس نے ایک وقت سے زیادہ کھانا رکھا......فرمایا: ''یوحنّا! تم نے توکّل میں ہمیں پرندوں سے بھی گرادیا''۔ یہ difficult ہے۔ یہ one side ہے، اعتدال نہیں ہے۔ تمام پیغمبروں کو جو ایک ایک صفتِ عالیہ محمد ﷺ دی گئی...... محمد ﷺ سے آگے قرآن میں آکر اسے مکمل کیا گیا اور مسلمان کے لئے mystics کے لیے اور تمام تر جدوجہد کرنے والوں کے لیے نظریہء اعتدال پورا ہو۔ ہم سب اپنے آپ کو مکمل سمجھتے ہیں۔ آپ میں سے کوئی ہے جو اپنے آپ کو psychologically misfit سمجھے...... ہے کوئی......کوئی بھی نہیں سمجھتا۔ کوئی بھی ایسا نہیں سمجھتا۔ اگر آپ کسی کو psychologically misfit کہہ دیں تو گلے پڑ جائے گا کہ I am not اسکی وجہ کیا ہے؟ psychologically misfit ہونے کی علامت یہ ہے کہ عمومی حرکات سے کوئی غیر معمولی حرکت کر بیٹھنا۔ ایک sudden jump with the roof یا بغیر کسی وجہ کے ایک دم کسی سے لڑ پڑنا تو people say something wrong is happened with him . It is unusual. It is something psychological.

خواتین وحضرات! ہمارے نزدیک تو یہ normalcy نہیں ہے۔ ہمیں تو اس normality سے غرض ہے کہ جو hundred percent psychological ہو۔ normal لوگوں کو جو بیماریاں لگی ہوئی ہیں......مگر خدا کے نزدیک صرف ایک چیز normal ہے۔

'' لَا خَوفٌ عَلَیهِم وَلَا هُم یَحزَنُونَ ''

اس کے نزدیک صرف وہ لوگ normal ہیں جو خوف وحزن سے آزاد ہیں۔ اب اس معیار پر پرکھ لیجئے، ہے کوئی normal ...... ہے کوئی شخص...... جو یہ کہے کہ مجھے fears نہیں ہیں، frustrations نہیں ہیں۔

خواتین وحضرات! جس نظریہء اعتدال کی میں مذہب وتصوف میں بات کر رہا ہوں وہ اس اعتدال کو حاصل کرنا ہے جس میں fears اور frustrations نہ ہوں۔ مگر کیسے نہیں ہوں گے؟ یہ تبھی ممکن ہے کہ دل اطمینان میں ہو۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ ذہن میں کوئی burning نہ

ہو۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ اسکا مرکز امن وسکون والا ہو اور اسکے بارے میں بڑی وضاحت سے پروردگار نے دعویٰ کیا کہ:

"اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبَ"

کہ جو چاہو کرلو، زمین کی سن لو یا آسمان کی سن لو، جو چاہو کوشش کرلو، تمہیں دل کا اطمینان میری یاد کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ temporary phase میں تھوڑا تھوڑا کر کے کسی نے سوچا کہ دو لاکھ میں امن ہے...... کسی نے گاڑی میں امن ڈھونڈا...... کسی نے شادی میں ڈھونڈا، کسی نے بچوں میں ڈھونڈا For a small phase of time a cursory peace will be visible to you. امن ہمیشہ ایک گزرتے ہوئے مسافر کی طرح آپ کے دروازے پر دستک دے گا۔ آپ اسے مہمان نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ امن دل میں اسی وقت مہمان ہوتا ہے، جب آپ اللہ کی یاد کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد ہی اس computer کی وہ disc introduce کرتی ہے...... اس کمپیوٹر میں دنیا کا وائرس لگا ہوا ہے، ہمارے اندر جو وائرس لگا ہوا ہے وہ وائرس کس کس چیز میں نہیں ہے: "زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ" ہم نے انسان کو اِن شہوات سے محبت دی: عورتیں، بچے، مرد، سونا چاندی، گھوڑے گاڑیاں، کھیتی باڑی، سازوسامان...... کیا کوئی چیز پیچھے رہ گئی؟ یہ وائرس لگا ہوا ہے...... وائرس ایسا لگا ہوا ہے کہ جو کسی طریقے سے نہیں جا سکتا۔ counter data مہیا نہیں ہو سکتا۔ آپ جب اس میں یہ ایک سوال ڈالتے ہیں: How to find God? Computer answers you: back not accessible تو اس کی access نہیں ہو سکتی۔ اس سوال کا جواب آپ کو اس ذہن سے نہیں مل سکتا۔ جس میں دنیاوی خواہشات کے virus لگے ہوئے ہوں۔ So you asked him for God's sake give me a clue وہ کہے گا۔ Balance...Balance, How? Just with the remembrance of God. اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبَ And do you think? Do I think? Because everybody think, God is lier. ہمیں اپنے اعتبار کو پرکھنا ہے۔ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ خدا غلط کہہ رہا ہے؟؟؟ رب کعبہ کی قسم ہے کہ practically ہم سمجھتے ہیں کہ خدا غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ بات سچ ہے اور خدا ٹھیک کہہ رہا ہے تو پھر ہم خدا کی یاد سے کیوں نہیں اطمینان کو ڈھونڈتے؟؟؟ اس کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں۔ God is

wrong or we don't believe in God. We believe in other things. We believe in money. We believe in women. We believe in children. اتنی سادہ سی بات پر ہم خدا پر اعتبار نہیں کرتے۔ کیا اس سے بڑا کوئی imbalance ہوسکتا ہے کسی مخلوق کے لئے؟

ایک آخری بات...... باوجود انتہائی balanced ہونے کے، اس تصویر میں جو مصور نے بنائی وہی رنگ ہیں۔ ایک لازوال concern ہے۔ باوجود ان ساری باتوں کے جن کے analysis میں ہم جاتے ہیں، اس تصویر میں محبت اور رحمت کا اپنا عجیب رنگ ہے کہ پندرہ سو برس بعد بھی میں اور آپ اس محبت کے رنگ کو محسوس کر سکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ اصحاب میں بیٹھے ہیں تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اصحاب اس طرح ڈرے، خوف سے اور محبت سے، جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ حرکت کی مجال نہ رہی۔ سسک کے رہ گئے کہ آج اس تصویرِ محبت میں آنسو کیوں آ گئے تو پوچھا! ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا کوئی گستاخی ہوئی ہے، ہم سے کوئی گناہ ہوا ہے''۔ ہم سے کوئی تقصیر ہوئی ہے، غلطی ہوئی ہے، ہم نے کوئی آپ ﷺ کو دکھ پہنچایا ہے۔ فرمایا: ''نہیں بلکہ ان لوگوں کے تصور سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں جو میرے بہت بعد آئیں گے، جنہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا، جنہوں نے مجھے سنا نہ ہوگا، وہ پھر بھی مجھ پر ایمان لائیں گے۔ مجھ سے محبت رکھیں گے اور مجھ سے اپنے تعلق کو استوار کریں گے''۔ پوچھا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا ان کی عادات ہماری طرح ہونگی''؟ فرمایا: ''نہیں، کچھ عادات ان کی اپنی ہونگی اور کچھ تمہاری طرح ہوں گی''۔

خواتین و حضرات! اس پیغمبر کے آنسوؤں کی لاج تو ہم نے رکھنی ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ میں اپنے آپ کو ان آنسوؤں کا حقدار سمجھتا ہوں۔ میں آپ کو ان آنسوؤں کا حقدار سمجھتا ہوں، کیا ہم اس کے return میں ایک محبت اور خلوص کا آنسو واپس نہیں کر سکتے؟ کیا ہمارے دل میں اس کی identification کی کوئی آرزو پیدا نہیں ہوتی؟ اعتدال ہی تو محبت ہے۔ کیا ہم اپنے دل کا اطمینان نہیں چاہتے؟ ہم جو حب رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ زلف و رخسارِ رسول ﷺ سے آگے نہیں جاتے۔ خدا آپ کو اور مجھے اسوۂ رسول ﷺ پر چلنے کی توفیق دے۔ نیات رسول ﷺ کو سمجھنے کی توفیق دے۔

سوال: ایک بچے نے سوال کیا ہے کہ خدا سے پہلے کیا چیز تھی؟
جواب: میں اپنے عزیز کو جس نے اتنا خوبصورت سوال کیا ہے، اس کو صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ ''پہلے'' کو خدا کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ نے اپنے بارے میں یہ بات کہی ہے کہ

" هُوَ الاَوَّلَ وَالآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيم "(الحديد 3:57)

(میں ہی پہلا ہوں، میں ہی آخری ہوں میں ہی ظاہر ہوں میں ہی باطن ہوں اور میں نے ہی ہر چیز کو احاطہء علم میں سمیٹا ہوا ہے۔)

اس لئے فرض کیجئے کوئی شخص یہ سوال کرے کہ کیا خدا اپنے سے بڑا پتھر بنا سکتا ہے؟ تو جواب ہوگا: ''ہاں مگر پھر خدا، خدا نہیں رہے گا بلکہ وہ پتھر خدا ہوگا''۔ سب سے پہلا ہی خدا ہے اور سب سے آخر ہی خدا ہے۔

اس کی حیثیت ایک متغیر شے کی ہوگی کیونکہ جو چیز متغیر ہے وہ فانی ہے۔ ہر وہ چیز جو ختم ہونے والی ہے وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتی۔ زوال پذیر کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے اس عزیز کو ایک بات کہنی ہے کہ جب ابراہیمؑ خدا ڈھونڈ رہے تھے تو سب سے پہلے انہوں نے ایک اصول وضع کیا کہ کون سا خدا ہو سکتا ہے۔ خدا اپنے سائز سے حجم سے، کثرت سے، قلت سے نہیں پہچانا جاتا۔ خدا اپنے وجود سے کبھی بھی پہچانا نہیں جائے گا۔ اس لئے کہ اگر چھ ارب انسان بھی اپنا ذہنی data خدا کے بارے میں جمع کریں تو ہم پھر بھی کسی نہ کسی صفت تک ہی پہنچیں گے، وجود تک نہیں پہنچیں گے۔ ہمارے لئے سب سے آسان بات یہ ہے کہ God is known by the function he does. خدا ان باتوں سے پہچانا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کہلاتا ہے۔ اب یہ بات اس معصوم بچے کے لئے تو نہیں ہے مگر یہ بڑوں کے لئے بات ہے کہ فلسفہ نے سب سے بڑی غلطی اور حماقت اس وقت کی کہ تمام فلسفہ تجرید کو حرکت کرتا رہا abstraction کو حرکت کرتا رہا۔ وہ خدا کے وجود کے بارے میں سوچتے رہے۔ وہ خواہ برگساں تھا یا کانٹ تھا یا ہیگل تھا یا نیٹشے تھا جنہوں نے یہ کوشش کی کہ خدا کو اس کے وجود کی حیثیت سے پہچانیں مگر اگر آپ نے فلسفہ کا غور سے مطالعہ کیا ہو تو پتہ یہ لگتا ہے کہ وہ وجود کی materialism کی بجائے abstraction تک پہنچ گئے۔ کسی نے کہا: Rightness is God. Justice is God. Beauty is God. یہ تمام کے تمام سوچنے والے بالآخر صفات خداوند تک پہنچے، خدا

تک نہیں پہنچے۔ مگر خدا کو جاننے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اگر اِس وقت اس ہوٹل کے اوپر ایک اڑن طشتری نما کوئی چیز آ کر کھڑی ہو جائے اور وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں تو آپ تمام قریباً قریباً اس کا انکار کر دیں گے، پھر اس کو ثبوت دینا پڑے گا اپنے خدا ہونے کا اور وہ ثبوت یہ ہوگا کہ جو صفات اللہ کے ساتھ وابستہ ہیں وہ انہیں زندہ اور حقیقت میں بدلے گا۔ وہ آواز دے گا کہ میں جب چاہوں آپ کی زندگی لے سکتا ہوں، میں جب چاہوں آپ کو موت دے سکتا ہوں میں جب چاہوں آپ کے لیے محل کھڑا کر سکتا ہوں، میں جب چاہوں آپ کی عمارات منہدم کر سکتا ہوں میں جب چاہوں آپ کو عدم سے وجود تک لا سکتا ہوں۔ میں جب چاہوں آپ کو وجود سے عدم تک بھیج سکتا ہوں۔ اگر وہ اپنی ان صفات پہ پورا اترے تو آپ یقین جانیے کہ بحیثیت انسان کے آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی argument نہیں رہے گی، چاہے وہ ایک نقطہءِ باریک کی طرح فضائے بسیط میں چمک کیوں نہ رہا ہو۔ تو God is aways known by the function he does . He is never known by his person.

دوسری بات کہ جب کبھی لوگ اللہ سے دلیل طلب کریں، جب بھی لوگ یہ چاہیں گے کہ خدا کی پہچان مکمل ہو تو پہچان وجود سے نہیں بلکہ موجودگی سے ہوگی اور موجودگی کے لئے وجود پر نظر کرنا لازم نہیں۔ اگر ایک ذات ایسی ہو کہ جو اپنی موجودگی کا ایک مکمل ثبوت آپ کو مہیّا کرے تو پھر آپ کو اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ آپ اس کے وجود پر غور کریں اور میرے نزدیک اس وقت خدا کی موجودگی کا ثبوت موجود ہے۔ اتفاق سے کبھی ہم نے اس ثبوت کو بحیثیتِ ثبوت نہیں پرکھا اور وہ ثبوت ہے کہ ہمارے پاس ایک Complete data of God موجود ہے۔ ایک ایسا data جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرا ہر لفظ، میری ہر بات خدا کی بات ہے۔ اگر آپ اس data کے اوپر ایک preposition لگا دیں اور وہ بڑی سادہ سی preposition ہوگی کہ خدا غلط نہیں ہو سکتا۔ میں انسان ہوں میں غلط ہو سکتا ہوں۔ قابل ترین انسان غلطی کر سکتا ہے مگر خدا غلطی نہیں کر سکتا۔ God is infallible وہ کبھی غلطی نہیں کرتا۔ اب غلطی کے امکانات کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک آدھ غلطی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ بڑے سے بڑا انسان بھی جب اپنا کوئی دعویٰ تکمیل کیلئے پیش کرتا ہے تو اس میں دو چار جب غلطیاں نکل آتی ہوں تو ہم یہ کہتے ہیں It's all right, it is acceptable! اگر سو میں سے پانچ، دس، پچاس بھی غلطیاں نکل آئیں تو as a human being ہم یہ claimant advantage کو دیتے ہیں

کہ He was all right but he did certain mistakes. مگر خدا کی hundred میں سے ایک بھی غلطی نکل آئے تو وہ خدا نہیں رہتا۔

اب آپ دیکھئے کہ جس قرآن کو آپ جزدانوں میں سجا کر رکھتے ہیں۔ جس قرآن کو آپ ایک بُت کی طرح چومتے چاٹتے ہیں اور اس پر کبھی غور وفکر نہیں کرتے ہیں، یہ اس دنیا و مافیہا کی سب سے حیرت انگیز کتاب ہے، سب سے حیرت انگیز کتاب اسطرح سے ہے کہ وہ ہستی ءمبارکہ جس کے بارے میں مجھے اور آپ کو شبہ ہے، جس کے وجود کا کوئی آثار اور symbol ہمارے پاس نہیں ہے۔ جس کے بارے میں لارڈ رسل جیسے فلاسفر یہ کہتے ہیں کہ There is no sense data about God on this earth, so God is non-sense مگر اس نے کتنی بڑی حماقت کی بات کی ہے۔ There is a data of Quran which you can judge. There is the data of God. Quran is the data of God. اور ڈیٹا بھی کوئی ایسا ویسا نہیں جو آپ سے sympathy کی توقع رکھتا ہو، data ایسا نہیں جو آپ سے کہے کہ ازراہِ کرم مجھ پر اعتبار کرو، ایسا ڈیٹا نہیں ہے۔ وہ ڈیٹا aggressive ہے۔ ڈیٹا زبردست ہے۔ تحکم والا ہے، فیصلہ کن ہے اور data شروع ہوتے ہی ایک اعلان کرتا ہے کہ اے صاحبِ تشکیک! اے شبہ کرنے والے! اے اپنے آپ کو بڑا عقلمند سمجھنے والے! اے دانشورِ عصر! اگر تجھے اس کتاب میں کوئی شبہ ہے۔ تو پھر نکالو۔ الـم ہ ذٰلِکَ الکِتَـابُ لَا رَیبَ فِیہِ ۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ belief کی statement نہیں ہے۔ یہ اعتبار کرنے کی request نہیں ہے۔ یہ آپ سے درخواست نہیں ہے کہ اسکو بلا شک وشبہ مان لو۔ یہ challenge ہے کہ To the entire human intellectual capacity, it is a big challenge کہ اے ذہین انسان! اے دانشور! اے عقلمند! اگر تجھے دعویٰ ءعقل وشعور ہے، اگر تجھے دعویٰ ءتشکیک ہے، اے جنونِ فکر کے صحراء کے مسافر! اگر ہمت ہے تو یہ کتاب ہے، یہ میرا ڈیٹا ہے، اس میں شک کر کے دیکھ، اس میں سے کوئی شک نکال کے دیکھ، Again the ball is in your court gentleman یہ گیند پھر آپکی کورٹ میں ہے۔

اب دو مثالوں سے قرآنِ حکیم میں چاہے تو اسے اندھا دھند پڑھیں۔ چاہے تو اسے ایک belief سے پڑھیں اور چاہے تو اس کو انتہائی غور و فکر سے پڑھیں۔ چاہے تو اسے جدید ترین

معلومات کی نگاہ سے پڑھیں اور چاہے تو اسے بارہویں اور پندرہویں صدی کی تفصیلات سے پڑھیں۔ The challenge is up to you not to God. God has thrown the challenges. اس لئے اگر کوئی شخص اس پر شک کرنا چاہے اور اسکے بارے میں خدا کو questions کرنا چاہے۔ تو There is every answer in the book of God, not about religion, about psychology, about parapsychology, about quantum, about relativity.

ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں...... دنیا نے آج تک پچھلے سو برس میں relativity سے آگے ترقی نہیں کی...... جب سے آئن سٹائن نے nineteenth century کے اواخر تک ایک equation: E=mc2 کے ذریعے اس کائنات کی اور cosmos کی ماہیت بدل دی۔ مسئلہ یہ تھا کہ مادہ تو انرجی میں بدل گیا۔ on the speed of light مادہ اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ مگر سو سال گزرنے کے بعد ایک بات جس پر اصولاً اتفاق ہو چکا تھا، ایک equation جسے مان لیا گیا ہے، specialize theory of relativity and the general theory of relativity accept that somewhere in future the matter would also be converted back to energy.......but it has not yet come true.

اب دو مثالوں سے قرآن حکیم میں اسی relative time کو حضرت عزیرؑ کے واقعہ میں عجیب و غریب رنگ میں دیکھیں اور اسکو زمان و مکاں کے نقطہء نظر سے دیکھئے گا۔ سینہء انسان حیرت سے شق ہے کہ وہاں کیا ہوا......؟ حضرتِ عزیرؑ نے درخواست کی! ''کہ آپ کیسے مردہ کو زندہ کر دیتے ہیں۔'' اللہ نے کہا: ''میں تجھے ابھی دکھا دیتا ہوں۔'' پھر اللہ نے اسے سو سال کیلئے مار دیا، پھر اسے زندہ کیا، جب زندہ کیا تو عزیرؑ کو کہا: ''ذرا نظر اٹھا کر دیکھ، اپنے کھانے کو دیکھ''!! اُسے کسی نے چھوا تک بھی نہ تھا۔ یعنی ایک space میں، ایک چھوٹی سی جگہ میں سو برس کا وقت گزرا اور سو برس کے اس وقت میں زمان و مکاں کی کیفیتیں تین طرح سے گزریں۔ کھانے کو دیکھو، یہ اسی طرح تر و تازہ ہے جیسے تو نے اسے رکھا تھا۔ اس پر ایک لمحہء زمانہ بھی نہیں گزرا۔ اب ذرا گدھے کو دیکھو! اس کی ہڈیاں پڑی ہیں۔ پورا سو سال اس گدھے پر گزر گیا تھا۔ پھر پوچھا: ''عزیر! تم کتنا وقت سویا کیے''۔ فرمایا! ''ایک آدھ دن گزرا ہوگا''۔ ''ایک دن، آدھا دن، ڈیڑھ دن گزرا ہوگا''۔

قطع نظر اس کے کہ جو اللہ نے اپنے رسول کو، اپنے پیغمبرؑ کو ایک مختلف جواب میں ایک عجیب و غریب صورت پیدا کر دی کہ دو یا تین گز کے space, کے area میں زمان و مکاں کو تین طرح سے گزارا۔ کھانے پر ایک لمحہ بھی نہیں گزرا، گدھے پر سو سال گزر گئے اور عزیزؑ پر ایک دن یا آدھا دن گزرا۔ اس پر کوئی aging effect نہیں آیا۔ He was just as the same, تو دنیا و جہاں میں سائنسی ترقی اپنے مقام پر ہے مگر جو ایک ہلکا سا ثبوت پروردگار نے زمانے کے بارے میں دیا ہے کہ زمانہ ایک continuity نہیں ہے یہ instrumental ہے۔ It is not a continuity جیسے برگساں نے سوچا It is a constant stream of conscience elan vital ایسا نہیں ہے، بلکہ زمانہ خدا کا اختیار ہے۔ چاہے تو کسی چیز پر گزرے، چاہے تو کسی چیز پر نہ گزرے۔

خواتین و حضرات! اب ذرا transformation کو دیکھ لیں۔ relativity کی دوسری شق کو گزرتا دیکھیں کہ جب ملکہ بلقیس کا تخت لانا ہے تو ایک instrument of physical power رکھنے والے نے کہا۔

"عِفرِیتٌ مِّنَ الجِنِّ" (النمل 27:39)

(اور وہ جنات میں سے تھا۔)

اے سلیمانِ ذیشان! میں دو چار گھنٹوں میں تخت لا سکتا ہوں، جب تک آپ اس مسند سے برخاست ہوں، میں تخت یہاں لے لاؤں گا مگر آصف بن برخیہ جن کے بارے میں پروردگار نے کہا: "کہ میں نے انہیں علمِ کتاب بخشا علمِ کتاب کا مطلب ہے کہ وہ ضرور ایسے کسی فارمولے سے آگاہ تھے، ایسے کسی عالمانہ فارمولے سے، جو قرآن میں موجود تھا اور رہے گا۔" کہ میں اسے پلک جھپکنے میں آپ کے دربار تک پہنچا سکتا ہوں" اور پھر انہوں نے ایسے کیا۔ تو حضراتِ محترم! the only way possible in the human intellect is کہ پہلے اس تخت کو energy میں بدلا، پھر اسکو energy کی رفتار سے travel کرایا اور یہ جو پلک جھپکنا ہے، یہ بڑا مزیدار استعارہ ہے کہ پلک جھپکتی ہے light کی رفتار کے اٹھارویں ہزار حصے میں...... ایک لاکھ چھیاسی ہزار فی سیکنڈ کی رفتار سے جب light گزر رہی ہو تو پلک اس کے اٹھارویں ہزار حصے میں جھپکتی ہے۔ تو ایک پلک کے جھپکنے سے پہلے پہنچا دینے کا مطلب بڑا واضح ہے کہ روشنی کی رفتار سے پلک جھپکنے میں اس فضا میں سے گزار کر دوبارہ اسے اسی مادی شکل میں لایا گیا۔

خواتین و حضرات! انسان کے پاس یہ fact بحیثیت ایک probability کے موجود ہے۔ اگر بہت ساری cosmic movies آپ نے دیکھی ہوں جیسے Star Track تو اس میں جو fascinating چیز آپ کو نظر آئے گی وہ یہی ایک fact ہے جو انسان کی آواز ہے۔ آج کا انسان ابھی اس تک نہیں پہنچا۔ مگر ایک صاحبِ قرآن حضرتِ آصف بن برخیہ دربارِ سلیمان میں اس function کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔

سوال: قرآنِ مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لاتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس ضمن میں آپ کیا فرماتے ہیں جبکہ ایک بچہ اگر کافر کے گھر میں پیدا ہو تو وہ کافر اور اگر مسلمان کے گھر میں پیدا ہو تو مسلمان ہے۔

جواب: حضراتِ محترم! پہلا جو سوال ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، سو فیصد درست ہے۔ یہ سوال جو آپ نے کیا ہے، ایک اجتماعی تاویل کی صورت میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خدا چاہتا کیا ہے؟

خدا کبھی دو طریقوں میں منقسم نہیں ہوتا۔

"اِنَّ رَبِّی عَلٰی صِرَاطٍ مُّستَقِیم "(ھود 56:11)

اسکا صرف ایک ہی رستہ ہے اور وہ رستہ یہی ہے کہ وہ سب کے لیے نجات چاہتا ہے۔ اسکا ثبوت اس آیت کریمہ سے ہے کہ تمام ذلت و اظلام سے بڑھ کر، تمام نقائص سے آگے جو انسان کو اس نے ایک advantage بخشا ہے...... جس طرح کسی پرانی race میں بوڑھوں کو آگے کر دیتے ہیں تا کہ وہ جوانوں سے ایک advantage لے جائیں اور جب ایک obstacle race شروع ہو تو ان کو یہ advantage دیا جاتا ہے کہ انکو جوانوں سے کوئی سو قدم آگے کھڑا کیا جاتا ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ اب بھاگ لو...... اب ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی first آ جائے۔ اسی طرح تمام مخلوقات کو جب advantages کی تقسیم ہوئی تو انسان کے لئے ایک special advantage رکھا گیا اور وہ advantage سب کے لئے نجات مانگتا ہے۔ وہ advantage ایسا ہے کہ جس میں کسی انسان کے لئے گمراہی کا کوئی امکان نہیں ہے اور وہ advantage یہ ہے،

"وَکَتَبَ عَلٰی نَفسِہِ رَحمَۃ"

کہ میں نے یہ لازم قرار دیا اپنے اوپر کہ میں ہر انسان پر، ہر زندگی پر، ہر مخلوق پر رحم کروں گا۔

یہ ہماراcontract ہے۔میرا اور میرے پروردگار کاcontract ہے تو میں بجائے یاسیت کے، اس رجائیت سے کیوں نہ شروع کروں۔ بجائے قنوطیت کے اُس امید سے کیوں نہ شروع کروں کہ خدا اپنےcontract کا احترام کرے گا اور وہ کبھی بھی گمراہی اور ذلت میرے نصیب میں نہیں لکھے گا اور یہی بہترapproach ہے۔ اگر آپ اس پر شک کرنا چاہیں تو آپ خدا پر شک کر رہے ہیں۔ اگر آپ اس کو غلط سمجھیں تو آپ خدا کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ اسی لئے کم از کم خدا کو طلب کرنے والا، اسکی جستجو کرنے والا، اس قسم کے کسی شک کا شکار نہیں ہوتا کہ خدا نے اس کے نصیب میں گمراہی لکھی ہے۔ کبھی ایسا ہوا، نہ ایسا ہو گا کیونکہ اسکا وعدہء مبارک ہرcreation کے ساتھ ساتھ ہے کہ میں آپ کا برا نہیں چاہتا اور یہ دوسری آیت میں اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ''جو تمھیں بھلائی پہنچتی ہے، وہ مجھ سے پہنچتی ہے اور جو تمھیں برائی پہنچتی ہے تمھاری اپنی ذات سے پہنچتی ہے۔ تو دونوں قوانین کو تقسیم کر دیا کہ خیر و شر کا خالق تو میں ہوں۔

دیکھئے آپ کے اس سوال کاexact جواب آ گیا کہ ''خیر و شر کا خالق تو میں ہوں، مگر میں نے اپنے لئے خیر کا رستہ چنا۔'' میں نے تمھارے لئے بھی خیر کا رستہ چنا۔ مگرdeviation اور آپ کے اس رستے سے بھٹک جانے کو ایکcounterforce motivate کرتی ہے۔ جب دنیا کی ہر چیز میں اچھائی اور برائی کےstandard استعمال کر کے آپ تفریق کر سکتے ہیں تو پھر کیا خدا اور شیطان کے تناسب میں آپ فرق نہیں کر سکتے اور وہ شر کی قوت ہے اور آپ کے پاس اتنی تحصیل موجود ہے کیونکہ کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ خیر و شر میں، اچھے اور برے صابن میں، اچھی اور بری مسواک میں اچھی اور بری جوتی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ جب دنیا کی ہر چیز میں اچھائی اور برائی کےstandard استعمال کر کے آپ تفریق کر سکتے ہیں۔ تو پھر خدا اور شیطان کے تناسب میں آپ کیسے فرق نہیں کر سکتے۔

وہی عقل، وہی شعور جس کی مدد سے آپ زندگی کے ہر لمحے کو فیصلہ کن بناتے ہیں۔ وہی عقل و شعور جس کی مدد سے آپ بہن اور بیوی میں فرق کرتے ہیں۔ وہی عقل و شعور جس سے آپ ماں میں اور باپ میں فرق کرتے ہیں۔ جذبے میں، نقص میں، جنگ و جدل میں فرق کرتے ہیں۔ جو ترقی کر کے آپ یہاں اس لمحے تک پہنچے ہیں۔ غار کی زندگی سے نکل کر جو آپ اس لمحہء ترقی تک پہنچے ہیں۔ جو آپ آسمانوں کو چھو رہے ہیں، یہ آپ کس عقل کی وجہ سے پہنچے ہیں؟؟؟ یہ اسی تفریق کی وجہ سے پہنچے ہیں، تجربے کی وجہ سے پہنچے ہیں،posterity کے تجربات کو ساتھ لے

کرآپ نے progeny تک بڑھایا ہے۔ پچھلی نسلوں سے لیکر آگے تک بڑھایا ہے یعنی آپ کے ذہن میں تفریق موجود ہے۔ کیا اللہ نے اپنی ذات کی تفریق اور غیر اللہ کی تفریق کیلئے آپکو data مہیا نہیں کیا ہوا؟؟؟ اپنے تساہل کو مقدر کا نام مت دیجئے۔ اپنی سستی کو مقدر کا نام مت دیجئے۔

حضراتِ گرامی! میرے نزدیک مقدر ''اس دنیا'' میں کوئی شے نہیں ہے۔ کوئی واقعہ نہیں ہوتا۔ یہ protocol ہے، یہ اسبابِ دنیا ہے۔ اسبابِ دنیا کو مقدر نہیں کہا جا سکتا۔ مقدر تو وہ ہے جو اس دنیا کے بعد آپکو نصیب ہوگا۔ ایک billions اور trillion years کی life مقدر ہے۔ دیکھئے عقل یہیں غلطی کرتی ہے کہ میں اپنی اس طویل ترین زندگی کو تو مقدر نہیں سمجھتا، میں heaven اور hell کو مقدر نہیں سمجھتا، میں ایک مکمل برباد زندگی کو مقدر سمجھتا ہوں۔ میں اپنی مکمل آسائش کی زندگی کو مقدر سمجھتا ہوں۔ transition میں کوئی مقدر نہیں ہوتا۔ گزرتے ہوئے لمحے کبھی کسی مستقل مقدر کی نشاندہی نہیں کرتے۔

آج تک کسی philosopher نے، کسی مفکر نے، کسی عالم نے transitional stage پر کوئی حکم صادر نہیں کیا۔ transition کسے کہتے ہیں؟؟؟ ایک passing لمحے پر رائے نہیں دی۔ اگر ایک میچ ہو رہا ہو اور دو ٹیمیں میچ کھیل رہی ہوں اور ابتدائے حال میں ایک ٹیم دوسری ٹیم پر گول کر دے تو کبھی بھی اس پر یہ judgement pass نہیں کر سکتے کہ .Finally this team, is going to win آپ اندازہ لگا سکتے ہیں مگر فیصلہ کن بات نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جب ایک زندگی جس کو ہم ابتلاء میں، کمرہء امتحان میں گزار رہے ہیں، جو اس پوری galaxial life کے مقابلے میں اتنی minor ہے، اتنی معمولی ہے کہ اسکی کوئی حیثیت نہیں بنتی، اسے آپ مقدر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ مقدر تو وہ ہے جو اس زندگی سے گزرنے کے بعد، کمرہء امتحان سے نکلنے کے بعد، نتائج کے فیصلے کے بعد، آپ کو جنت یا جہنم، وصالِ خداوند یا وصالِ شیطان میں ملے گی۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ بچہ کسی کافر کے گھر پیدا ہوا۔ حضراتِ محترم! اس کے بارے میں حدیثِ رسول ﷺ ہے، اور بڑی complete حدیث ہے۔ ''اللہ کو یہ بہتر علم ہے کہ بچے نے کس عالم میں جانا ہے''۔ آپ ایک چیز فرض کر رہے ہیں۔ آپ یہ چیز فرض کر رہے ہیں جو مذہب میں یا نتائج میں نہیں ہے۔ آپ نے فرض کر لیا ہے کہ ایک ہندو اور کافر کا بچہ جہنم میں گیا۔ آپ نے فرض کر لیا ہے کہ ایک مسلمان کا بچہ جنت میں گیا۔

مسلمان کے بچے کے بارے میں تو ہمارے پاس شہادتیں موجود ہیں۔ کہ وہ جنت میں جائے گا، مگر یہ شہادت ہمیں کہیں سے نہیں ملی کہ اہلِ کفر کے معصوم بچے بھی جہنم میں جائیں گے۔ اسی لئے تو ابتدائی دور میں یہ رائے پاس کرنا غلط ہوگی تو یہ سوال اس وقت مکمل ہوتا ہے جب ہمارے پاس ایک حتمی رائے موجود ہو کہ کافر کا بچہ جہنم میں جائے گا۔ مگر ایک دوسری بات جو آپ کی آسانی کے لئے عرض ہے کہ جب ایک مشین چلتی ہے تو اس کے product کا ہمیں پورا پورا تعین ہوتا ہے اور ہم جو چیز اس میں ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد اس product کے بارے میں حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ product نکلے گا۔ اہلِ کفر کے products میں اگر ایمان نام کا کوئی جزو شامل ہی نہیں ہے تو product پر مکمل رائے دی جا سکتی ہے کہ Unless or until grown to an age of thought and deliberation it will remain the same as the first کیونکہ نہ genetics میں، نہ immediate parental influences میں کسی طرف سے بھی اس کو ایمان کا ایک ذرہ نہیں ملا تو بڑی آسانی سے ہم اس product پر یہ رائے دے سکتے ہیں کہ اس میں نجات کا ایک ذرہ بھی شامل نہیں ہے، اس لئے خدا کو بہتر علم ہے جو مشینوں کا بنانے والا ہے۔ جب ہم ایک مشین پر رائے دے سکتے ہیں تو خلاقِ عالم اپنی پیدا کردہ بہترین تخلیق کو بڑی اچھی طرح سے ان کے inner اور outer makes کو جانتا ہے۔ اس کو اچھی طرح پتہ ہے کہ اس product میں کوئی ایمان اور نجات کی رتی ہے کہ نہیں ہے۔ تو Maximum you can say, the whole product runs into wastage......

سوال: اسلام میں تصوف کے کیا درجات ہیں۔ جب اللہ نے قرآن میں تقویٰ اور متقی لفظ استعمال کئے ہیں تو پھر اب لفظ تصوف استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: nomenclature کے بدلنے سے کسی چیز کی مقصدیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تصوف کی جو basic اصطلاح ہے یہ تین چار مقامات سے لی گئی ہے۔ ایک تو Greeks سے لی گئی ہے کہ بنیادی طور پر جو پرانے Greek استاد تھے، جیسے سقراط، ارسطو، افلاطون......ان کو Sophists کہا جاتا ہے اور Sophists سے generally مراد یہ ہے کہ وہ استاد جو بلاغت اور فصاحت کے ساتھ چلتے پھرتے، non-stationary teachers ہیں کہ جن کا کوئی مقام متعین نہیں تھا تعلیم کے لئے...... بلکہ چلتے پھرتے لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتے تھے اور

Paraclese کے زمانے یا پرانے Greece کے دارالحکومت میں آپ بڑے آرام سے یہ سین دیکھتے ہیں کہ سقراط چل رہا ہے یا افلاطون چل رہا ہے یا ارسطو چل رہا ہے تو اس کے ساتھ طالب علموں کی ایک فوج ہے جو ساتھ ساتھ چل رہی ہے اور استاد موج میں ہے، کبھی صحرا کو نکل گیا، کبھی دریا پہ چلا گیا...... ساتھ ساتھ طالبِ علم چل رہے ہیں، وہ ان سے سوال پوچھتے جا رہے ہیں اور وہ dialogues کی صورت میں جواب دے رہے ہیں۔ ان بڑے عظیم اساتذہء یونان کو Sophists کہا کرتے تھے۔

مجھے اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں کی یاد ہے کہ جب کسی فلسفہ وعلم الکلام پر مجھے درس دینا ہوتا تو مجھے ایک اچھی یا بری عادت تھی پیدل چلنے کی تو میں پیدل چل نکلتا تھا...... Those who were very keen students, later on they were top in the department of philosophy. تو وہ میرے ساتھ ساتھ چل پڑا کرتے تھے حتیٰ کہ میں مال سے ہوتا ہوا انارکلی...... انارکلی سے لوہاری...... وہ بیچ میں پوچھتے رہتے تھے۔ میں ان کا جواب دیتا رہتا تھا۔ آخر کار ایک بڑے غریب سے طالب علم نے کہا: "پروفیسر صاحب! فلسفہ بند...... مجھے اتنی اجازت ہے کہ میں یہاں سے ایک گلاس جوس کا پی لوں...... تو میرا خیال یہ ہے کہ ہر اچھے استاد کی stationary condition میں اور moving condition میں ابلاغ کا فرق پڑتا ہے اور قریباً قریباً ہر اچھا استاد جو ہے وہ چلتے پھرتے ہوئے free ابلاغ سے کام لیتا ہے۔

جب فلسفہء یونان مسلمانوں میں آیا اور اعتزال، اشاعرہ اور ماتریدیہ کی movements شروع ہوئیں تو اس میں لفظ Sophists اُن لوگوں کے لئے استعمال ہونا شروع ہو گیا جو خدا پر گفتگو کرتے تھے، جو حقیقتِ عظمیٰ اور خدا پر گفتگو کرتے تھے اور یہ زیادہ تر مسافر تھے۔ آپ نے تصوف کا یہ جملہ سنا ہوگا کہ "سفر وسیلہء ظفر" اور ہجرتِ مقام کو تصوف میں ایک بڑی important حیثیت حاصل تھی۔ یہ لوگ تھے کہ جو چلتے پھرتے خدا پر گفتگو کرتے اور مقام نہیں پکڑتے تھے اس لئے انکو صوفی کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صوفی کا لفظ لباسِ "صوف" سے نکلا ہے جو اونٹوں والے پہنتے تھے اور وہ جسم کو آسانی اور تلذذ سے بچانے کے لئے عموماً یہ پہنتے تھے مگر یہ ضروری نہیں تھا۔ اس وقت اصحابِ رسول ﷺ کا عمومی لباس جو تھا وہ صوف تھا۔ غربت بے انتہا تھی اور سردارانِ قریش کے

عمامے، جبّے اور دستار چھوڑ کر عام طور پر اگر لوگوں کو پہننے کے لئے کچھ ملتا تھا تو وہ یہی لباسِ صوف تھا اور جب اس لباس سے بُو اٹھتی تھی تو لوگ تنافر کھاتے تھے اور جمعے کی نماز میں غسل کا حکم بھی اسی لئے آیا کہ بہت سارے اصحابِ رسول ﷺ لباسِ صوف میں ہوتے اور پسینے سے اور اونٹ کی اون کے ملنے سے جو بڑی سخت بدبوسی پیدا ہو جاتی تھی اور جمعے کی نماز میں اس سے لوگوں کو بڑا اختلاجِ قلب محسوس ہوتا تھا تو جمعے کو غسل کرنے کا حکم اس لئے آیا کہ کم از کم اس سے بدن کی اتنی صفائی ہو کہ اس پر لباسِ صوف کی بُو اثر نہ رکھے۔

ایک تیسری وجہ اصحابِ صفہؓ ہے مگر اصحاب صفہؓ کے ساتھ لباسِ صوف لازمی تھا، ضروری تھا۔ یہ انتہائی غریب لوگ تھے۔ ان میں ابو ہریرہؓ، معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ وغیرہ جیسے وہ عظیم لوگ تھے کہ جنہوں نے تحصیلِ علم کے لئے روزگار کو پسِ پُشت ڈالا اور باقی لوگ جب دوسرے کام کر رہے تھے...... رزق کما رہے تھے، دوسری آسائشات کی تحصیل میں لگے ہوئے تھے تو یہ وہ لوگ تھے کہ جو حریص تھے، رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر اور ان میں حضرتِ ابو ہریرہؓ، حضرتِ معاذ بن جبلؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ بڑے نمایاں اصحابِ صفہ میں سے ہیں کہ جنہوں نے تعلیم کی خاطر زندگی سے علیحدگی اختیار کی، انہوں نے فاقہ کشی اختیار کی، کافی گرسنہ حالت میں رہے اور یہ تمام تر صدقات پر depend کرتے تھے یا دن بھر کی مزدوری سے لکڑیاں چُن چُن کر لاتے تھے۔ بعد میں جن لوگوں نے اصحابِ صفہؓ کے pattern of life کو نقل کیا، وہ ان کی وجہ سے صوفی کہلائے۔

ایک چوتھی وجہ سب سے غالب رہی۔ صوفیوں کو اصحابِ صفہؓ اس لئے کہتے ہیں کہ جنہوں نے یہ کوشش کی کہ اپنے قلب و ذہن کو صاف ستھرا رکھیں اور خدا کے حضور ایک بہتر اور خوبصورت دل لے کر جائیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی کی شہوات سے جنگ کی۔ جنہوں نے جہاد بالنفس کو مکمل کیا۔ اسکی حیثیت اور اصولِ تصوف رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ جب جنگ تبوک سے پلٹے اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کہ اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کو چلے ہیں۔'' اصحابِ رسولؐ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! میدانِ قتال میں، شمشیروں سے اہلِ کفر کا سر کاٹنے سے بڑا بھی کوئی جہاد ہے''؟ فرمایا: ''ہاں! جہاد بالنفس''...... یہ وہ صوفیا، اصحابِ صفاء ہیں، جنہوں نے روز مرنا قبول کیا، روز جینا قبول کیا۔ جہاد بالسیف ایک دن، ایک گھڑی کی بات ہوتی ہے مگر یہ اصحابِ ولایت، یہ اصحابِ فکر، یہ اصحابِ رُشد جنہوں نے

صبح و شام اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔ تنگی اور عُسرت سے، خواہش اور جذبے سے اور خدا کے رستے میں اپنے دلوں کو منور کیا، اللہ کو اس کثرت سے یاد کیا کہ بقولِ حضورِ گرامی مرتبت اُن کو یہ حدیث یاد تھی۔ کہ ''اللہ کو اتنا یاد کر لوگ تجھے دیوانہ سمجھیں۔'' اور پھر دوسری حدیث موجود تھی کہ اللہ کو اتنا یاد کر کہ تیرا دل ویران ہو جائے اور اُس ویرانے میں صرف ایک چراغ جلتا ہو اور وہ اللہ کی یاد کا چراغ ہو۔

انہی لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں اللہ نے عرض کی کہ وہ لوگ، وہ گھر جن کے طاقوں میں اللہ کی یاد کے چراغ جلتے ہیں، اُن کے ستون اٹھائے جاتے ہیں، اُن کی محرابیں بلند کی جاتی ہیں۔ اُن کے رُتبے تمام عالم سے ممتاز کئے جاتے ہیں۔ انہی لوگوں کو اللہ نے کلام کر کے کہا:

''وَ لَا تَهِنُوْ وَ لَا تَحزَ نوُا وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم موُء مِنِینَ۔'' (آل عمران 139:3)

(کہ اگر تم ہماری یاد میں سستی نہ کرو اور اگر تم واقعاتی رنج و غم و بلا میں نہ الجھو گے تو ہمیں اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ ہم تم ہی کو غالب کریں گے، اگر تم ایمان والے ہو۔)

حضراتِ گرامی! اصحاب سارے ایسے تھے۔ چونکہ dichotomy نہیں تھی، تفریق نہیں تھی، ایک صحابی بیک وقت صحابی اور ولی تھا اور چونکہ ایسی جگہ جہاں ایک چیز common ہو جائے وہاں تفریق باقی نہیں رہتی۔ ایک یونیورسٹی کے باہر آپ کو M.A. عجیب و غریب لگے گا۔ ایک مجلس میں جہاں ایک M.A. نہیں ہے، وہاں اگر وہ آ جائے تو ہر آدمی اُسے عزت و وقار سے دیکھے گا مگر ایک یونیورسٹی میں جہاں سینکڑوں Ph.D اور M.A پھرتے ہوں وہاں ایک M.A. کی کیا حیثیت ہو گی۔ قرونِ اولیٰ کا وہ دور کہ

''اَصحَابِکَ النُّجُوم......''

میرے رسول کا چراغِ آفتاب ابھرا ہوا تھا تو اُس آفتابِ عالم کے سامنے کسی چراغ کی روشنی کیا ہو سکتی ہے۔؟؟؟ وہاں کوئی کیسے چمک جاتا؟؟ جہاں محمد رسول اللہؐ نشستِ تعلیم پر متمکن تھے، وہاں کسی صوفی کا کیا دخل ہو سکتا ہے۔ وہ تو کائنات کی سب سے بڑی تعلیم اور کائنات کا سب سے بڑا اُستاد تھا۔ اپنے فضل و کرم سے مخلوقاتِ آدم کو نواز رہا تھا۔ اُسی آفتاب نے ان چراغوں کی روشنیاں گم کر دیں اس لئے وہاں کے لوگوں کو ان کی ولایت کے آثار نظر نہیں آتے مگر دراصل احادیث بھری پڑی ہیں......

حضرت اعلا الحضرمیؓ جب حضر موت کی فتح کو گئے تو درمیان میں جھیل آ گئی......ابھی

اگر آپ نے غور کیا ہو تو بہت سے حضرات کو وظائف سے شغف ہوتا ہے۔ ابھی آپ کے پاس ایک وظیفہ ہے جسے حزبُ البحر کہتے ہیں۔ بہت سے پرانے لوگ اس وظیفے کو جانتے ہیں۔ خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ سے مروی ہے کہ اسکو حزب البحر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دریاؤں پر، پانیوں پر، فتوحات کا وظیفہ ہے مگر ایسا ہے نہیں۔ اصل میں اس میں بڑی قیمتی دُعائیں ہیں جو خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ نے، جب ایک دفعہ اُن کی کشتی ڈوبنے لگی تو انھوں نے مانگی تھیں۔ انھوں نے تمام دُعاؤں کو اکٹھا کیا مگر یہ پورا وظیفہ شروع ہوتا ہے، **یا علیُّ یا عظیمُ یا حلیمُ یا علیمُ** سے...... حضرت اعلا الحضرمیؓ نے جب پانی کی رکاوٹ دیکھی تو اہلِ لشکر کو کہا: ''میں جاتا ہوں۔ تم سوچ لو۔''...... اور یہ چار لفظ پڑھتے ہوئے وہ اُس جھیل پر سے گزر گئے۔ لشکر نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے کہا کہ اگر سردار جاتا ہے تو ہم چاہے ڈوبیں، چاہے مریں ہم ان کے ساتھ ہی جائیں گے۔ پھر انھوں نے وہ جھیل پار کی اور دومتہ الجندل کی فتح حاصل ہوئی۔ اسی طرح مدائن کی جنگ میں دریا بھرپور طغیانی سے بھرا ہوا تھا اور بڑی آفتِ عظیمہ آئی ہوئی تھی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اللہ کا نام لیا اور اُس طغیانی میں اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ جب حضرتِ سعدؓ کو دیکھا تو باقی لوگ بھی تیار ہو گئے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں۔ ان میں قطعاً کسی قسم کی روایات کی گنجائش نہیں۔ پوری کی پوری فوج نے دریائے مدائن میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جب دریا سے باہر آ کر نقصان کا اندازہ کیا گیا تو ایک صحابی کا ایک لوٹا گم ہوا تھا، اور وہ اُس پر بڑا شور مچا رہے تھے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ میرا لوٹا گم ہو گیا۔ جب ایرانیوں نے دور سے مدائن کے قلعے سے اس قسم کا کرشمۂ قدرت دیکھا تو تاریخ میں وہ لفظ درج ہیں کہ ''دیواں آمدن...... دیواں آمدن'' کے الفاظ کہتے ہوئے وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اسی طرح حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ ایک دفعہ انتہائی تیز آندھی اور بارش تھی اور دو صحابی مسجدِ نبوی کے لئے نکلے۔ جب وہ مسجد میں آئے تو انھوں نے کہا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! ہم نے بڑی عجیب بات دیکھی کہ اتنی تاریکی تھی کہ ہاتھ سے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ہمارے سامنے دو مشعلیں جل رہی ہیں جو ہمیں رستہ دکھا رہی ہیں اور ہم آ گئے......'' بڑی مشہور حدیث ہے۔ حضرت اسید بن حضیرؓ کی بڑی مشہور حدیث ہے۔ حضرتِ اسیدؓ قرآنِ حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے اور ساتھ بچہ لیٹا تھا۔ پھر گھوڑا ابدکا۔ آپ نے اُٹھ کر بچے کو سنبھالا...... حضور ﷺ کے پاس آئے۔ فرمایا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں نے دیکھا ہے کہ میں قرآن پڑھ رہا تھا تو ایک بادل نیچے اُتر آیا۔ اُس میں ٹمٹماتے ہوئے چراغ تھے۔ اُن کی روشنیاں منور ہوئیں اور میں حیرت سے

انھیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنے نیچے اُتر آئے کہ میرا گھوڑا بدک گیا اور میں ڈرا کہ کہیں بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے تو میں نے قرآن کی تلاوت ختم کر دی"۔ فرمایا: "اسید یہ ملائکہ تھے اور خدا کی قسم اگر تم تلاوت جاری رکھتے تو یہ بادلوں سے نکل کر تم سے مصافحہ کرتے"۔

حضرت حنظلہؓ کی حدیث ہے، انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا کہ ابوبکر میں منافق ہو گیا ہوں۔ میرا ایک سانس دنیا میں اور ایک سانس میرا خدا کے ساتھ ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ میں بھی ایسا محسوس کرتا ہوں، چلو حضور ﷺ سے پوچھتے ہیں۔ جب وہ سرکار رسالت مآب ﷺ کے حضور پہنچے اور کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! ہم لوگ لگتا ہے منافق ہو گئے ہیں کہ جب آپکے پاس ہوتے ہیں تو ہمیں دُنیا کی ہر چیز بھول جاتی ہے۔ بیوی، بچے سب...... مگر جب ہم آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں۔ تو پھر دُنیا ہمارے رستے میں حائل ہو جاتی ہے۔" فرمایا: "ابوبکر ایک سانس دُنیا میں ہے اور ایک سانس انسان کا اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر تم لوگ مجھ سے اُٹھ کر ویسے ہی رہو جیسے تم یہاں بیٹھے ہوئے ہوتے ہو تو خدا کی قسم فرشتے، گلیوں میں تمہارے ساتھ مصافحہ کرتے نظر آئیں"۔

خواتین وحضرات! یہ کہنا غلط ہے کہ اصحاب رسول ﷺ میں یہ صفاتِ عالیہء تصوف نہ تھیں بلکہ دیکھئے مومن، صوفی، ولی، ہم معنی ہیں۔ طریقت، شریعت کی نیت ہے۔ شریعت کے کام وہ ہیں جنھیں ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے کرتے ہیں مگر جب شریعت میں ایک سنت داخل ہو جائے کہ میں نے ہر کام اللہ کی محبت وانس سے کرنا ہے تو وہ شریعت، طریقت بن جاتی ہے۔ وہ بندہ مسلم سے مومن ہو جاتا ہے اور وہی بندہ صوفی کہلوانے کا حقدار ہے۔ اس میں تضاد نہیں ہے، اس میں اعتدال ہے۔

سوال: اگر صوفیائے کرام کا طریقہ اعتدال اختیار کرنا ہے تو کیا تصوف کے کسی طریقے سے ملتِ اسلامیہ کو نجات مل سکتی ہے؟

جواب: اصل میں صوفیاء کا تو کوئی طریقہ نہیں، طریقہ تو رسول اللہ ﷺ کا ہے اور یہ confusion اسلئے پیدا ہو گیا کہ کچھ لوگوں نے اپنے طریقے اختیار کر لئے اور انہیں تصوف کا نام دیا۔ قرآنِ حکیم میں شریعت کے بارے میں بڑی خوبصورت آیات ہیں کہ

"وَ رَهبَانِيَّةَ نِ ابتَدَعُوهَا "(الحدید 57:27)

(اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔)

نہ اسلام میں رہبانیت ہے نہ فاقہ ہے۔قرآن حکیم میں اللہ نے کہا کہ ہم نے ان کو یہ نہیں کہا، یہ اذیت پسندی، یہ ہر گناہ کے لیے اپنے آپ پر تعزیر لگانی......Christian monastery میں خود احتسابی کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی Christian monaster سے غلطی ہوتی، کوئی تقصیر ہو جاتی تو اپنے آپکو کوڑوں کی سزا دیتے تھے، بھوک برداشت کرتے تھے، مدتوں چلّے کاٹتے تھے تو اللہ نے قرآن میں اس کی ممانعت فرمائی کہ ہم نے ان کو یہ نہیں کہا تھا۔پھر کچھ لوگوں نے اُس طریقۂ فکر کو اپنا لیا اور بہت تھوڑے کامیاب ہوئے اور باقی گمراہ ہو گئے۔

جس طریقے کی آپ بات کرتے ہیں، وہ صوفیاء کا طریقہ نہیں ہے۔صوفیاء مشقت کا تھوڑا عرصہ اس لئے گزارتے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریں، اپنی اندرونی کیفیات کا تزکیہ کریں۔کبھی کبھی تھوڑی سی علیحدگی کی ضرورت پڑتی ہے جو غور وفکر کے لئے بہت ضروری ہے اور یہ کوئی نرالی بات نہیں ہے بلکہ جب ایک ماحول، ایک پس منظر آپکی مرضی کے مطابق نہ ہو اور آپکی خواہش کو support نہ کرتا ہو تو کچھ عرصے کے لئے علیحدہ ہو جانا سنت رسول ﷺ ہے۔مراقبے کے لئے نہیں بلکہ صحبتِ غیر سے بچنے کے لئے،...... جیسے حضورِ گرامی مرتبت مکہ مکرمہ میں جہاں جاتے تھے، وہاں کفر وشرک کے ہنگامے تھے، طوافِ کعبہ کرنے جائیں تو لوگ ننگے طواف کر رہے ہوتے تھے۔رسمِ کعبہ یہ تھی کہ لوگ گھنٹیوں کے ساتھ، ننگے بدن، مرد اور عورتیں طواف کرتے تھے۔ رسول ﷺ حیا والے تھے، محبت والے تھے۔اُس معاشرے میں جس گھر میں جاتے تھے، وہاں شراب اور زنا کی کارستانی تھی تو رسول اللہ ﷺ ایسے اجنبی، ایسے غیر فطری معاشرے سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو غور وفکر اور محبتِ خداوند کا پہلو سمیٹے ہوئے کچھ عرصے کے لئے علیحدہ ہو جاتے اور جیسے خدا نے قرآن حکیم میں کہا کہ جہلاء سے مت الجھو بلکہ ''قَالُوْا سَلٰمًا'' (سلام کہہ کر علیحدہ ہو جاؤ۔) اگر جہلاء آپ کی دہلیز پر پہنچیں تو obviously آپکو اپنی دہلیز چھوڑنی پڑتی ہے۔صوفیاء کسی غیر معمولی طریقے کے حامل نہیں تھے بلکہ میرے مرشد سیدنا شیخ محمد عثمان بن علی ہجویریؒ سے کسی شخص نے کہا کہ میرے پندرہ سال آپکے ساتھ ضائع ہوئے۔میں نے بے پناہ کوشش کی کہ آپ کی کوئی کشف وکرامات دیکھوں مگر مجھے تو کوئی نظر نہیں آیا۔فرمایا: ''کوئی کام تو نے میرا خلافِ سنتِ رسول ﷺ دیکھا ہے''؟ یہی تصوف ہے مگر اس میں نیت خالص شرط ہے۔

اسلام میں اور ایمان میں جو تھوڑا سا فرق ہے وہ نیت کا ہے، جو آگے بڑھ کر کسی بہترین مقصد کے لئے دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جو خدا کے حضور سُرخرو ہونا چاہتے ہیں، جو

محبتِ الٰہیہ کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں، وہ صوفی ہیں، وہ مومن ہیں، وہ ولی ہیں، وہ اللہ کے دوست ہیں۔ یہ میں یقیناً کہوں گا، میرا اپنا یہ خیال ہے کہ ہر آدمی صوفی ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جس شخص نے اسلام قبول کیا، وہ ایمان کے حصول کے لئے کوشش کرے تو وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ ایک ارب مسلمان بھی اگر چاہیں تو ایک ارب اولیاء اللہ تعالیٰ میں بدل سکتے ہیں مگر جب تک اِس قوم کی priority درست نہیں ہوتی، جب تک ہماری ترجیحات بہتر نہیں ہوتیں...... مجھے بدقسمتی سے کہنا پڑتا ہے کہ شاید دُعا کو بھی قبولیت حاصل نہ ہو اور رزق کی بھی تنگی رہے اور بھی مصائب سے دنیائے اسلام کو واسطہ پڑے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ المیہ صرف ہمارے ساتھ نہیں ہے بلکہ پورے عالمِ اسلام کے ساتھ ہے کہ باوجود ملّا کی کثرت ہونے کے ہم پر خدا کی بجائے دُنیا غالب ہے۔

سوال: وقت کی پابندی شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ سامعین کی تعداد کے مطابق آپ تقریباً اڑھائی گھنٹے تاخیر سے پہنچے۔

جواب: میں اس سوال کا جواب دینے کا مکلّف ہوں۔ آپ نے بڑا خوبصورت سوال کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی بھی جو اللہ کا بندہ ہے، نہ تو عہد کرتا ہے، نہ وعدہ کرتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں اللہ کے پاس محفوظ ہوتی ہیں، اس لئے اگر ہم واقعی خدا پر یقین رکھتے ہیں تو ان دو چیزوں سے قطعی گریز کرتے ہیں: نہ عہد، نہ وعدہ...... کیونکہ ان میں بدقسمتی سے تیسری چیز جو ہے، اُس کا ہمیں علم نہیں ہوتا اور وہ خدا کی مرضی ہے۔ اس کے باوجود میں نے منتظمین سے شاید درخواست کی تھی۔ printing difference ہو گیا ہمارے اور اُن کے درمیان کہ میں نے گیارہ کہا، انھوں نے دس کہا تھا۔ فاصلہ بھی لمبا تھا، ٹریفک بھی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ میں نے آتے ہی آپ سے معذرت کی تھی اور بات یہ ہے جی کہ آپ خواہ کتنا بڑے سے بڑا گناہ کریں جیسے یونس بن متیٰ سے خطا سرزد ہوئی تھی اور انتہائی گہری تاریکیوں میں ڈالے گئے تو انھوں نے اللہ سے کہا تھا کہ:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡن" (الانبیاء 21:87)

اور اس کا ترجمہ یہ ہے کہ....... you are right. I am wrong. I am sorry

سوال: اسلام میں پردے کی اہمیت کیا ہے؟ آپکے پروگرام میں اس اسلامی قدر و روایت کی مٹی پلید کی جاتی ہے، آخر کیوں؟

جواب: جنابِ والا! آپ درست کہتے ہیں۔ اسلام میں پردے کی اہمیت اتنی ہے جتنی قرآن میں درج ہے۔ اسلام میں جب بھی پردے کا ذکر آیا تو اُس کا پس منظر ہمیں دیکھنا ہوگا کہ

کس پس منظر میں یہ حکم آیا۔

دراصل ایک بڑی بدگمانی مسلمانوں کے ذہن میں شاید یہ ہے کہ اسلام پہلے سے کسی بہت بڑی decent سوسائٹی میں آیا، ایسا نہیں تھا، اسلام کسی decent society میں نہیں آیا۔ اسلام دُنیا کی سب سے زیادہ indecent سوسائٹی میں آیا جسے آپ جاہلیت کی قوم کہتے ہیں، وہ اعراب جنھیں خدا خود گنوار اور بے ادب کہتا ہے۔ اسلام دُنیا کے بدترین qualitative social set up میں آیا جہاں باپ کی بیویوں سے بیٹا نکاح کرتا تھا، جہاں بچیوں کو زندہ گاڑا جاتا تھا، جہاں اشراف کی عورتیں ایک مٹھی بھر جو کے لئے تعلقات قائم کر لیتی تھیں اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا...... جب عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ تم متعہ کی حلت کا فتویٰ دیتے ہو تو انھوں نے کہا کہ جا کر اپنی ماں اسما بنتِ ابو بکر صدیقؓ سے پوچھ......؟ عبداللہ بن زبیرؓ اپنی ماں سے پوچھنے لگے تو اسماء بنتِ ابو بکرؓ نے کہا: ''ہاں یہ بات سچ ہے کہ اشرافِ عرب کی عورتیں بھی اسلام سے پہلے مٹھی بھر جو کے لئے یہ تعلقات جوڑ لیتی تھیں۔'' اسلام اُس سوسائٹی میں آیا کہ جہاں ''سوقِ عقاظ'' میں بڑی سے بڑی معزز خاتون بھی اپنا خیمہ لگا دیتی تھی، جہاں عمرو بن معدی اپنی بہن کی عزت و آبرو لٹنے کا خود قصیدہ لکھتا تھا، جہاں شاعر تشبیہ دیا کرتے تھے۔ اسلام اُس pre-licenced sexual society میں آیا۔

اسلام نے اُن پر قیدیں نہیں لگائی تھیں۔ اسلام نے انھیں contain کیا۔ آپ جس اخلاق کی بات کر رہے ہیں، یہ انڈین ہے، یہ ہندوستانی ہے، یہ اسلامی نہیں ہے۔ اسلام میں ''یرموک'' عورتوں نے جیتی ہے، زرہیں پہن کر...... اسلام میں خولہ بنتِ ازدر ہے جس نے اجنادین کی جنگ جیتی ہے۔ اسلام میں عائشہ صدیقہؓ ہے، فاطمۃ الزہرہؓ ہیں جنھوں نے اُحد میں اپنے باپ کو پانی پلایا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ شرع میں شرم نہیں ہے، جب کوئی عورت سیکھنے جائے گی تو اُس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اسلام نے کہا:

''طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلَی کُلِّ مُسلِمٍ وَّ مُسلِمَۃٌ''

(طلبِ علم ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔)

وہ یہاں کسی فلم کے ہیرو کو نہیں دیکھنے آئیں۔ اُن کے دل میں خدا کی باتیں سُننے کا شوق ہے۔ اس لئے وہ خواتین یہاں ضرور آئیں گی۔ وہ کسی فیشن شو میں نہیں آئیں۔ قرآن حکیم نے کہا کہ چادر لے لو تاکہ سر ڈھانپا جائے اور تمہارے گریبان نظر نہ آئیں۔ اس سے زیادہ قرآن نے پردے

کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ یہ جو teddy برقعے ہیں، یقین جانیے یہ اسلامی نہیں ہیں۔ یہ جو ہمارے ہندو معاشرت میں پردے اُٹھے ہیں، یہ اسلام میں نہیں ہیں۔

اسلام میں عورت باہر آتی ہے۔ اسلام میں عورت کام کاج کرتی ہے۔ اسلام میں آپکو پتہ ہے کہ عورت کیا ہوتی ہے......؟؟؟ حضرت طلحہؓ کی بیوی کی طرح کہ جب وہ جنگ سے واپس آیا تو حضرت طلحہؓ کا بیٹا مر گیا تھا، اُس کی لاش گھر میں پڑی ہوئی تھی تو اس نے اسکو نہلایا، دھلایا، اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ رات گزاری، جب اُسکو سکون پہنچا چکی تو اُس نے کہا کہ تیرا بیٹا مر گیا ہے۔ وہ اتنی بہادر، اتنی practical عورت تھی۔ اسلام میں اسما بنت ابوبکر بازار میں گھومتی تھی۔ جب اُس نے عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش کو حجاج بن یوسف کے ہاتھوں لٹکتا ہوا دیکھا تو حجاج بن یوسف نے اس کمزور عورت پر طنز کیا: ''دیکھتی ہو اپنے بیٹے کا حشر''......اس کی آنکھ سے آنسو نہیں نکلے۔ اس نے کہا: ''اے مردود! ابھی اس شہسوار کا گھوڑے سے اُترنے کا وقت نہیں آیا۔'' وہ اتنی صاف ستھری عورت تھی۔ اتنی دلیر اور ہمت والی عورت تھی۔ اسلام میں اُم المومنین حضرت عائشہؓ کی جنگِ صفین کی قیادت مشہور ہے۔ غلطی کس کی تھی مگر یہ حقیقت ہے کہ دو جنگوں کی قیادت اُم المومنینؓ نے کی ہے۔ اسلام میں اس قسم کا کوئی concept پردے کا نہیں ہے جو ایک اندھے اور بیوقوفانہ جاہلیت کی غیرت سے پیدا ہوتا ہو، جو اس Sub-continent میں موجود ہے۔ اسلام میں اس غیرت کا کوئی concept نہیں ہے۔

اسلام میں ثیابہ کو نہ چھوڑنے کا حکم ہے۔ کیا آپ اس بات پر تفاخر کرتے ہیں کہ آپ کی مطلقہ بہنیں اور بیٹیاں گھروں میں بیٹھی رہیں۔ کیا آپ اسے عزت کا نشان سمجھتے ہیں؟ اسلام اسے عزت کا نشان نہیں سمجھتا It is unpractical. It is discomfortable situation in the social set up.

اسلام اسے نہیں مانتا۔ اسلام اِتنا حقائق پسند مذہب ہے کہ پیغمبر کو کہتا ہے کہ مُنہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرا اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم کہ اگر رسول اللہ ﷺ قرآن میں کوئی چیز چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے۔ حضراتِ گرامی! یہ روایت کی مٹی پلید کرنا نہیں۔ آپکو ایک چیز پر غور کرنا چاہیے۔ حصولِ مقصد پر غور کرنا چاہیے۔ تعلیمی مقاصد پر غور کرنا چاہیے۔ میں یہاں dramatic projection کے لئے نہیں آیا، میں یہاں education کے لئے آیا ہوں Basically I am a teacher, I wish

to teach them. اگر اس کے بعد بھی کسی کو پردہ اور طہارت کی زیادہ ضرورت ہے تو بسم اللہ...... وہ ضرور کرے۔ ہر آدمی کا ایک standard of judgement ہے۔ اگر آپ اس سے آگے کے پردے کی خواہش کرتے ہیں تو آپکا character ہے۔ وہ آپ کا اپنا ذاتی معاملہ ہے مگر جہاں تک اسلامی بنیاد کا تعلق ہے مثلاً نماز پڑھنے جاتے ہیں تو آپکی کہنی ننگی ہے اور آپ کو کوئی کہتا ہے کہ کہنی کو بند کر!!! اس طرح نماز نہیں ہوتی۔ گریبان کھلا ہوا ہے تو کہتا ہے کہ گریبان چاک سے نماز نہ پڑھ...... تو یہ خدا کی باتیں نہیں ہیں۔ یہ آپکے اپنے mannerism ہیں کیونکہ خدا کا معیار وہی ہے کہ مرد کا نماز کا ستر ڈھانپا ہونا چاہئے۔ تو Minimum most سے معیار شروع ہوتا ہے۔ اگر آپ تنقید کرنا چاہیں تو Minimum most پر کریں۔ Maximum most کو نظر میں رکھ کر نہ کریں۔

سوال: اعتدال کے حوالے سے اسلام میں غلامی کیوں جائز ہے؟

جواب: غلامی کا اعتدال سے واسطہ نہیں ہے۔ غلامی خدا کا Instrument of punishment ہے جو ملکی اور قومی سطح پر وارد ہوتا ہے۔ پروردگارِ عالم نے اس کو شروع ہی سے گستاخ قوموں کی سزا کی روایت کے طور پر نبھایا ہے۔ اس کو انعام اور عذاب کی صورت میں رکھا ہے۔ آج کے زمانے میں اگر غلامی کچھ عرصے کیلئے ختم ہو گئی تو اسکا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ اگلے ادوار میں انسان پھر اُسی انجام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ خدا لوکل نہیں ہے۔ وہ ایک صدی کا خدا نہیں ہے۔ ابراہام لنکن کے کہنے پر وہ نہیں چلتا یا ہمارے اپنے social set ups پر وہ نہیں چل رہا۔

خدا چونکہ زمانوں کا خالق ہے۔ صدیوں کا خالق ہے اور فلسفہ ہائے تخلیق کا خالق ہے اس لئے سولہ ہزار سال پیچھے سے چلتی ہوئی یہ عادت، ہوسکتا ہے کہ ایک آدھ صدی میں انسانوں کی فراست سے، حسنِ سلوک سے ختم ہو گئی ہو مگر آگے بڑھتے ہوئے زمانوں میں اگر ایک جنگِ عظیم ہو جائے یا اور بڑے مسائل پیدا ہو جائیں تو پھر یہی غلامی اُسی طرح وارد ہو جائے گی جیسے پہلے زمانے میں تھی۔ خدا نے تو یہ کہا کہ غلاموں سے حسنِ سلوک سے آقاؤں کو آزمایا۔ اُن کو آزاد کرنا بہت بڑی virtue رکھی مگر اس کو ختم نہیں کیا اس لئے کہ پروردگار کی نگاہِ عالیہ میں کچھ اور زمانے بھی ہیں جن میں اسی طرح یہ کسب جاری ہوگا۔

جب خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ قومِ عالین کو رسوا کرے اور اُس کو ذلت سے روشناس کرے یعنی قومِ فراعنہ مصر کو، تو اُن کو اُس نے ذلت و نامرادی کی شکست دی اور اُن کی اگلی نسلوں کو غلام کر دیا،

اسی طرح جب بنو اسرائیل نے گستاخیءِ پروردگار کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو سزا کے طور پر یہ کہا کہ تم نے اپنے انبیاء کو بغیر حق کے قتل کیا، تم نے کتابوں میں تحریف کی، تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کیا جائے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھا جائے تو کسی قوم کے تمرد، سرکشی اور بغاوتِ الٰہیہ کی سزا جو پروردگار کسی قوم کو دیتا ہے وہ غلامی کی صورت میں ہے۔ حضراتِ محترم! غلامی کسی وقت کسی قوم کی choice بن جاتی ہے۔ ابتدائے زمانہ میں جب زندگیاں تباہ ہو رہی تھیں، لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے، ایک فرد کے بدلے میں پورا معاشرہ قتل کیا جاتا تھا تو اُس وقت غلامی survival of mankind کا سبب بن گئی اور اس نے نسلِ انسانی کو بچایا۔ فاتحین نے اپنی مفتوح قوموں کو choice دیئے: قتل یا غلامی...... تو غلامی کے ہونے کی وجہ سے انسانی نسل بچ گئی اور آگے بڑھتے ہوئے ایک بڑے معاشرے میں یہ نمودار ہوئی۔

سوال: اگر انسان بار بار گناہ کرے اور بار بار توبہ کرے تو دنیا میں گناہ کا تو کوئی تصور ہی نہیں رہے گا......

جواب: نہیں صاحب ایسا نہیں ہے!!!! توبہ وہی کرے گا۔ جسے ہر بار گناہ کا احساس ہوگا۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ .Justification of sin is worst than sin اگر کوئی شخص اپنے گناہ کو justify نہیں کرتا اور for value اسے گناہ ہی سمجھتا ہے اور پھر اس پر خلوصِ دل سے توبہ کرتا ہے تو وہ ضرور نجات پائے گا، اس لئے کہ میں اس پر سند نہیں ہوں۔ یہ صحیحین کی حدیث ہے، اللہ کا قولِ مبارک ہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، اس میں آپکو اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بتا رہا تھا مگر جیسے میں نے آپ سے عرض کی کہ توبہ کا صرف ایک مطلب ہے اور وہ مطلب یہ ہے کہ آپکو اپنے گناہ کی realization ہو، justification نہ ہو۔ میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ گناہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اسے routine بنا لیں اور سوچیں کہ توبہ کر کے اس سے نجات ہوگی۔ اس قسم کے عذرِ لنگ اور justification کی سزا اللہ نے نفاق کی صورت میں رکھی ہے اور نفاق کیلئے جہنم کا سب سے نچلا حصہ مخصوص کیا ہے۔

سوال: قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے کہ میں ہی تخلیق کرنے والا ہوں۔ تو پھر کلوننگ کیا چیز ہے اور کیا یہ خدا کے اعتدال کو disturb نہیں کرتا۔

جواب: جی ہاں بنانا اور تخلیق کرنا میں بڑا فرق ہے۔ کلوننگ میں کوئی extraordinary pattern نہیں اختیار کیا جاتا۔ کلوننگ میں اور جنرل reproduction میں جو واحد فرق ہے

وہ صرف اتنا سا ہے کہ sperm،normally ovule سے نجات ہو گئی سے نجات ہو گئی بلکہ کسی بھی human cell سے reproduction کی جا سکتی ہے اور یہ پروردگار کی حکمتِ عالیہ کا بڑا عجیب سا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کے ہر ذرّہ بدن کو اسکا پورا پورا structure دیا ہوا ہے۔ تمام تر structure, تمام code of life,facts and features ہر cell کے DNA میں محفوظ ہیں۔ کلوننگ اور general reproduction میں جو واحد فرق ہے وہ یہ کہ ایک عورت اور مرد کے ملنے سے ovule ایکس (x) اور وائے (y) رکھنے سے صورتیں اور شکلیں مختلف ہو جاتی ہیں مگر کلوننگ میں جس فرد کا ڈی این اے (D N A) آپ reconstruct کریں گے وہ بعینہٖ اُسی code میں ہو گا جس code میں اُس کا پہلا موجود ہے۔ یہ exact replica, اور ہم شکل ہو گا۔

مگر سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے DNA بنایا ہے؟؟؟ آپ تھوڑی سی جو غلطی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی سائنسدان نے از خود DNA نہیں بنایا اور یہی خدا کہنا چاہتا ہے کہ تم خالق نہیں ہو، موجد ہو۔ تم نے میرے ہی دیئے ہوئے ایک constituent atom سے ایک structure تخلیق کر لیا ہے۔ تم نے شاید وہ اصول دریافت کر لیا ہے جو میں نے قرآن حکیم میں دیا ہے کہ سب سے پہلے پوری زندگی ایک c e l l تھی۔ باقی سب اُس کی multiplications ہیں۔ اب بھی ایک انسان کی حیاتِ اصغر میں ایک cell سے کروڑوں انسان پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ question totality میں ختم ہو گیا ہے کہ How existence came out of a singular cell. یہ question ختم ہو گیا ہے۔ Now achieve the adjustments which God made in the original factors of life کہ سب سے پہلے انسان singular cell تھا، پھر میں نے اُسے double cell کیا، پھر میں نے اس کو further سماعت اور بصارت کے system بخشے، آخر میں میں نے اسے عقل و شعور بخشا اور عقل و شعور سے اس نے existence کے بنیادی cause کو سمجھ لیا تو cloaning is not shocking. بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی پیشین گوئی پندرہ سو برس پہلے کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے آج سے پندرہ سو برس پہلے ہمیں بتایا تھا کہ دجّال کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا کہ کیا تُو میرے بھائی کو زندہ کر سکتا ہے۔ وہ کہے گا: ''ہاں میں زندہ کر سکتا ہوں'' اور وہ اُس کے لئے اُس کا بھائی زندہ

کرے گا تو اصحابِ رسول ﷺ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ وہی شخص ہوگا''؟ فرمایا: ''نہیں یہ اُس کی مثال ہوگا''...... جہاں یہ بات ہوگئی ہے وہاں ایک اور بات confirm ہوگئی ہے کہ اہلِ یورپ دجال ہیں۔

سوال: اگر مقدر دنیا پر پروٹوکول ہے، اگر یہ فکس ہے تو پھر دین میں دُعا کا کیا مقام ہے؟

جواب: بڑا اچھا سوال ہے۔ میں بھی بڑا غور و خوض کرتا رہا ہوں۔ دُعا دراصل ایک exception ہے۔ پروٹوکول میں ایک واحد exception جو اللہ نے رکھی، وہ دُعا ہے جس سے آپ کی باضابطہ ترتیبِ زندگی بدل جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حضور اکرم ﷺ اپنے اصحاب کو جب بتا رہے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ خدا، میری امت کی دُعاؤں کی وجہ سے زندگیءِ زمین آدھا دن اور بڑھا دے۔ پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ ﷺ'' آدھا دن کتنا؟'' فرمایا: ''پانچ سو برس''......یعنی بنانے والے کیلئے آپ میں سے کسی ایک کی دُعا سے یہ ممکن ہے۔ اور پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئیگی؟'' فرمایا: ''جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا شخص موجود نہیں ہوگا''

پروٹوکول میں، ایک scientific determinism ایک exception create کرتی ہے کیونکہ دُعا کے ذریعے پروردگار ایک خصوصی اختیار استعمال کرتا ہے جو ہر پیغمبر کے ساتھ وہ کر چکا ہے۔ جب زکریاؑ نے محراب میں دُعا مانگی کہ اے پروردگار! بوڑھا ہو چکا ہوں، مجھے آلِ داؤد کا وارث دے۔ حضرتِ زکریاؑ کی عمر تین سو پچھتر سال اور اُن کی بیوی کی دو سو سینتیس سال تھی:

''فَنَادَتهُ المَلٰئِکَۃِ وَ ھُوَ قَائِمٌ یُّصَلِیّ فِی المِحرَابِ''

کہ اے پروردگار! مجھے بیٹا دے، آلِ داؤد کا وارث دے، فرمایا: ''دوں گا''، بشارت ہو تمہیں۔ تمہیں ایک بیٹا دوں گا، اس کا نام یحیٰ رکھنا۔ پہلے یہ نام کسی نے نہیں رکھا تھا، تم اس بیٹے کا نام رکھنا۔ میں نے اُسے سردار بنایا، میں نے اسے عورتوں پر بند کر دیا، یہ اس کی quality ہوگی۔

''وَسَیِّدًاوَّ حُصُورًا ''(آل عمران 39:3)

تو حضرت زکریاؑ کو مصیبت پڑگئی۔ فرمایا: ''اے پروردگار! مجھ میں تو کوئی جینیاتی طاقت نہیں رہی۔ میرا تو وجود خشک لکڑی کی مانند ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، مدتوں سے بانجھ ہے، آج کی بانجھ نہیں ہے۔'' تو اللہ نے کہا: ''اچھا! دُعا مانگتے ہوئے یہ بات نہیں سوچی تھی۔ دُعا مانگتے ہوئے تجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میں کیا چیز مانگ رہا ہوں جبکہ مجھ میں اُس کی اہلیت ہی نہیں ہے تو اب یہ بات

کیوں کہہ رہا ہے؟ یہ کیوں نہیں کہتا کہ میرا پروردگار:"

"كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفعَلُ مَا يَشَآءُ" (آل عمران 40:3)

(اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔)

Beyond settled rules, regulations, criteria, judgement, determined influences he can act on his discretion wherever he likes whenever he likes........ دُعا وہ چیز ہے، جو براہِ راست خدا کی قدرت کو اعانت کے لئے بلاتی ہے۔

سوال: نظر لگنے کا کیا تصور ہے؟

جواب: ہاں جی "نظر" تو بالکل صحیح لگتی ہے۔ نظر کا فلسفہ یہ ہے کہ دماغ ایک charge پر قائم ہے۔ پورا دماغ ایک الیکٹریکل charge پر چلتا ہے اور یہ معمولی سا charge اس کے سولہ کروڑ خلیوں کو زندگی دیتا ہے، حرکت دیتا ہے اور ان میں سے آٹھ، دس، بیس ہزار خلیے متحرک ہوتے ہیں اور آج تک چھتیس، چالیس ہزار خلیوں سے کام لیا گیا ہے اور باقی کروڑوں خلیے بیکار پڑے ہیں۔ "نظر" جو ہے ایک sudden flash میں اُس تمام برقیاتی charge کو concentrate کر دیتا ہے۔ "نظر" اسمِ اعظم کی طرح ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے پوچھا گیا کہ اسمِ اعظم کیا ہے؟ فرمایا: "جب تو اللہ کا ایسے نام لے کہ ہر چیز اُس میں سے خالی ہو جائے تو وہ اسمِ اعظم ہے۔" نظر وہ کیفیتِ باطن ہے جو دل کو، دماغ کو باقی تمام کیفیتوں سے خالی کر دیتی ہے۔ electric charge سے اتنی concentrate ہو جاتی ہے کہ اسکا دباؤ جا کر اگلے انسان پر پڑتا ہے، اس کو نظر کہتے ہیں۔ نظر اتارنے کے کچھ طریقے ہیں مگر اس کا سادہ ترین طریقہ دعائے رسول ﷺ ہے، جو آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی:

"بِسمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اذهَب حَرَّ هاَ وَ بَر دَهاَ وَ وَ صَبَهَا" (حصن حصین)

(اللہ کے نام پر اے اللہ تو اس نظر بد کے گرم و سرد کو اور دکھ اور درد کو دور کر دے۔)

کہ اس شخص کو گرمی سے، سردی سے اور برائی سے بچا۔ یہ نظر کا دم ہے، یہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ جن لوگوں کو نظر لگنے کی فکر ہو، وہ اس دعا کو یاد رکھیں، پڑھا کریں۔ ان شاء اللہ یہ ان کو نظر نہیں لگنے دے گا۔

سوال: اعتدال کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں زکوۃ نہیں دی کیونکہ وہ صاحب

نصاب نہیں تھے حالانکہ وہ بادشاہ تھے۔ حضورﷺ کی اس عادت کو ہم کس حد تک اپنائیں۔

جواب: وہ بادشاہ نہیں تھے۔ یہ چھوٹی سی حدیث تو نہیں ہے جسے میں صحیحین سے کہوں مگر یہ حدیث اتنی خوبصورت اور واضح ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپکو اسکا اعزاز بخشوں اور اسے آپ تک پہنچا دوں۔ ایک دفعہ گرسنگی اور فاقے میں کچھ دن گزر گئے اور اہلِ بیت محمدﷺ کے لئے، بیویوں کے لئے کچھ کھانے کو نہ تھا۔ تو حضورﷺ بڑے اُداس ہوئے۔ کچھ عرصہ گزر گیا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے اور گلہ کیا کہ اہلِ کفر کے لئے تو یہ دولتیں اور آلِ محمدﷺ کے لئے دو لقمے بھی نہیں۔ تو آسمان پر کڑا کا ہوا، گھبراہٹ سی پھیل گئی، ایسے جیسے کوئی زلزلہ آیا ہو اور جبرئیلِ امینؑ بڑی تیزی سے اترے، حضورﷺ کے پاس آئے اور فرمایا: ''یا رسول اللہﷺ! آپ کو اللہ نے اختیار بخشا ہے۔ یا آپﷺ نبیءِ بادشاہ ہو جائیں یا نبیءِ عبد ہو جائیں۔'' جب وہ یہ کہہ رہے تھے تو جبرئیلِ امینؑ انگلی سے زمین کو اشارہ کر رہے تھے تو حضورِ گرامی مرتبت نے اشارہ سمجھا۔ انھوں نے فرمایا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ اور رسول ہوں، مجھے بندگی پسند ہے۔ میں بادشاہ ہونا پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ بندہ بننا شاید آسمانوں میں سب سے بڑا عہدہ ہے۔

صاحبِ نصاب نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غریب تھے۔ صاحبِ نصاب ہونے کا مطلب وہی ہے، جیسے میں نے حضرتِ اسماء کی حدیث میں بتایا تھا۔ کہ حضورﷺ نے فرمایا: اسماء! خرچ کر...... گن گن کے نہ رکھ...... چونکہ حضورﷺ کے پاس گن گن کر رکھنے کو بھی نہ تھا، اس لئے میرا خیال ہے کہ زکوٰۃ اُس گھر سے محروم اور اُداس نکلی ہوگی مگر یہ تو نہیں ہے کہ زکوٰۃ ہم تک پہنچی نہیں ہے۔ رسول اللہﷺ کی زکوٰۃ تو پندرہ سو برس کے بعد بھی ہم اشرافِ دُنیا تک پہنچی اور یہ اُن کی عنایت ہے کہ اُن کی زکوۃ پر ہم آج تک ایمان کا سہارا لئے ہوئے ہیں۔ وہ صاحبِ نصاب تو تھے مگر اُن کی زکوۃِ علم پہنچی ہے، بجائے زکوٰۃ مال کے...... ویسے بھی سکہّ بدل گیا ہوتا اگر حضورﷺ نے زکوٰۃ چھوڑی ہوتی۔

سوال: قرآن پاک نے ہمیں بہت سے عالموں سے متعارف کروایا مثلاً جنت و دوزخ، عرش، کرسی، اعراف...... ان کی روحانی حیثیت کیا ہے؟

جواب: اصل میں ہم لوگ چونکہ بعض اوقات تاویلات کی وجہ سے موضوع سے دور نکل جاتے ہیں۔ تو دراصل سب سے بہتر مسلک یہ ہوتا ہے کہ ہم ان کو ویسے ہی دیکھیں، جیسے یہ ہیں، تو حشر و نشر اور جنت و دوزخ عرش، کرسی، اعراف...... یہ سب کچھ عرصہ پہلے ہمارے لئے مبہم نظریہ تھے۔

مثال کے طور پر جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے تو ہمیں بڑی حیرت ہوتی تھی کہ کتنی بڑی کرسی ہوگی؟ اُس کی ہتھیاں ہونگی کہ نہیں۔ اللہ نے کہیں ٹیک لگائی ہوئی ہے کہ نہیں۔ جب حشر ونشر کا سوچتے تھے تو ہم سوچتے تھے کہ ایک دن میں جس کی لمبائی پچاس ہزار سال ہوگی۔ تو مسئلہ پیدا ہوتا تھا کہ چونکہ اُس وقت ہماری معلومات کم تھیں، علم کم تھا اس لئے ہم یہ خیال کرتے تھے کہ یہ تاویلات ہیں۔ ہم یہ خیال کرتے تھے کہ ہمارے پاس ان کی practical وضاحت نہیں ہے، عملی وضاحت نہیں ہے بلکہ ہم انکو خیالاتی وضاحتوں میں پیش کرتے تھے مگر اب ایسا نہیں ہے۔

جوں جوں ہم اس پندرہ billion بلکہ trillion سالوں کی کائنات میں گھس رہے ہیں، ہمیں بڑی آسانی سے یہ اندازہ ہو رہا ہے۔ کہ عرش کیا ہے، کرسی کیا ہے اور اعراف کی روحانی حیثیت کیا ہے؟ اعراف کا تعلق اُن لوگوں سے ہے کہ جن کی ایک نمایاں خوبی زندگی بھر اُن پر حاوی رہی جیسے ''حاتم'' بنو طے کا سردار ہے مگر اُن کو ایمان کی روشنی اُس طرح نصیب نہ ہوئی، مگر انھوں نے بت پرستی بھی نہیں کی، چونکہ اُن کا ایمان واضح نہیں تھا، اُن کا کفر بھی واضح نہیں تھا، تو اعراف اس اُونچائی کو کہتے ہیں، جہاں سے وہ دونوں طرف جھانک سکتے ہیں مگر دونوں میں شریک نہیں ہوتے۔ یہ مابین condition ہے۔

جیسے ہمارے بڑے منصف، لوگ کہتے ہیں کہ ایک شخص بڑا نیک، بڑا ہی نیک ہے، تو اس کو سزا کیوں ملے گی۔ صاحب! اس کو سزا نہیں ملے گی۔ اگر وہ صرف خدا کو دور سے جانتا تھا اور اگر اُس نے بت پرستی نہیں کی، ساری عمر کارِ خیر کئے۔ اس میں انبیاء کے اعتقاد کو نکالا گیا ہے۔ وہ لوگ جو خدائے واحد کو تو مانتے تھے مگر انبیاء کو نہیں مانتے تھے، چونکہ وحدانیت میں ایمان درست تھا اس لئے ان کو درمیان میں اعراف میں رکھا جائے گا۔ بہتر status تو ماننے والوں کیلئے ہیں۔

سوال: نفس اور خودی کی پہچان کیا ہے؟ اور علامہ اقبال کی خودی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: خودی...... اقبال نے اس لفظ کو بہت زیادہ confuse کر دیا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ normally ہم تک یہ لفظ کبھی پہنچا نہیں تھا تو انائے صغیر کی حیثیت سے اقبال نے اسے اپنی شاعری میں متعارف کروایا۔ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ انائے مطلق تو صرف اللہ کی ہے اور انائے صغیر انسان کی...... اور خودی یہ ہے کہ جیسے اُس نے خود کہا، : خودی کا سِرّ نہاں لاَ اِلٰــــہَ اِلّا اللہ ''تو اقبال کی خودی سے مراد بھی یہی ہے کہ ایک ایسا مسلمان جو اللہ کے توسط سے اپنی پہچان کر رہا ہے تو اُس کی انائے صغیر جو ہے، وہ انائے مطلق کے ساتھ adjust ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن گئی۔

اقبال کے بارے میں میری رائے تھوڑی سی different ہے کہ اقبال دل کے کچھ کمزور تھے۔ میرے کشمیری بھائی تھے۔

اقبال ہمیشہ زندگی کے معاملات میں تھوڑے پریشان رہا کرتے تھے تو انہوں نے کچھ symbol چنے ہیں، اپنے لئے بھی اور اپنے جیسے دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی...... انہوں نے ایک ایسا powerful symbol چنا، جس کی وجہ سے اس وقت کے شکست خوردہ مسلمانوں کے اعتماد کی بحالی ہو سکتی تھی، جیسے شاہین، عقاب وغیرہ...... اُن کی پسندیدگی بھی کچھ ایسے لوگوں کے لئے تھی جو مذہبی standard پر پورے نہیں اُترتے تھے، جن کو کسی طریقے سے بھی مسلمان نہیں کہا جا سکتا، جیسے قرۃ العین طاہرہ، جیسے حلاج، جیسے سرمد...... یہ لوگ ہمارے standard of religion پر نہیں آتے مگر اقبال نے یہ symbol جرأتِ اظہار، پامردی، ایک وسعتِ نظر اور بلندیٔ کردار کے لئے چنے تا کہ اُس وقت کی غلامی کے تعّصب کو توڑ کر، اُس جمود کو توڑ کر، ایک نئی طاقت و حریت مسلمان کے اندر پیدا کی جائے۔ اقبال بڑی وضاحت سے کہتا ہے کہ

از غلام لذتِ قرآن مجو
گرچہ باشی حافظِ قرآن مجو

کہ ایک غلام اگر حافظِ قرآن بھی ہو تو اُس سے لذت مت ڈھونڈ اس لئے کہ وہ قرآن کو بھی غلامانہ interpretation دے گا۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ اُس پس منظر کو دیکھا جائے تو اس وقت کے بڑے بڑے علماء انگریز کا ساتھ دے رہے تھے۔ British Intelligence نے مسلمانوں کو امتِ واحدہ ہونے سے روکنے کے لئے اپنی مختلف agencies کے ذریعے چھوٹے چھوٹے گروہی مذہب تخلیق کئے جو آج تک ہمیں زک پہنچا رہے ہیں اور نشانِ اُمتِ مسلمہ بٹ رہا ہے اور گروہی اقدار کو ترقی حاصل ہو رہی ہے اور یہ اُن کی اس وقت کی special کارروائی تھی۔ اگر ہم نفس کے حوالے سے خودی کو دیکھیں تو حرام ہے۔ اگر اقبال کے literary انا اور اسلامی نظریے کے حوالے سے دیکھیں تو جائز ہے۔

سوال: اگر تم بار بار گناہ کرو اور توبہ کرو تو خدا بار بار معاف کرے گا۔ کیا یہ احادیث قرآن کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ کس لحاظ سے......؟؟؟

جواب: یہ بالکل مطابقت رکھتی ہے اس لئے کہ جب قرآن کی یہ آیت اُتری:

''قُل یٰعِبادِیَ الَّذِینَ اَسرَ فُو عَلیٰ اَنفُسِہِم لَا تَقنَطُو مِن رَّ حمَۃِ اللّٰہِ. (الزمر 53:39)
میرے بندوں سے کہہ دو کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا، جنہوں نے بہت گناہ کئے......
اسراف گناہ کے معنوں میں ہے، جو انسان سے بار بار ہوں۔ جب انہوں نے کسی جبلت کو بے جا خرچ کیا، بے سود کیا، تو ان سے کہہ دو کہ تم نے بڑی زیادتی کی، بڑے گناہ کئے۔ ایک بہت بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا: ''لَا تَقنَطُوا مِن رَّحمَۃِ اللّٰہِ" (میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔)" اِنَّ اللّٰہَ یَغفِرُ الذُّنُوبَ جَمِیعاً. " (الزمر 53:39) آگے خدا نے جو قانون دیا ہے اُس کی وضاحت اس آیت میں ہے۔" اِنَّ اللّٰہَ یَغفِرُ الذُّ نوُبَ جَمِیعاً. (اللمر :53:39) اس میں کوئی تخصیص نہیں رکھی بلکہ totality میں کہا کہ میں نے تمہارے تمام گناہ معاف کر دیئے اور کیوں نہ کروں: ''اِنَّہٗ ھُوَالغَفُورُ الرَّحِیم" میرا job ہی بخشنا ہے۔ کوشش کریں کہ ہم اُس کے نقطۂ نظر سے زندگی کو دیکھیں، اپنے rigid پہلو سے نہ دیکھیں۔

پورے قرآن میں کفر کی سزا، مصائب کی جہنم کی، نوید کس کے لئے ہے؟؟؟ کیا آپ اُن کے مخاطب جانتے ہیں ؟؟؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ آدھے قرآن میں سزا اور punishment کے مخاطب کون ہیں؟ اہلِ مکہّ، قریشِ عرب، انہی کو بار بار، چھوٹی چھوٹی بات پر سزا ہو رہی ہے، جوتے مارے جا رہے ہیں، جہنم سنائے جا رہے ہیں مگر کیا آپ جانتے ہیں کہ اہلِ مکہّ میں سے کتنے لوگ کافر رہے؟ کتنے لوگوں کو یہ سزا کے وعدے پہنچتے رہے؟ پانچ، چھ، سات، گیارہ بارہ...... آپ حیران ہونگے کہ آدھا قرآن جنکو مصائب سنا رہا ہے، سزا سنا رہا ہے، وعیدِ عذاب سُنا رہا ہے، اُن میں بمشکل پانچ یا چھ جہنم تک پہنچے، وہ جو بدر میں مارے گئے، وہ جو اُحد میں مارے گئے...... باقی سارے کے سارے بخشے گئے۔ باقی سارے کے سارے مسلمان ہو گئے۔
تو خدا سزا میں کچھ اور سُناتا ہے، دل میں کچھ اور رکھتا ہے......

سوال: کیا ذکر اللہ صرف اللہ اللہ کرنا ہے؟

جواب: جی ہاں لگتا تو یہ ہے مگر صرف اللہ اللہ کرنا نہیں ہے، بے مصرف اللہ اللہ کرنا نہیں ہے بلکہ

؎ یادِ یارِ مہرباں عائد ہمی

یہ ایک مہربان دوست کی یاد ہے۔

؎ یادش بخیر آپ ہمیں یاد آ گئے

اللہ کی یاد بالکل اُسی طرح ہے جیسے کسی محبوب ترین تصور کی یاد آتی ہے۔ خدا صرف اتنا کہتا ہے کہ

جب تمہارا محبوب تمہارے سامنے نہ ہوتو تم کیا کرتے ہو...... یاد ہی تو کرتے ہو اور کیا کرتے ہو؟ اور اگر آپکو یہ دیکھنا ہو کہ آپکو کس سے زیادہ محبت ہے تو تھوڑے عرصے کے لئے آپ اُس سے جُدا ہو جایئے، تنہائی میں جایئے اور پھر سوچیے کہ آپکو کون زیادہ یاد آتا ہے۔ تو جو زیادہ یاد آئے گا اُسی سے زیادہ محبت ہو گی۔ دُنیا پر محبت کا کوئی اور امتحان نہیں، سوائے یاد کے...... اگر آپ ایک بندے سے محبت کرتے ہو اور آپ اکٹھے ہوں گے اور بڑا عرصہ اکٹھا رہنے کے باوجود آپ کو محسوس نہیں ہوگا کہ you are in love with another person. مگر جس دن جدائی پڑے گی۔ فصلِ فراق کٹے گی، اسی دن آپکی آہ وزاری شروع ہو جائے گی۔ اُس دن آپکو ہر آہٹ پر اُس کے آنے کا گمان ہوگا۔

آہٹ پہ کان، درپہ نظر، دل میں اشتیاق
کچھ ایسی بے خودی ہے ہمیں انتظار کی

تو خدا یہ کہتا ہے کہ مجھے اسی طرح یاد کرو:

" فَاذ کُرُو اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلیٰ جُنُوبِکُم " (النساء4:103)

کھڑے بیٹھے، کروٹوں کے بل مجھے یاد کرو۔ مگر کرو کیسے......؟؟؟

" فَاذ کُرُو اللّٰہَ کَذِ کرِکُم آ بَاءَ کُمْ اَواَشَدَّ ذِکرًا "(البقرۃ 2:200)

اہلِ عرب کی عادت عورتوں کو یاد کرنے کی نہیں تھی۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کو بڑا یاد کرتے تھے۔ اُن کو اپنے نسب سے بڑی محبت تھی۔ ہر وقت انہی کا ذکر کرتے تھے۔ ہر وقت انہی کے قصیدے پڑھتے تھے۔ تو خدا نے اُن کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ جتنی نسبت اور جتنی محبت تمہیں اپنے آباؤ اجداد سے ہے: مجھے ذرا اُس سے زیادہ یاد کرو کہ مجھے یہ احساس ہو کہ اے میرے بندو! تم مجھے ہر چیز سے بڑھ کر پیار کر رہے ہو۔

''لَن تَنَالُو البِرَّ حَتیّٰ تُنفِقُو مِمَّا تُحِبُّونَ " (الِ عمران 3:92)

تم کبھی میری محبت حاصل نہیں کر سکتے، جب تک کہ میرے لئے اُن محبتوں کو قربان نہ کرو، جو پہلے سے تمہارے دل میں ہیں۔ صبح کرو، شام کرو، رات کرو......

آپ کے رسول ﷺ کو نبی ذاکر کہتے ہیں۔ ایک بار آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے اور عبداللہ بن مسعودؓ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا: ''یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ دو شخص آپکے پاس آئے اور ایک نے دوسرے سے کہا۔ اس مردِ عجیب و غریب کو دیکھتے ہو، اس کی آنکھ بند ہے

مگراس کا دل خدا کے ذکر سے معمور ہے۔ یہ سوئے ہوئے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں''۔ اسی لئے ایک بات بڑی خوبصورت آئی کہ اگر کوئی خدا کا ذکر کرتے کرتے سو جائے اور اُسکی تسبیحات باقی ہوں تو خدا ملائکہ کو حکم دیتا ہے، کہ اس کی باقی کی تسبیحات پوری کرو...... یہ ذکر خالی ذکر نہیں ہے۔ اللہ نے حدیثِ رسول ﷺ میں بھی، قرآن میں بھی، ممانعت کی کہ شور شرابا نہ کرو۔ ذکر سے مراد ہنگامہء کبریٰ نہیں ہے، شور و غوغا نہیں ہے۔ ایسی مجلسیں نہ سجاؤ کہ راہ چلنے والے لوگ گھبرا جائیں کہ کیا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ آرام سے، سکون سے، محبت سے، تسکین سے، نرمی سے، نہ اتنی اونچی آواز میں کہ لوگ گھبرا کر ہڑ بڑا کر اٹھ جائیں اور نہ اتنی کہ جسے تمہاری اپنی سماعت بھی نہ سن سکے۔ نرم آواز میں خدا کا ذکر کرو۔ ایک بار آدھی رات کو میں اپنے گھر میں تھا۔ میری آنکھ کھل گئی، تو میں نے سنا کہ ایک مسجد میں سے ''اللہ ھُو'' کی آواز آ رہی تھی اور وہ اتنی تیز آ رہی تھی، کثرت سے...... اور چاروں طرف لاؤڈ سپیکر لگے ہوئے تھے تو لگ یہ رہا تھا کہ اُن حضرت نے تہجد پڑھی ہے اور اس کے بعد ذکر فرما رہے ہیں، مگر مجھے ایک لمحے کے لئے بھی نہ لگا کہ یہ خدا کے لئے ذکر فرما رہے ہیں بلکہ انکے ذکر کا specific مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص آرام سے نہ سوئے...... خدا نے ایسے ذکر سے پرہیز کرنے کو کہا ہے۔ سوچ سے، سمجھ سے آپ خدا کو یاد کریں۔ محبت و انس سے خدا کو یاد کریں اور ساتھ ساتھ اپنے بہت قریب کے دوستوں کی ایک خصوصی پہچان فرمائی کہ:

''اَلَّذِینَ یَذکُرُونَ اللہَ قِیَا مًا وَّ قُعُودًاوَّ عَلیٰ جُنُوبِھِم وَ یَتَفکَّرُونَ فِي خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرضِ.''(آل عمران3:191)

(کہ نہ صرف اللہ کو صبح و شام اور دوپہر یاد کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زمین و آسمان کی تخلیق پر غور بھی کرتے ہیں۔)

تسبیح، ذکر و فکر کے ساتھ ہے۔ فہم و فراست کے ساتھ ہے۔ اب آپ دیکھئے، ایک آدمی آتا ہے، کہتا ہے کہ آیت کریمہ بھاری تو نہیں۔ فلاں شخص آ رہا ہے، کہتا ہے کہ یہ تسبیح جلالی تو نہیں، جمالی تو نہیں...... جس نے زندگی بھر کم از کم محبت اور انس سے خدا کو یاد کیا ہو، اُس کو تو کوئی چیز جلالی اور جمالی نہیں لگتی۔ اُس پر تو کوئی تسبیح غلط اثر نہیں رکھتی۔ کسی کے دل و دماغ پر تسبیح بوجھ نہیں بنتی۔ مدت سے میرا اور اللہ کا ساتھ ہے اور ہم میں ''یاد اللہ'' رہتی ہے۔ direct dialing ہوتی رہتی ہے۔ عرصہ دراز سے میں تسبیح کر رہا ہوں، آج تک مجھے تو پتہ نہیں چلا کہ کسی تسبیح نے میری بینائی کمزور کر دی ہو، کسی تسبیح کی وجہ سے مجھے کوئی ذہنی کوفت ہوتی ہو...... اور ذکر

الٰہی نے ہمیشہ میری اس ذلت کو اور میری سختی کو آسان فرمایا ہے، تو خدا کی یاد کبھی بوجھ نہیں ہوتی۔ یہ اُنس ہے، محبت ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے، اس کے پیچھے آپ کی فتح و نصرت ہے۔

" وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیرًا "(النساء 45:4)

ذکر اللہ کی بات یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کا جب خصوصی ذکر ہوا تو حضرت موسیٰؑ کی بات نہیں ہے، ابھی میں حضرت زکریاؑ کی مثال دے رہا تھا، ان کو بھی یہ کہا گیا کہ تین دن تُو خاموش رہے گا اور کثرت سے اس میں

" وَ سَبِّح بِحَمدِ رَبِّکَ بِالعَشِیِّ وَ الاَبکَار "(مومن 55:40)

(تسبیح کر صبح اور شام کو۔)

تمام پیغمبر باقی خلق سے اس لئے ممتاز ہوتے ہیں کہ وہ اللہ کی یاد بڑی کثرت سے کرتے ہیں بلکہ کچھ تسبیحات جو ہم تک پہنچیں اور جو بہت خوبصورت تسبیحات ہیں وہ پیغمبروں کی تسبیحات تھیں۔ پیغمبر کی تسبیح کا انداز تھوڑا سا جدا ہوتا ہے۔ پیغمبر اپنے ذکر میں personal ہوتا ہے۔ مثلاً جب شعیبؑ پر خوف و خطر آیا اور دُشمنوں نے یہ عہد کیا کہ ہم اُن کو قتل کریں گے تو حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ

"اِنَّ رَبِّی عَلٰی کُلِّ شَیءٍ حَفِیظ "(ھود 57:11)

اور آج بھی اپنی ذاتی حفاظت کے لئے اس سے بڑی کوئی تسبیح نہیں۔ اگر آپ اسٹائل کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لفظ میرا ربّ...... بڑا personal ہے اور ان کی یہ personal relationships اُن کی تسبیحات میں نمایاں ہیں۔ یہ ایک پیغمبر کا سٹائل ہے۔ جب حضرت سلیمانؑ کو ترقی، مرتبہ اور عزت نصیب ہوئی۔ فرمایا:

"فَاِنَّ رَبِّی غَنِیٌّ کَرِیم "(النمل 40:27)

(بے شک میرا رب بڑا غنی ہے اور کریم ہے۔)

حضرت ہودؑ پر جب ایک وقت آیا تو انہوں نے کہا:

"اِنَّ رَبِّی رَحِیمٌ وَدُود "(ھود 90:11)

(بے شک میرا ربّ محبت کرنے والا ہے۔)

تو آپ دیکھیں گے کہ تمام پیغمبروں میں جب حضرت یوسفؑ پر نفس کا اشکال آیا، تو فرمایا:

"وَ مَا اُبَرِّیءُ نَفسِی اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی ط اِنَّ رَبِّی

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (یوسف 53;12)

(اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔)

تمام پیغمبروں کا تسبیح میں، اپنائیت کا انداز ہے۔ محبت کا اور اپنائیت کا انداز ہے۔ جن دنوں میں خدا کی یاد کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا...... ایک بڑا خوبصورت شعر ہے۔ اس بہانے سے آپکو سنا دوں:

تیرے کوچے ہر بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

جن دنوں میں خدا کی یاد کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا تو قرآن کی گلیوں میں ایسے بڑے بڑے کمالات نظر آئے...... بڑے بڑے طرزِ تسبیح...... بڑے بڑے طریقے ایسے نظر آئے اور قریباً قریباً ہر خوبصورت آیت کی تلاوت میں اتنی اتنی خوبصورت آیاتِ تسبیح نظر آئیں کہ میں کہہ نہیں سکتا کہ اسکی تلاوت میں کتنی حلاوت ہے، کتنی شگفتگی، کتنی محبت ہے اور جب آپ اُس کے عادی ہو جاتے ہیں اور جب آپ اس کو آگے بڑھاتے ہیں، جب تسبیح آپکی دوست ہوتی ہے، جب محبت آپکی میراث ہوتی ہے اور جب تعلق آپ کے تعاقب میں ہوتا ہے، جب کائنات آپکے لئے سمٹ کر ایک نقطہء آرزو میں چلتی جاتی ہے تو خدا آپکے کتنا قریب ہوتا ہے۔ یہ آپکی آرزو کے مطابق ہوتا ہے۔

سوال: اگر تسبیح کا مطلب صرف نہایت خلوص سے اللہ اللہ کرنا ہی ہے تو کیا جب موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ جاؤ!! فرعون کو پیغام دو اور ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی'' اور ذکر اللہ پر سختی سے قائم رہو تو یہ ذکر جو وہاں پر آیا وہ کس کیفیت پر ہے؟

جواب: نماز اور شرع کی پابندی چونکہ ایک پیغمبر کے لئے اور اُسکی امت کے لئے common ہوتی ہے تو خدا common پر پیغمبر کو حکم نہیں دیتا۔ اسی لئے کہا کہ ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی'' کہ نماز بھی پڑھو تو میرے ذکر کے ساتھ...... نماز کا مقصد بھی چونکہ یہی ہے کہ میرے لئے قائم کرو۔ موسیٰؑ کو اس لئے بھی کہا گیا کہ حضرت موسیٰؑ وہاں جانے کے لئے چونکہ بہت خوفزدہ تھے، ان کا دل کانپتا تھا اور مختلف جگہوں پر معجزات دیکھ کر بھی...... جب وہ آگ دیکھنے گئے:

''سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن'' (النمل 8:27)

وہاں بھی اور جب انہوں نے آگے بڑھ کر دہ سانپوں کے کرشمے دیکھے، وہاں بھی اور حضرت موسیٰؑ میں یہ خوفزدگی بھی جاتی تھی کہ میں نے چونکہ اُنکا ایک بندہ قتل کیا ہوا ہے تو حضرتِ موسیٰؑ متامل تھے

اور پرہیز کرتے تھے فرعون کے دربار میں جانے کے لئے تو دل اضطراب میں تھا اور یہ بار بار قرآنی آیات سے ہمیں نظر آتا ہے کہ پیغمبر کا دل اضطراب میں تھا، پھر اللہ نے ان کو یہ آیت فرمائی کہ تُو میرے ذکر پر سختی سے کان رکھ، یہی تیرے مسائل کا حل ہے۔ جو چیز آپ سوچ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں وہ ایک نقطۂ نظر ہے مگر وہ تاویل میں جا سکتا ہے۔ میں اُس کو جانتا ہوں جو آپ کہہ رہے ہیں۔ وہ personal ہوسکتی ہے میرے اور آپکے درمیان مگر وہ ایک رُخ ہے، اُس کی تاویل کا...... وہ میرے اور آپکے درمیان ہوسکتی ہے مگر عمومی طور پر نہیں۔

سوال: آج کے معاشرے میں اعتدال کیسے قائم ہوسکتا ہے اور کوئی ایسی صورت جس میں اعتدال نہیں بلکہ انتہا پسندی کی اجازت ہو مثلاً جہاد؟

جواب: حضراتِ محترم! اس سوال پر مجھے تھوڑا سا اعتراض یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ اعتدال ہی کی پیداوار ہے اور aggressiveness ایک instinct ہے جو ہم میں سے ہر انسان میں موجود ہے۔ اسے ہم مجادلت کی جبلت بھی کہتے ہیں۔ مجادلت کی جبلت کے بہت سے رُخ ہیں۔ وہ گلی محلے میں بھی لڑتی ہے، فتنہ و فساد بھی پیدا کرتی ہیں، اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے cut-throat killer کی صورت میں بھی ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں پروردگار نے اُس مجادلت کی، اُس جنگ و فساد کی جبلت کو اپنے لئے مخصوص کیا ہے کہ اس جبلت کا بہترین مقصد خدا کی راہ میں جنگ کرنا ہے مگر extremity سے نہیں۔

"وَقَاتِلُو فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُو نَكُم وَلَا تَعتَدُو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ المُعتَدِينَ". (البقرہ 190:2)
کہ قتل کرو اللہ کے لئے...... ضرور کرو، مگر حد سے نہ بڑھنا، زیادتی نہ کرنا، یعنی اپنے لئے بھی قتل کرنے کا حکم دیا تو اعتدال سے، زیادتی سے نہیں۔ اس لئے یہ extremity کسی صورت میں بھی جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے It is a natural instinctive defence against all those people who don't believe in God.

سوال: خدا کو خوبصورت انسان پسند ہیں۔ بدصورتی کی تعریف کریں وہ خدا کو کیوں ناپسند ہے؟

جواب: اصل میں یہ شکل و صورت کے pattern پر تو نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک بلالؓ بہت خوبصورت انسان تھے۔ اگر دیکھیں تو بلالؓ کی شکل و صورت کوئی اتنی خاص اچھی نہیں تھی۔ صہیب رومیؓ کی شکل کوئی اتنی اچھی نہیں تھی۔ بہت سارے اصحابِ رسول ﷺ خوبصورت نہیں تھے۔ ایک صحابی اُس وقت موجود تھے، وہ اتنے بدصورت تھے کہ بدصورتی میں بہت نمایاں تھے۔ تو حضور ﷺ

کواُن سے اتنا پیار تھا کہ جب وہ آتے تھے تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ دیکھو ہمارا محبوب ہمارے لئے سبزی لے کر آیا ہے اور اُن سے بڑا پیار رکھتے تھے۔ obviously اللہ کے ہاں بھی جو شکل و صورت ہے وہ کسی انسان کی آزمائش تو ہے کہ ایک انسان اپنی inner صلاحیتوں سے کام نہ لے اور اپنی outward بدصورتی کے بارے میں پریشان رہے یا ایک دوسرا انسان اپنی خوبصورتی پر ناز کرے اور اپنے آپکو جہنم کی خوراک بنا لے تو Outward concepts of beauty and aesthetic sense are injurious to the real nature of faith.

اصل میں خداوندِ کریم گناہ وثواب کو حسن و بدصورتی کا نام دیتا ہے۔ گناہ ugliness ہے اور نیکی خوبصورتی ہے۔ ایک صراطِ مستقیم ہے، ایک diversion ہے۔ اللہ کے نزدیک خوبصورت وہی ہے جس کے افعال واعمال خوبصورت ہیں، جس کے افکار خوبصورت ہیں۔ قول و فعل اور فکر میں ہم آہنگی خوبصورتی ہے اگر خدا کے لئے ہو۔ اور ان میں تفریق بدصورتی ہے، اگر خدا کے لئے نہ ہو......

سوال: اگر خدا کے ہاں ہر گناہ کی بخشش ہے تو پھر آدم کا گناہ معاف کیوں نہ کیا گیا اور اسے سزا کے طور پر زمین پر کیوں بھیجا گیا اور پھر خدا یہ بھی کہتا ہے کہ میں بار بار توبہ قبول کرتا ہوں تو کیا یہ گناہ کی ترغیب نہیں ہے؟

جواب: تو آپ دیکھئے نا کہ اللہ نے اپنی بات سچ کی۔ اگر آدم گناہ نہ کرتے تو آدم کو آدم تک ہی رکھا جاتا۔ آدم نے گناہ کیا تو اُن کو یہ انعام بخشا کہ اُس کے عوض میں اُن کے گناہ معاف کیے اور اُن کو محمد ﷺ بھی بخش دیئے۔ آپ تھوڑی سی میری بات سمجھنے کی کوشش کریں کہ یہ گناہ کی ترغیب نہیں ہے۔ یہ تکبرِ خیر سے بچنے کی فہمائش ہے۔ اور آپکو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی نیکی پر بڑائی نہ کر۔ اور اپنے آپکو متوازن رکھ اُس غلطی کے لئے۔ بدقسمتی سے آپ کے نزدیک گناہ صرف ایک چیز ہے کہ جو آپکے شرعی حدود ہیں۔

ہمارے نزدیک ہار جیت کوئی گناہ نہیں۔ ہمارے نزدیک گناہ وہ ہیں کہ جو آپ خوشی سے اور محبت سے ساری عمر کرتے ہیں اور اُس پہ کوئی حد لاگو نہیں آتی مثلاً وہ غیبت ہے، حسد، کینہ، بُغض تو اللہ نے قرآن میں کہا کہ بچ ظاہری گناہوں سے بھی اور باطنی گناہوں سے بھی...... اگر آپ ظاہری گناہ کریں گے اور معاشرہ اسلامی ہے تو آپکو سزا مل جائے گی۔ یہ قرآن کسی غیر اسلامی معاشرے کے لئے نہیں ہے، یہ اسلامی معاشرے کے لئے ہے تو اگر کوئی ظاہری گناہ ہوا اور اُس پر

گواہین کی حجت ہوگئی تو آپ کو اس کی سزا ملے گی مگر اُن گناہوں کا کیا بنے گا جو آپ باطنی طور پر سرانجام دیتے ہیں۔ آپ اگر روزا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہوں تو وہ کہاں سے ثواب بنتا ہے۔ اگر آپکی تمام عبادات اور نماز کا رُخ تکبرات کی طرف جارہا ہوگا تو آپکو نجات کہاں سے ملے گی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: شیطان کی ایک شکل ابیض ہے، نور کی طرح ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کے جھانسے دیتا ہے۔ انھیں بڑا مقدس کر دیتا ہے۔ وہ شہہ نشین ہوں گے، وہ پیر ہوں گے، فقیر ہوں گے مگر اُن کی اصل نیات جو ہیں، وہ گناہ آلود ہوں گی۔ انکی اصل نیات خدا نہیں ہوگا، دین نہیں ہو گا، دنیا ہوگا۔ ان کا مقصد ہی یہ ہوگا، اصل میں یہ بھی گناہ ہے، وہ بھی گناہ ہے۔ اسلامی معاشرے میں انصاف قائم ہو تو ظاہری گناہ کی punishment سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ قرآن جب نفاذ میں آئیگا تو by parts نہیں آئے گا، جزوی طور پر نہیں آئیگا، یہ مکمل طور پر آئیگا۔ قرآن ایک مسلم معاشرے کی کتاب ہے۔ مسلم قانون اور شریعت کی کتاب ہے اس لئے اس میں ظاہری گناہ کا تو کوئی ایسا تصور موجود ہی نہیں ہے۔ اصل میں جن گناہوں کی میں بات کر رہا ہوں، وہ آپکے باطنی گناہ ہیں۔ آپکے خیالات کے گناہ ہیں۔ Victor Hugo نے ایک بار کہا تھا کہ اگر انسان کی باطنی سوچیں نمایاں کر دی جائیں تو ہر آدمی دن میں دس مرتبہ پھانسی چڑھے گا۔

سوال: آپ نے اپنی گفتگو میں اللہ کی جگہ خدا کا لفظ استعمال کیا ہے جبکہ اللہ کے ناموں یا صفات میں یہ لفظ شامل نہیں؟

جواب: دراصل یہ equivalent language کے الفاظ ہیں۔ فارسی ہو یا انگریزی ہو، اگر اس equivalent language کے لفظ سے اُس ذات کے علاوہ کوئی اور چیز مراد نہ ہو تو وہ valid ہوتا ہے۔

فارسی دان اُسے خدا کہتا ہے کیونکہ یہ فارسی کا لفظ ہے اور انگریز اُسے God کہتا ہے۔ اگر لفظ God آپ کے اللہ کے ہم معنی ہے تو پھر valid ہے، جیسے پروردگار کہتا ہے کہ پرانے زمانے میں جسے رحمان کہتے تھے وہ بھی میں ہوں۔ پہلے زمانے میں جسے رحیم کہتے تھے، وہ بھی میں ہوں۔ اگر آپ ایک نظر ڈالیں تو دراصل ہندوؤں میں جو برہما ہیں، وہ بھی خدا ہی کا نام ہے۔ اسی طرح مہانو وا بھی، اسی طرح اگر آپ ہمتاشا، ہمشا سا، ماہاہا، مہانابا، یہ مختلف سوسائٹیوں میں کسی چیز کو جب بڑائی کیلئے پیش کیا گیا اور اسکا نام رکھا گیا تو It is an synonym of God. اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، ہاں البتہ اگر اس کے دو معنے ہو جائیں اور

خدا سے دو معنی مراد لئے جائیں، خدا کے علاوہ بھی کوئی ہستی اس معنی میں آ جائے، تو پھر یہ غلط ہو گا۔ پھر اس پر لفظ اللہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یہ comparative synonym نہیں بنے گا۔

سوال: پچھلے دنوں جنت کے بارے میں تصویریں اخباروں میں چھپی ہیں۔ جنت کو صرف رسول اللہ ﷺ نے دیکھا اور کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا انسان قیامت تک اتنا علم حاصل کر لے گا کہ جنت کو دیکھ سکے؟

جواب: جی نہیں! اس لئے کہ حدیث رسول ﷺ میں ہے کہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ اُس کی آنکھ سے چھپا کر اللہ نے اُس کیلئے کیا رکھا ہے۔ تو کم از کم جنت کو تو ہم لوگ دیکھ نہیں سکیں گے اس لئے کہ ابھی میرے نزدیک cosmos کا جو concept ہے، وہ یہ ہے کہ شاید جتنی دور تک ہماری نگاہ پہنچتی ہے، یہی کائنات ہے۔ For Example ابھی اُس کی جو limits ہیں یا اس کی جو عمر ہے، وہ fifteen billion years ہے۔ ابھی تک جو cosmos کی دریافت شدہ عمر ہے وہ fifteen billion years ہے مگر ابھی جو نئی دریافت کا انہوں نے distance بتایا ہے، وہ fifteen trillion light years ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ پروردگار نے کہا کہ میں نے سات آسمان بنائے ہیں اور اسی طرح کی سات زمینیں تو ہمارا concept یہ کہتا ہے کہ چونکہ ہم ایک بڑے محدود angle سے پوری کائنات کو دیکھ رہے ہیں تو ہم اللہ کے سات آسمانوں کی اصل تک ابھی نہیں پہنچ سکے۔ And maybe beyond these galaxial order which we have discovered:

"اَقطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ "(الرحمن 33:55)

جو ہمارے سامنے ہیں اور جن سے انسان آگے نہیں نکل سکتے تو یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ fifteen trillion light years کی جو discovery ابھی ہوئی ہے، اس کے پیچھے بھی کوئی ایک ایسی ہی galaxy یا کائنات موجود نہ ہو۔ اسی لئے سائنس ابھی تک اس معاملے میں طفلِ مکتب ہے بلکہ سب سے بڑی tragedy تو یہ ہے کہ ابھی تک سائنس کو وہ پیمانہ نہیں مل سکا جس سے اس cosmos کے distance کو ماپا جا سکے۔ وہ ہر روز ایک نئے پیمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے:

" اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ السَّمٰوٰتِ وَّمِنَ الاَرضِ مِثلَھُنَّ "

کہ اللہ نے سات آسمان بنائے ہیں اور اسی طرح کی سات زمینیں بھی۔ اللہ نے خالی سات زمینوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان کی آبادی کا بھی ذکر کیا ہے۔

"یَتَنَزَّلُ الْاَمرُ بَینَھُنَّ"

(اوران سب زمینوں پر ہمارا حکم اُترتا ہے۔)

کیونکہ قرآن حکم ہے، اسلئے خدا کا یہ قولِ مبارک ہے کہ ہم نے سات آسمان بنائے، سات constellations بنائی ہوئی ہیں، جس کے ساتھ سات life belts یعنی earth وابستہ ہیں، اُن میں انسان آباد ہے اور اُن میں ہمارا حکم اُترتا ہے:

"لِتعلَمُو اَنَّ اللہ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیر"

(اور یہ اس لئے ہے کہ تم جان جاؤ کہ اللہ کتنی بڑی قدرت والا ہے۔)

جہاں اِنَّ اللہَ عَلیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیر کا لفظ ہے، وہ اس بات پر نہیں ہے کہ وہ خالی قدرت والا ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ کتنی بڑی قدرت والا ہے۔ اس کا احاطہءِ قدرت چونکہ ممکن نہیں ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ By now after a long years of human exercise in cosmological knowledge, we have been able to just open the first chapter of galaxial life.

دوسری بات یہ ہے کہ میرا یہ بھی ذاتی خیال ہے۔ افسوس کہ میں ایک Physicist نہیں ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ کسی دن اچھے Physicists اس امکان کے بارے میں جان لیں گے جو اس وقت میرے دماغ میں ہے کہ کائنات کی کوئی بھی multisider expansion نہیں ہے بلکہ جیسے ٹارچ سے نکلی ہوئی روشنی بہت بڑی کائنات کا احاطہ کرتی ہے اور جیسے آنکھ سے...... ایک چھوٹی سی مختصر سی آنکھ سے...... جس کے بارے میں شاعر یہ کہتا ہے کہ

دیکھ اللہ ہے چھوٹے کو بڑائی دیتا
آسمان آنکھ کے تِل میں ہے دکھائی دیتا

اگر ایک چھوٹے سے نقطہءِ مرکوز اور منبع روشن سے ہم پوری کائنات کا vision حاصل کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات کا یہ جوفشار ہے، یہ وہی وسیع تر کائنات ہے جس کے بارے میں پروردگار نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے وَالسَّمَآءِ بَنَینٰھَا کہ ہم نے آسمان کو زورِ بازو سے بنایا، قوت سے بنایا وَاِنَّا لَمُوسِعُون اور ہم اسے وسیع تر کر رہے ہیں۔ تو یہ

expansions ضروری نہیں ہے کہ multi-sided ہوں بلکہ یہ کائنات ایک رخ سے کھولی جارہی ہے اور اس کے پیچھے وہ طاق ہے اور اُس طاق کے پیچھے وہ چراغ ہے۔ اس چراغ کے سامنے وہ آئینہ ہے...... جیسے یہ میرا طاقِ نظر ہے...... جیسے اس میں یہ آئینہ روشن ہے...... جیسے اس میں سے نکلتی ہوئی روشنی کائنات کا احاطہ کررہی ہے۔ ایسے ہی یہ پوری کی پوری کائنات پلٹتی ہوئی خدا کی نظر تک جاتی ہے۔

" وَهُوَالسَّمِيعُ البَصِير "(الشوریٰ 11:42)

سوال: اسلام میں مردے کو دفنانے کا کیوں حکم دیا ہے اور اگر اسے جلا دیا جائے تو بہت سی جگہ بچ جائیگی؟ کیا مرنے کے بعد بھی انسان زندہ انسان کے کام آسکتا ہے۔

جواب: اصل میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ perhaps یہ Semites کا اور Himyarite nations کا فرق ہے بنوحام بن نوح جب انڈیا میں وارد ہوئے تو انہوں نے مردوں کو جلانا شروع کیا۔ دونوں چیزیں پاک کرنے والی ہیں...... آگ اور مٹی...... جیسے تیمّم اور دوسری چیزیں ہیں۔ خدا نے کہا کہ تین چیزیں پاک کرنے والی ہیں، ایک آگ ہے، پانی ہے او رمٹی ہے۔ آگ میں طہارت ہوسکتی ہے لیکن خدا اپنے قوانین mend بھی کرتا ہے:

" مَا نَنسَخ ......" (البقرة 106:2)

اس کے بعد pattern میں جو change آئی وہ شاید دو علیحدہ نسلوں کو ملی ہے جیسے بنوحام بن نوح انڈیا وغیرہ میں لاشیں جلاتے ہیں۔ جیسے بنوسام بن نوح شروع ہی سے دفناتے چلے آرہے ہیں اگر اس کے پیچھے تاریخ دیکھی جائے تو قابیل اور ہابیل جس دوران آپس میں لڑ پڑے تھے۔ تو اُس وقت جو pattern تھا قربانی کو قبول کرنے کا...... وہ یہ تھا کہ آسمانوں سے ایک آگ آتی تھی اور وہ قربانی کو اٹھا کر لے جاتی تھی۔ obviously اُس وقت شاید آگ سے جلانا بہتر سمجھا گیا ہو مگر جب یہ miraculous happening بند کردی گئی تو پھر بنوسام بن نوح نے مٹی میں دفنانے کا طریقہ استعمال کرنا شروع کیا۔

دفنانے کا اصل مقصد اللہ کے نزدیک biologically, chemically and medically نسل انسانی کیلئے بہتر تھا اور وہ بہتری یہ ہے کہ مٹی اس کی بو، اس کے اثرات، لاش کی stagnation اس کے diabolical bifurcation کو سمیٹ لیتی ہے اور شاید انسانوں کیلئے بھی یہ اس طرح بہتر ہے کہ ان کے عزیز و اقارب کو اس نفرت، وحشت اور خوف سے

بچایا جائے کہ اگر وہ سامنے ہوں اور اپنے عزیز پر چھتیس اور اڑتالیس گھنٹے گزرتے ہوئے دیکھیں تو وہی شخص جس کی محبت اور انس اُن کے دل میں بے شمار ہوتی ہے، آپ سوچ نہیں سکتے کہ وہ اُس سے کیسے بھاگیں گے۔ اس لئے خدا نے پردے کا یہ طریقہ استعمال کیا اور زمین کو سمیٹنے والا بنایا۔ ورنہ جیسے وہ لوگ جلاتے ہیں، اگر آپ غور کریں تو اس وقت بھی کسی نے ارتھی جلتی ہوئی دیکھی ہو تو میرا خیال یہ ہے کہ... It is abhorrence

اگر غور کریں تو بہت ساری قوموں میں دفنانے کے اصول کو naturally جلانے سے بہتر سمجھا گیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہندو بیچارہ اس معاملے میں معذور ہے۔ کچھ سزا اُسے خدا کی طرف سے ملی...... کچھ سزا وہ اپنے مردے کو اپنے ہاتھوں دے دیتا ہے۔

سوال: دُنیا اور اس میں انسان کی تقدیر کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہ اللہ نے اپنے آپ کو چاہے جانے کی خاطر تکمیل کی۔ اگر ایسا ہے تو کیا خدا اپنی شکتی اور جذبات سے بالاتر نہیں ہے......؟

جواب: خواتین وحضرات! ایک تو خدا کی جگہ سوچنا بڑا مشکل ہے مگر گمان کیا جاتا ہے کہ خدا کی سوچوں کا کچھ minor سا ''پرتو'' انسان میں آتا ہے۔ فرض کریں جو چیز اُس نے اپنے لئے جائز کی، وہ انسان کیلئے جائز نہیں ہے، جیسے ابھی میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ نے فرمایا:

''عزت میری ازار ہے اور کبریائی میری چادر ہے۔''

اب لامحالہ یہ کیفیت جب انسان میں آئے گی تو اُس کی respectability زخمی ہوگی اسلئے کہ انسان اس قابل نہیں ہے کہ اتنے بڑے دعوے کرے...... کسی اُدھار کی چیز کو مانگ کر اپنا کہنا بڑا عجیب لگتا ہے۔ جب خدا یہ کہے کہ:

'' فَإِنَّ العِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعاً ''(النساء 4:139)

کہ تم کہاں لوگوں سے عزت مانگنے جاتے ہو؟ ساری عزت تو میرے پاس ہے، مجھ سے مانگو تو obviously God is advising you کہ ایسے ناجائز دعوے اور ایسی ناجائز خواہشات نہ پالو بلکہ خدا اپنے لئے کیا مناسب سمجھتا ہے......؟ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ خدا ہر محبت کرنے والے سے زیادہ حاسد ہے۔ اب بتائیں کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ عاداتِ پروردگار کو خود اُس کا رسولؐ جانتا ہے۔ حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہے کہ خدا سب غیرت کرنے والوں سے زیادہ غیرت مند ہے اور اسکو فواحش پر غیرت آتی ہے۔

گویا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس طرح کیوں نہیں سوچتے کہ خدا کی صفات کا چھوٹا سا جزو ہمارے اندر بھی آیا ہے:

"خَلِقُو بِاَ خَلاقِ اللہ"

(ہم نے انسان کو اخلاق پہ پیدا کیا ہے۔)

تو جو چیز آپکی ہے وہ آپکی نہیں ہے۔ جو چیز اللہ کی ہے، اُسکا ایک minor سا "پرتو" آپکی شخصیت میں آتا ہے مگر ہماری بدقسمتی دیکھئے کہ وہ minimum most ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے پاس سو رحمتیں ہیں اور ان میں سے ایک رحمت اُس نے زمین پر اُتاری ہے جس سے ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے، جس سے باپ نگرانی کرتا ہے، جس سے ہم ایک دوسرے پر شفیق و مہربان ہوتے ہیں"۔ تو اتنی کمتر تعداد میں ہمارے اندر اُس کی صفت آنے کے باوجود ہم پھر بھی خدا کو challenge کر دیتے ہیں اور تکبرات، غرور اور تفاخر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ اللہ نے کہہ دیا ہے اور زبردستی کہا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ لوگ مجھے جانیں تو الحمدللہ آپ اُسے جاننے والوں میں سے ہو جایئے، خواہ مخواہ اُسے challenge کرنے والوں میں سے نہ بنیے۔ یہی ہو سکتا ہے......

سوال: کیا بزرگانِ دین کے مزار پر حاضر ہو کر دعا مانگنا اور اظہارِ عقیدت کرنا جائز ہے۔ اولیائے اسلام کے لئے نہ خوف ہے نہ حزن۔ انہی کی کوششوں سے اسلام برصغیر میں پھیلا۔

جواب: اسے ناجائز تو کسی نے نہیں کہا البتہ اندازِ بیان میں تھوڑا سا فرق آ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک شخص جائے اور کہے کہ حضرت آپ مجھے اولاد سے نوازیں اور حضرت اُسے اندر سے کہہ رہے ہوں "جاؤ یار! کچھ تو خیال کرو۔ اللہ تو اوپر بیٹھا ہے، مجھے کیوں مروار ہے ہو خواہ مخواہ!!!!" تو انداز میں فرق ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ نے اپنے حضور ﷺ کو فرمایا کہ اے پیغمبر! جب لوگ تیرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت کی دُعا مانگیں اور تُو بھی ان کے لئے مغفرت کی دُعا مانگے تو اللہ بخشنے والا ہے، اور اگر یہی طریقہ ہر بزرگ کے پاس چلے، ہر اُس شخص کے پاس، جس پر آپکا نیکی کا گمان ہے...... طریقہ تو اللہ نے بتا دیا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ تو کہو یا رسول اللہ ﷺ! ہم خدا سے مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں، آپ بھی ذرا ہمارے لئے مانگ دیں تو خدا کہتا ہے کہ جب تم مجھ سے دُعا مانگو گے مغفرت کی اور میرا رسول ﷺ بھی تمہارے لئے مانگے گا۔ تو میں تمہیں

بخش دوں گا۔ اب بعد میں محققینؒ نے نیا نقطہ نکالا کہ یہ زندہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ تو میں یہ کہتا ہوں کہ یارو! ہم نے کیا قصور کیا رسول اللہ ﷺ کا اور کیا قرآن وقتی ہے؟ ورنہ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت اٹھالی جاتی، یا ہم تک پہنچائی نہ جاتی۔ دراصل تمام بزرگوں کے پاس جانے کا صرف ایک قرینہ ہے۔ کچھ تحفہ لے جایئے اور وہ تحفہ کیا ہے؟؟؟ اخلاص پڑھ لیجئے، الحمد پڑھیے، ثواب اور شکر اُن تک پہنچایئے، اللہ کی یہ نعمت اُن تک پہنچایئے، اُن کے درجات بلندی کی دُعا کیجئے، پھر اپنا مطلب بیان کیجئے کہ اے اللہ کے بندے! میں گمان کرتا ہوں کہ تو اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ میں اللہ سے ایک چیز مانگ رہا ہوں، ایک دُعا مانگ رہا ہوں، کیا اچھا ہو کہ تو اپنی دُعا میرے ساتھ ملا دے اور کیا بہتر ہو کہ خدا تیری سُن لے اور میری سُن لے اور ہماری بات بن جائے۔ اس سے زیادہ تو مجھے کوئی طریقہ نہیں آتا۔

سوال: حضرت محمد ﷺ کے اعتدال تک پہنچنا عام آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' ہم اُن سے قریب ہونے کی تو کوشش کر سکتے ہیں لیکن اگر غیر ارادی طور پر اعتدال کے قریب نہ آیا جائے تو کیا اس کیلئے بھی سرزنش ہے؟

جواب: یہ ہمارے لئے بالکل ممکن ہے کہ شاید اس کائنات میں اور جہاں تک میرا علم کہتا ہے واحد استادِ عظیم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اعتدال کوئی fixity نہیں ہے۔ یہ کوئی مستقل سختی سے قائم شدہ حد نہیں ہے بلکہ اعتدال ایک بہت بڑا دائرہ ہے۔ ایک کھلا دائرہ ہے۔

میں نے تو اپنے بچپن میں دیکھا تھا اور آپ نے بھی ضرور دیکھا ہوگا۔ کہ ہم ایک لکڑی کا ''گڈا'' لایا کرتے تھے اور اُسے لکڑی کے ہی پیڈسٹل پر رکھا کرتے تھے، اس کو ہلاتے تھے تو کافی حد تک وہ نیچے جانے کے باوجود دوبارہ اپنے پیڈسٹل پر واپس آجایا کرتا تھا تو اعتدال کا دائرہ وہاں تک ہے، جہاں تک آپکے پاؤں پیڈسٹل سے اکھڑ نہیں جاتے اور پروردگار نے اُس پیڈسٹل کے پاؤں اکھڑنے کی ایک علامت رکھی ہے کہ:

''تِلکَ حُدُودَاللہِ''

(کہ یہ اللہ کی حدود ہیں)

''وَمَن یَّتَعَدَّ حُدُودَاللہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُونَ''

(اور اگر تم نے ان حدود اللہ سے تجاوز کیا تو تم ظالموں میں سے ہو۔)

اور یہ نہیں ہے کہ ظالموں کا بھی کوئی علاج نہیں بتایا۔ یہ نہیں کہ اگر خدانخواستہ آپ اتنے بڑے

بحران میں الجھ جائیں تو پھر آپ کی واپسی نہیں ہے۔ وہاں بھی اصولِ رحمت ہے کہ
"لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ."
اعتدال کے دائرہ میں شاید آخری limit صرف انکار ہے، کفر ہے، حدود اللہ سے۔ اُس سے پہلے پہلے ہر مسلمان کے لئے یہ دائرہ achieve کیا جا سکتا ہے۔
سوال: آج کے معاشرے میں عوام کو اعتدال کی طرف کیسے مائل کیا جا سکتا ہے؟
جواب: پروفیسر صاحب! کچھ انڈین فلم اور مووی کا زمانہ ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ محبت کے سوا، جس کے افسانے، ہر فلم میں گائے جاتے ہیں۔ And young people love it very much to listen them. تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ خام سی محبت ہے۔ اسی جذبہء محبت کو ہم استعمال کریں، refine کریں، بہتر کریں تو اللہ کو چلا جائے گا۔ میں نے دیکھا کہ response اچھا ہے۔ ابھی تک جو جوان میرے ساتھ وابستہ ہیں، میں نے دیکھا کہ انکا response بہت اچھا ہے...... اُنسیت چاہیے، محبت چاہیے...... خوفِ خدا کی طلب اچھی ہے مناسب ہے مگر وہ شاید اُن لوگوں کے لئے ہے کہ جو اُنس اور محبت میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اُنکو اپنی ذرا ذرا سی خطا سے خدا کی دوری کا گمان ہوتا ہے تو میرا خیال ہے اُسکو ہم خوفِ خدا کہیں گے۔
بائیس سال تک ایک Most mature social set up. پر قرآن اترتا رہا۔ رفتہ رفتہ...... ہلکے ہلکے...... ہر چیز بڑی سمجھائی...... پیار کے ساتھ ایک چیز کا عادی کیا...... دوسری کا کیا...... پروفیسر صاحب! لیکن آج کے اُستاد میں اور محمد ﷺ رسول اللہ میں یہ فرق ہے۔ کہ اُس اُستاد میں اتنا patience تھا، اتنا صبر تھا، اتنا ظرف تھا کہ وہ بدترین سے بدترین students کو اُٹھا کر اصحابِ رسول ﷺ میں کر گیا۔ لیکن آج کا اُستاد اتنا ظرف نہیں رکھتا۔
سوال: صوفی poet بابا بلھے شاہ کا اعتدال میں کیا مقام ہے؟
جواب: ان لوگوں پر شاید جذبیہ قانون لاگو ہوتے ہیں اور اُس حدیثِ رسول ﷺ کے تحت کہ "خدا نے قلم اٹھا لیا اُس پر سے کہ جو مجنون ہے اور سویا ہوا ہے۔" ہم اُن کی کوئی علمی حیثیت نہیں مانتے۔ ان کا جذب، ان کا سرور، ان کی سرمستی کو شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ میں ضرور کہوں گا کہ بابا بلھے شاہ نے اُس وقت کی academic practical کے تناقص کو دیکھتے ہوئے اس کے خلاف ایک طرح کی جنگ لڑی ہے جیسے فلسطین کے تناقص کو دیکھتے ہوئے قومِ موسیٰ کے خلاف حضرت عیسیٰ نے فلسطینیوں کے خلاف جہاد کیا۔ اسی طرح جب تعلیمی اقدار سخت بے لچک روش کا

شکار ہو جاتی ہیں اور جیسے مولوی اور ملا کی ہر دور میں اہلِ ظرف اور اہل دل کی اس academic کے ساتھ ایک جنگ رہی ہے۔

اگر چہ یہ غیر معتدل ہے، بغیر شرع کوئی رستہ طریقت کو نہیں جاتا اور بغیر طریقت، شرع ایک بے معنی اصولِ جنگ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعض اوقات مغلوب الجذبات لوگوں نے یہ جنگ بکثرت سے لڑی ہے جیسے حافظ شیراز نے لڑی ہے جس کو میں اہلِ قلب میں سے کہوں گا، اہلِ تصوف نہیں کہوں گا۔ صوفی حضرات کبھی اہلِ مساجد سے جنگ نہیں لڑتے اگر چہ اُن کی نیات اور اُن کی نیات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حافظ نے کہا:

واعظاں چوں جلوہ بر جلوۂ محراب منبر می کنند

(جب محراب و منبر پر یہ نمودار ہوتے ہیں تو یہ کچھ اور ہی کہتے ہیں۔)

چوں بہ خلوت می روند واں کار دیگری کنند

(اور جب وہ خلوت میں جاتے ہیں تو کچھ اور ہی کام کرتے ہیں)

یہ جنگ نیات اور متشدد اعمال کی ہے۔ یہ bifurcation کی وجہ سے، ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے جاری رہی مگر اس جنگ میں ہمیشہ اہلِ دل ہی جیتے۔ بدقسمتی سے کوئی مولوی اس جنگ کو نہیں جیتا۔ برصغیر میں اگر آپ تبلیغ کے پہلوؤں پر نگاہ ڈالیں تو تمام کے تمام تبلیغ کے وارثین اہلِ قلب نظر آتے ہیں، اہلِ تصوف نظر آتے ہیں۔ علماء نظر نہیں آتے اور یہ علیحدہ بات ہے کہ عارفِ خداوند عالم ضرور ہوتا ہے، مگر ہر عالم عارف نہیں ہوتا۔ دراصل یہ تبلیغ، یہ رشد و ہدایت، یہ خدا کے رستے جو کشادہ ہوئے، یہ اُن عارفین اللہ کی وجہ سے ہوئے جو ساتھ ساتھ عالم بھی تھے۔

جب حافظ شیراز فوت ہو گئے تو ان کا جنازہ رکھا ہوا تھا۔ مولانا حضرات نے فتویٰ دے دیا کہ یہ کسبِ غیر میں رہا، فاسق تھا، فاجر تھا۔ اس کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا لیکن لوگ حافظ سے بڑی محبت رکھتے تھے، اُنس رکھتے تھے، تو انھوں نے کہا کہ ہم تو جنازہ پڑھیں گے۔ اس بات پر بہت بڑا شہر فساد کی نذر ہو گیا۔ پھر ہاتفِ غیبی نے آواز دی: بات سنو! تم اس پر جو لہو و لعب کا الزام لگا رہے ہو، تو ایسے کرو کہ دیوانِ حافظ کھولو۔ فیصلہ دیوان پر چھوڑ دیتے ہیں۔ جو شعر سامنے آ گیا، اُس پر فیصلہ دے دیتے ہیں۔ اگر شراب و خمر اور واہیاتی کا شعر ہوا تو جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ اچھا شعر نکل آیا تو پڑھ لیں گے۔ جب دیوان حافظ کو کھولا گیا تو پہلا شعر جو نظر آیا کہ:

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ

(حافظ کے جنازے سے قدم باہر مت کھینچ۔)

گرچہ غرقِ گناہ ہست می رود بہ بہشت

(اگرچہ گناہوں میں غرق ہے مگر بہشت کو جارہے ہیں۔)

اُس کے بعد ایک عرصہ تک حافظ آنے والوں میں لسانِ الغیب ٹھہرا اور آج بھی لوگ دیوانِ حافظ کی فال لیتے ہیں فال کے اور بڑے بڑے طریقے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں سب سے مستند جو، فال نکالی جاتی ہے وہ دیوان حافظ کی ہے اور اس واقعے کی وجہ سے کہ یہ غیب کی زبان ہے چونکہ اُس نے اپنے بارے میں یہ بات کہی۔

جو بلّھے شاہ کی اور لوکل مولوی کی جنگ ہے وہ تو کبھی ختم نہ ہوگی مگر ایک بڑے اُستاد کا ظرف وسیع تر ہونا چاہیے۔ اس کو اس جنگ و جدل سے بڑھ کر سوچنا چاہیے۔ نتائج تو ہمارے سامنے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ کہیں پر صلح ہونی چاہیے۔ یہ ظرف پیغمبر میں ہونی چاہئے۔ یہ آقا اور رسول ﷺ کی priority میں ہونی چاہیے۔ اگر ہم گروہی تفکر سے نکل جائیں اور خدا اور رسول ﷺ کی ترجیحات تک چلے جائیں۔ تو میرا خیال ہے clash ختم ہو جائے گا۔

سوال: انسان خدا کا بہترین شاہکار ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر خدا نے اسکو اتنا غیر معتدل کیوں تخلیق کیا؟

جواب: ایسا ہے نہیں صاحب! جیسا میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ دنیا میں آنے کا چونکہ مقصد ہی بڑا معمولی سا ہے کہ تھوڑے سے pattern of life میں کچھ different constituting testing کی جائے۔ یہ لیبارٹری ہے، جہاں ایک مخلوق اپنے متعدد رجحانات کیلئے آزمائی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ ہماری دُنیا میں بھی یہ قوانین نافذ ہیں۔ For Example ایک ٹیسٹ ہوتا ہے، ایک special academy talent ہے۔ ایک مخصوص کام کے لئے مخصوص لوگ چُنے جاتے ہیں چونکہ پروردگار نے ایک بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی عزت انسان کے حوالے کرنی تھی۔ ''خلافت اللہ فی الارض'' نہیں بلکہ وہ ''خلیفہ اللہ کائنات'' ہے اور خدا نے اس کو ایک بہت بڑے creator کی صورت میں آگے بڑھانا چاہا تھا۔ جہاں یہ اپنے ستاروں پر اپنی زندگیاں تخلیق کرے گا، جہاں اپنی دُنیا آباد کرے گا۔ اُس ''یوٹوپیا'' کا خالق انسان کو ہونا ہے تو اُس نے چھوٹے موٹے qualitative test کے لئے اسے ضرور پیش کیا ہے۔

انسان کی، میری یا آپ کی constitution میں کوئی فرق نہیں ہے۔ It is not

It is that we are misarranged کہ یہ غیر متعدل ہے۔ that somewhere. کسی قسم کا کوئی غیر اعتدالی کا عنصر انسان میں نہیں ہے۔ Basics of all human beings are the same. مگر کسی میں محبت بڑھ گئی...... کسی میں غصہ بڑھ گیا...... کسی میں نفرت بڑھ گئی...... تو تمام انسانوں کو اپنے real balance کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ انسان غیر معتدل ہے مگر شاید ہمیں اپنے اندر اعتدال کو arrange کرنا ہے اور وہ بغیر خدا ممکن نہیں۔

سوال: نام کا شخصیت پر بہت اثر پڑتا ہے تو ایک ہی نام کے مختلف لوگ مختلف کردار کیوں ہوتے ہیں۔

جواب: یہ فراست اُستاد پر منحصر ہے۔ چونکہ یہ علم ہی نہیں ہے اور جو اسے علم کی صورت میں دیکھے، اسے ہی اس کی categorization کا علم ہونا چاہیے۔ چونکہ یہ باضابطہ علم نہیں ہے اور قرانی علوم میں سے یہ سب سے مشکل اور قدیم علم ہے اور اس کی شہادت جو ہمیں پہلے ایک آدھ اُستاد سے ملتی ہے، اُس نے بھی اُسے اتنا مشکل کر دیا کہ یورپی tranlators کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ابنِ عربی is the most difficult writer to understand

مثال کے طور پر جب ہم نام کی نسبت سے انسانی judgement کرتے ہیں تو یہ بنیادی رجعت کا نام ہے۔ بنیادی come back ہے کہ ہم یہ دیکھنا چاہیں گے کہ انسان کی جب basic category تخلیق کی گئی تو اُس کے خصائص کیا تھے۔ For Example اگر آپ ایک chemical experiment میں تین یا چار چیزیں ملاتے ہیں تو ان تین یا چار چیزوں کے different chemical aspects آپکے سامنے ہونے چاہئیں اور اُن کے interactions کی تفصیلات بھی آپکے سامنے ہونی چاہئیں۔ اسی طرح اسماء بھی جب interact کرتے ہیں، تو اسماء کے specialist یا expert کو پتہ ہونا چاہیے کہ کونسی صفت کس صفت سے ٹکرانے کے بعد کونسا رنگ پیدا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر نیلا اور سبز، دونوں کے ملنے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ نہ نیلا رہے گا نہ سبز اور ایک تیسری صفت پیدا ہو گی۔ مختلف اسماء کے combination سے جو مختلف تفصیلات انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ I am sorry to say that there is no other specialist on this subject. اس لئے آپکو میرے حرف کو ہی حرفِ آخر سمجھنا ہوگا۔ میں اس معاملے میں معذور اور مجبور ہوں۔ اگر کوئی اور شخص حروف مقطعات کا اور Generity of Asma کا expert ہوتا تو یقین

جانیے کہ میں اُسے ضرور quote کرتا مگر ایسا ہے نہیں۔ یہ ایک آدھ نشست میں، اتنی بڑی اور طویل نشست میں جہاں آپ نے اتنے خوشگوار اور مشکل اور آسان سوال پوچھے، اُس میں اس نئے chapter کا کھولنا مجھے کافی دشوار لگتا ہے۔.It's not a small chapter

سوال: عذاب قبر سے کیا مراد ہے اور یہ عذاب جہنم سے کیسے مختلف ہے؟ اور کیا عورتیں قبروں پر نہیں جا سکتیں جنت البقیع میں عورتیں کیوں نہیں جا سکتیں؟

جواب: جنت البقیع کی وجہ سے تو نہیں ہے۔ نہ شاید عورتوں کی وجہ سے ہے۔ وہی پرانی جنگ ہے جو academics والے non-academics والوں سے لڑتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہوتا ہے کہ for example ایک شخص داتا دربار پر جا کر سر ٹیک دے تو معترض یہ تو نہیں کہتا کہ اس شخص سے کوئی خطا یا غلطی ہوئی، چلو آؤ اسے نرمی سے سمجھا دیں، وہ تو داتا کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ تو خطا یہاں ہے کہ ہم، جس کا الزام ہے، اُس کو نہیں دیتے۔ اسی طرح جب اہلِ نجد نے اقتدار پایا تو محمد بن عبدالوہاب نے ایک نئی بات یہ بھی کہی کہ پیغمبر اپنے زمانے تک محدود ہوتا ہے اور اُس کے بعد علمائے فکر جو ہیں وہ از خود decision لیتے ہیں اور شریعت میں اگر کوئی فرق ہو تو تاویل اور تعبیر جو بھی کرنی ہو، کرتے ہیں۔ دراصل اُن کو ان رسومات اور بدعات سے اختلاف تھا اور ہمیں بھی ہے...... مثال کے طور پر اگر میں بھی کسی شخص کو کسی قبر پر ماتھا ٹیکتے دیکھوں گا، اُس کو خدا سمجھ کر خطاب کرتے دیکھوں گا تو بت پرستی کے خلاف جو میرے اندر عناد بھرا ہوا ہے میرے آباؤ اجداد کی طرف سے، وہ ضرور چمکے گا اور میں اسے بت پرست کہوں گا۔ مگر میں اُسے قتل نہیں کروں گا، اس لئے کہ مجھے اپنے مسلمان بھائی کو ایک advantage تو دینا ہے کہ شاید کم تعلیمی کی وجہ سے، کم عقلی کی وجہ سے، اس سے کوئی غلطی ہو رہی ہو، اس کا اندازِ فکر بہتر کرنے کی ضرورت ہے تو میں اُسے تنبیہِ غافلین نہیں کروں گا بلکہ صوفیاء کا شرف اختیار کروں گا اور اُس کی ہدایت کے لئے خدا سے دعا کروں گا۔

اگر تو ہماری approach یہ ہے اور پھر ہم سمجھانے جائیں تو شاید اثرات خوشگوار نکلیں اور اگر ہم سمجھانے کے لئے جائیں اور ہمارے ذہن میں یہ ہو کہ ہم تو perfect ہیں اور یہ imperfect ہے۔ ہم دانا ہیں اور یہ جاہل ہے۔ ہمارا حق زندگی گزارنے کا ہے، اسکو زندگی سے نکالنے کا ہے تو پھر بڑی دشواری بن جائے گی۔ اس لئے بسا اوقات ہمارے جو بہت سے مسائل ہیں، وہ ہمارے possible non-educative method کی وجہ سے پیدا

ہوتے ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ

عمرہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

بہت مدت لگتی ہے ایک اُستاد کے پیدا ہونے میں...... حدیث رسول ﷺ کے مطابق تو سو سال لگ جاتے ہیں۔ ہر آدمی اگر وہ Rights and rules assume کرے جو اُس کے نہیں ہیں، اگر ہر آدمی وہ اُستاد بننے کی کوشش کرے جو وہ نہیں ہے تو سوائے schezophrenic idealistic کے اور کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم نے برصغیر کی تاریخ میں تو یہی دیکھا ہے کہ mostly schezophrenic idealistics ہی teachers بنتے چلے آئے ہیں۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی جیسے بزرگ اگر mathematics میں رہتے خدا کی قسم I can swear on my honour کہ رسل اور کانسٹائن سے بڑے عالم ہوتے۔ شاید بیسویں صدی اُن کے ساتھ منسوب ہوتی۔ وہ جوانی میں ہی اُن سے بہت آگے تھا مگر شیزوفرینیا کو دیکھئے کہ اپنی field چھوڑ دی اور بیلچوں کو زمین کی راہ دکھانی شروع کر دی اور حسد اور کینہ سے ایک عظیم انسان جو ہے وہ خاک میں مل گیا۔ اب دیکھنا تو یہی ہوتا ہے کہ Do we know what is our job. Do we know what we understand about our job? Can we understand? کیا ہم اس قسم کے لوگ ہیں کہ Everybody looks to be in wrong shoes. ہم میں سے ہر آدمی اپنے کام سے نا خوش، ہر آدمی کوئی دوسرا کام کرنا چاہتا ہے اور ان سب سے بڑھ کر ہماری inferiorities ہمیں تکبرات کے رستے پر لے جاتی ہیں۔ At last we have not remained good teacher.

سوال: عذابِ قبر کیا حقیقت میں انسان محسوس کرتا ہے اور قبر کی بھینچ کیا ہوتی ہے؟

جواب: حضرات! عذابِ قبر کی مثال psychic عذاب کی سی ہے۔ یہ psychic عذاب ہے جیسے میں نے ابھی آپکو مثال دی تھی کہ اگر ایک انسان کو یہ خبر دی جائے کہ آپکو police ڈھونڈ رہی ہے مگر، police نہ آئے تو وہ جو اذیت ذہنی طور پر کاٹے گا، وہ جو images از خود اپنے لئے عذاب کے تخلیق کرے گا، وہ psychic torture ہے، وہ عذابِ قبر ہے۔ ایک آدمی کی یہ realization جس کے سامنے جہنم کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور ایک وہ شخص جس کے سامنے

جنت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ تو اُنکا make up وہ ہوتا ہے جو ہمیں حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے پتہ چلتا ہے کہ جنتی آرزو کرے گا کہ قیامت جلد ہو اور میں اپنے مقامِ فرحت تک پہنچوں اور دوزخی آرزو کرے گا کہ اے پروردگار! قیامت کبھی نہ ہو کہ یہ عذاب جو مجھ پر اس وقت وارد ہے، اُس عذاب سے کم ہے جو مجھے آگے نظر آ رہا ہے۔ It is all a mental state, a psychic torture. جو آپکو self-realization کی بنا پر دیا جائے گا، self-assesment, judgements اور گناہوں کے اندازِ فکر پر دیا جائے گا کیونکہ آپ کو اچھی طرح پتہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ یہ عذابِ قبر سکرات سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ کئی حضرات کی وفات کے موقع پر اُن کی آپ نے چیخ و چلاہٹ دیکھی ہوگی: ''وہ مجھے مارنے آ رہا ہے، بچاؤ...... زنجیریں، آگ...... actually سکرات کے بارے میں پروردگار نے یہ بات کہی کہ آج اس کی آنکھ کیا تیز ہے کہ جن باتوں کو افسانہ سمجھ رہا تھا، آج حقائق کی طرح اس کے سامنے ہیں۔

جب اس torture کی fuller realization ہو جائے، اُس غم والم کی...... اُس اندوہ کی، جو آگے آنے والا ہے تو یہ اتنا بڑا غم ہے جیسے کسی بچے کی گمشدگی کا غم ہو۔ وہ torture اُس torture سے بہت بڑا ہوتا ہے جو آپکو practical دیا جاتا ہے، اس لئے عذابِ قبر تمام تر ایک psychic condition of mind پر مشتمل ہوتا ہے۔ قیامت کے عذاب سے یا جہنم کے عذاب سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ realization ہے۔ میں نے آپ کو بتایا کہ یہ realization ہے۔ اصل میں یہ اُس حدیثِ رسول ﷺ کا حصہ ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مر گیا، اُس پر قیامت قائم ہو گئی، dimension آپکے concept پر ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قبر کی بھینچ سے کوئی آزاد نہیں۔ اگر خدا کسی کو قبر کی بھینچ سے آزاد کرتا تو وہ سعد بن معاذؓ ہوتے وہ شریف صحابی ہیں جنہوں نے بنو قریظہ کا فیصلہ کیا اور یہ اتنے مخلص دوست تھے رسول اللہ ﷺ کے کہ جب ان کی شہادت ہوئی تو جبرئیل امینؑ آئے اور فرمایا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اہلِ آسمان بھی آپ سے تعزیت کر رہے ہیں''۔ اور یہ دیکھئے کہ بھینچ کیا ہے؟ قبر کا سکڑنا کیا ہے؟ اگر آپ غور کیجئے تو جب آپکو قبر میں ڈالا جاتا ہے اور جب نوحہ گر رخصت ہو جاتے ہیں اور غم والم کے آنسو خشک ہو جاتے ہیں...... عمرو بن العاصؓ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ ''تھوڑی دیر رُکنا تاکہ میں آنے والوں سے مانوس ہو جاؤں''۔ یعنی

جب لوگ چلے جائیں، تو میری قبر پر تھوڑی دیر رُکنا تا کہ میں آنے والوں سے مانوس ہو جاؤں۔
عمرو بن العاصؓ کی دو باتیں بڑی خوبصورت ہیں: اُنکے بیٹے نے پوچھا: جب وہ مر رہے تھے کہ ابا! سکرات کیسا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: "بیٹے کچھ نہ پوچھ، اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو رہا ہے"۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ جب لوگ رخصت ہو جائیں تو کچھ دیر میرے پاس ٹھہرنا تا کہ میں آنے والوں سے مانوس ہو جاؤں۔ تو آنے والے کیا تھے؟ آنے والے، پہلے سے informed ہوتے۔ They are informed to ask two questions on the human priority and judgement,

دُنیا سے گزرنے کے بعد state of mind or condition بدلنے کے بعد اب آپکو دوبارہ عالمِ برزخ میں جانا ہوتا ہے، جہاں سے آپ آئے ہوئے تھے، اُس کے لئے آپکی تیاری ہو رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دو سوالوں کے جواب دے دو۔ ٹھیک ہیں تو ٹھیک...... نہیں تو واپس...... "مَن رَّبُّکَ" (یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون تھا؟) رب کہتے ہیں پالنے والے کو...... کس تصور نے تمہیں پالا......؟ دُنیا میں کس خیال کی گرفت میں رہے؟ کیا تم نے اپنی عقل کو، معرفت کو استعمال کیا ہے؟ تم نے غور و فکر کیا؟ تمہیں جو صلاحیت دی گئی تھی، اُس کو پرکھا، جانچا......؟؟؟ جب اللہ کا وہ بندہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تو اس سے ایک رعایتی question پوچھا جاتا ہے کہ چلو اگر یہ مشکل اور philosophical question تھا تو یہ بتاؤ: مَن نَبِیُّکَ؟ چونکہ اگر اللہ سے تعلق عقل کا ہے تو رسول ﷺ سے تعلق محبت کا ہے۔ اللہ ایک رعایتی question کے ذریعے انسان کو ایک relaxation دیتا ہے کہ اگر تو مجھے نہیں جانتا نالائق! تو میرے رسول ﷺ کا ہی بتا دے!!!! obviously اگر ایک امتی کو اپنے رسول ﷺ کا پتہ ہے، اگر تھوڑا سا انس ہے، تو جب اُسکو محمد رسول اللہ ﷺ یاد آیا تو فوراً سے کلمہ پڑھ لے گا:

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

دونوں مسئلے حل ہو گئے۔ "جان بچی سو لاکھوں پائے"......

حضراتِ محترم! ابھی جو آپ نے question پوچھا تھا کہ جب ایک شخص کو مرنے کے بعد قبر میں صحیح سالم پورے physical وجود میں دوبارہ زندگی دی جائے گی تو آپ اس کی گھٹن، اس کی تنگیٔ دل، اس کے خوف و وحشت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ can you imagine this کہ جب انسان کو زندگی سے گزر جانے کے بعد اُس کے پورے وجودِ مطلق

میں پانچ حواس میں دوبارہ ایک لمحے کے لئے اٹھایا جائے، اِن سوالات کے لئے..... تو can you imagine the realization کہ جہاں انتہائی بند، تاریک قبر میں اُس کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور یہ سوال پوچھے جائیں گے تو یہ قبر کی بھینچ ہے۔ قبر اُس پر تنگ ہوتی ہے۔ اب فرض کیجیے کہ relative time کیسے govern کرتا ہے؟ ایک بندے نے صحیح جواب دیئے، ایک بندے نے غلط جواب دیئے تو جواب کی testing اللہ کے پاس ہے۔ خدا نے کہا کہ میرے بندے نے غلط کہا...... میرے بندے نے صحیح کہا، اب ایک آدمی کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے نے صحیح کہا ہے۔ جب صحیح کہا، تو کہا کہ اس کے mind میں اسے relative opening دے دو، اس کی حدودِ زمین سے اسے فارغ کر دو، برزخی limits دے دو۔! اب اُسکو آزاد کر دیا گیا۔ تو قبر کی کشاد کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا جو vision اُسکے اور جنت کے درمیان حائل تھا، جو چیز رکاوٹ تھی، اُس space کو زمانے میں ڈھال دیا گیا۔

پھر دوسرے شخص کو کہا گیا کہ اس کا vision قید کر لو۔ بجائے اُس کے vision کو opening دینے کے، اس کو قبر کی realization بھی دے دو اور جہنم کا vision بھی دے دو۔ اُس وقت کتنی گھٹن اور کتنا کربِ ذہن وہ انسان محسوس کرتا ہے، اسے قبر کی بھینچ کہتے ہیں۔ At least I cannot imagine the intensity of psychic fear which is born in the heart in that moment of extreme congestion.

عورتوں کو پہلے قبرستان جانے سے منع کیا تھا مگر بعد میں اس کو رسول اللہ ﷺ نے allow کر دیا تھا۔ ہاں البتہ بڑے بڑے مزاروں پر، خاص function کے دن میرا خیال یہ ہے کہ .It looks highly improbable incident میں نے تو جب بھی کہیں جانے کی کوشش کی ہے، دھکے کھائے ہیں۔ میں نے بھی اور خواتین نے بھی...... خاص طور جب عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس نکلتے تھے۔ کسی ایسی جگہ جانا، جہاں بہت ساری congestion اور بہت بڑا ہجوم ہو، اُس میں عورتوں کی decency ملحوظِ خاطر نہیں رہتی تو اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ خواتین اُس congestion سے پرہیز کیا کریں جہاں بدقسمتی سے کوئی manner نہیں رہتا، کوئی اخلاق نہیں رہتا۔ میں عیدِ میلاد کے ایک جلوس میں گیا مگر جو میں نے

وہاں حرکات دیکھیں تو میں نے اللہ سے پناہ مانگی And least I can't go for a visit again اور اگر چہ سید ہجویرؒ اُستادِ مرشد ہیں مگر جب بھی میں کبھی کبھی ایک آدھ دفعہ اُن کے عرس کی تقریبات میں گیا تو میں نے دھکے ہی کھائے۔ اگر ہماری عورتیں یورپ جیسی ہوں، confident ہوں، بڑی زبردست ہوں، شروع ہی سے خارجی زندگی کی عادی ہوں پھر تو کوئی problem نہیں ہوگی مگر چونکہ زیادہ تر عورتیں جذبۂ عقیدت سے، پہلے سے جھکی گردنوں اور اپنے تھکے تھکے اعصاب کے ساتھ گھروں سے نکلتی ہیں اور تمام پُر ہجوم جگہوں پر ایک جیسی problems ہوتی ہیں جنکی وجہ سے وہ پریشان ہوتی ہیں۔ میں آپکو ضرور یہ مشورہ دونگا کہ کثرتِ ہجوم میں جانے سے پرہیز کریں......

سوال: نماز میں کیا اللہ کا تصور قائم کرنا ٹھیک ہے؟

جواب:....It depends چونکہ کوئی vision تو اللہ کا ہے نہیں مگر ہم اُس کی کسی صفت پر اپنی توجہ مرکوز کر سکتے ہیں۔ as such اسکا figure تو اب کوئی ہے نہیں۔ مگر فرض کیجیے کہ آپ اللہ کو جس گمان کے ساتھ جانتے ہیں، اُس گمان کو آپ اپنے سامنے رکھ کر خدا کے اسمِ گرامی پر یا اس صفتِ عالیہ پر، اپنے آپکو مرتکز کر سکتے ہیں۔ تصوف کے کچھ سلسلے ایسے ہیں کہ جو فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کی بات کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے اُن میں انڈین mythology کا اثر تو آتا ہے مگر اسلامی اثر نہیں آتا۔

''وَمَا عَلَینَا اِلاَّ البَلاَغ''

بلاعنوان۔لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین وحضرات! میری particular study جو اس وقت آپ کے مذہب کے بارے میں تھی۔ تمام دوسرے لوگوں کی طرح ایک عمر تھی جو تشکیک کے صحرا میں گزری اور کوئی ایسا thesis جو وقت اور زمان و مکاں کے ساتھ ساتھ آپ defend نہ کرسکیں، ناقابلِ قبول ہوتا ہے۔ جہاں سوچ رکتی ہے، بت خانہ تخلیق ہوجاتا ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے اپنے تفکر سے کام لینا بند کردیا اور غور وفکر کے خارزار کو ترک کیا وہ بالآخر ایک کمزور مذہب پر قائم ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس پروردگارِ عالم نے فرمایا:

" اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ " (الانفال 22:8)

کہ انسانوں میں وہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جو غور وفکر سے کام نہیں لیتے اور میری آیات پر اندھوں اور بہروں کی طرح گرتے ہیں۔ اتنا بڑا دعویٰ تو وہی کرسکتا ہے جو اپنے آپکو عقل و معرفت میں بہت محفوظ سمجھتا ہو یا اُس کا خالق ہو۔ حدیثِ قدسی ہے کہ جب اللہ نے عقل کو تخلیق کیا تو اسے کہا کہ مجھے چل کے دکھا، جب وہ گھومی پھری تو ناز فرمایا کہ میں نے کیا خوبصورت شے تخلیق کی ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے اس امانتِ عقل وشعور کو کسی مخلوق کو دینا چاہا:

" اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ط "

کہ زمینوں، آسمانوں اور پہاڑوں کی مخلوقات کو میں نے یہ امانت دینی چاہی، انہوں نے انکار کردیا مگر انسان نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا، تو اللہ نے اس پر judgement دے دی "اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا" بے شک وہ ظالم ہے، جاہل ہے۔

خواتین وحضرات: ظلوما جھولا کا اصل ترجمہ over-estimation اور under-estimation ہے۔ انسان نے شروع ہی سے اسے بڑا آسان کام سمجھا، یہ خیال کیا کہ کونسا اتنا مشکل کام ہے کہ میں خدا کو پہچاننے کے قابل نہ رہوں گا، یہ تو بڑی آسان سی بات ہے۔ شواہد و براہین سے ضرور میں اپنے اللہ کو جان لوں گا اور یہ خیال کیا کہ میرے لئے اس سے کوئی آسان کام نہیں۔ اُس نے بہت بڑے کام کو under-estimate کیا اور اپنی ذہانتوں کو over-estimate کر گیا۔ انسان کی بنیادی accountability اللہ نے کیا رکھی؟ نہ اعمال رکھے، نہ آدابِ معاشرت رکھے، نہ معیشت رکھی، نہ معاشرت رکھی، چند آیات میں جنہیں ہم سورۃ الدھر کا آغاز کہتے ہیں، زندگی انسان کا خلاصہ پیش کیا۔ وجودِ اوّل سے آخر تک احتساب کی امانت قائم کی اور استویٰ پر بلند ہوا اور فرمایا......

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ مت اپنے آپ کو پاکباز کہو هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو، کتنے پرہیزگار ہو۔ کیا میں تمہیں جانتا نہیں اس وقت سے جب سے میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا، صلصالٍ کالفخار میں رکھا، اور کیا میں اُس وقت سے تمہیں نہیں جانتا، جب میں نے تمہیں ماؤں کے پیٹ میں رکھا، پھر بھی تم مجھ پر دعویٰ تقویٰ کی فضیلت لے کے آئے ہو۔ انسان کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا اے انسان! تم تو کبھی بھی قابلِ ذکر شے نہ تھے۔ ایک الجی کی صورت میں، معمولی سی کائی کی شکل میں مدتوں سے تم کسی ساحلِ ناپید پر قائم تھے، تمہاری زندگی کا کوئی تواتر نہیں تھا، تم میں کوئی continuity نہیں تھی، کوئی پروجیکشن نہیں تھی، بے کارِ محض مخلوق کی طرح قائم تھے، تم اس قابل نہیں تھے کہ کتاب ہائے علم وحکمت میں تمہارا ذکر ہوتا۔ پھر ہم نے چاہا کہ اس مخلوق کو آگے بڑھائیں، اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ پھر ہم نے اسی single cell کو double cell میں بدل دیا۔ ہم نے دہرے نطفے سے اس کی تخلیق شروع کی مگر ابھی یہ کہاں اس قابل تھا کہ حساب و

کتاب کے قابل ہوتا فرمایا نَّبۡتَلِیۡہِ چاہا کہ اسے اور آزماؤں اس مخلوق کو اور آگے بڑھاؤں فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًام بَصِیۡرًا میں نے اسے سماعت بخشی، بصیرت بخشی، بصارت بخشی مگر اب بھی اس قابل نہیں تھا کہ میں اس سے اُس امانتِ علمیہ کا حساب لے سکتا تو آخری آیت میں اللہ نے ایک ہی کام انسان کے لئے بتایا، عقل کا ایک ہی منصب قرار دیا، ذہانتوں کا ایک ہی جواز بتایا کہ اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوۡرًا تمام عقل وشعور اور ذہانت صرف اس لئے تمہیں بخشی ہے کہ چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کردو۔

حضراتِ گرامی! خواتینِ محرمات! یہ ایک بہت بڑے استاد کا انداز ہے کہ اس پورے تخلیقی عمل میں اُس نے کوئی زبردستی استعمال نہیں کی، اپنا فیصلہ اس پر مسلط نہیں کیا۔ اتنی خوبصورت آیت میں اُس استادِ عظیم کا یہ پہلو نظر آتا ہے کہ اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ جب ہم نے تمہیں عقل وشعور عطا کردیا، رستہ بتادیا، تو پھر تم پر قید نہیں رکھی، اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوۡرًا چاہو تو ہمیں مانو چاہو تو ہمارا انکار کردو۔

تب سے لیکر ابتک یہ فسانہءعلم وحکمت مختلف صورتیں بدلتا ہوا ہمیں ایک حقیقت سے آشنا کرتا ہے۔ یہ نفسِ انسان، یہ متمرد انسان، جبلتوں کا شاہکار یہ انسان جس کو Homo-Habilus کہتے ہیں، Homo-Erectus کہتے ہیں، Homo-Sapiens کہتے ہیں اس کو اگر تہذیب انسان کے آٹھ کروڑ سال پہلے کے وقت سے دیکھو تو Primates ہمارے ماں باپ نہیں لگتے we refuse to accept them وہ بظاہر تو بدشکل، بنیادی وجودِ انسان ہمیں اپنے جیسا نہیں لگتا مگر انہوں نے ایک intellectual فیصلہ ضرور کیا کہ زمین کی کھائیوں اور سوراخوں میں گھسنے کی بجائے انہوں نے آسمان کی لامتناہی بلندیوں کو پسند کیا، اُوپر بلند ہونا چاہا۔ یہ وہ پہلا قدم تھا جو جبلی شعور نے تخلیق کیا، جہاں سے انسان باقی جانوروں سے جدا ہونا شروع ہوا۔

خواتین وحضرات! یہ کہنا غلط ہوگا کہ کوئی gene mutate ہوکر انسان بنا، یہ کہنا

غلط ہو گا کہ ہم چمپنزی کے سگے چچا زاد ہیں۔ ایسی کوئی حقیقت وجود میں نہ آئی بلکہ آج کا genetic specialist یہ کہتا ہے کہ ابتدائے تخلیقِ انسان سے لے کر آج تک انسانی gene نے اسی طرح behave کیا ہے جیسے اس نے پہلے دن کیا تھا کہ شروع سے ہی سپیشل مخلوق تھا مگر بہت عرصہ اس بدنی وجود کو اللہ نے اس لئے تیار کیا کہ آسمانوں سے ڈھلتے ہوئے اس spiritual وجود کو زمین پر کوئی تو جگہ بخشنی تھی۔ زمین پر وجودِ انسان تخلیق ہو رہا تھا اور آسمان سے آدم اُتر رہا تھا، تب کہیں جا کر ہم اس accounability کے سیشن کے لئے تیار ہوئے۔ اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر واضح کیا: حدیثِ قدسی ہے کہ انسان کا سب سے بدترین دشمن جو اللہ نے تخلیق کیا وہ نفسِ انسان ہے۔ وہ نفسِ انسان جو آٹھ، نو کروڑ سالوں سے انسان کے ساتھ ساتھ ہے، یہ نفس جبلتوں کا ایک اجتماع ہے، ایک پیکٹ ہے جس میں ہماری تمام انسانی جبلتیں سمائی ہوئی ہیں، اور سب سے بنیادی جبلت کا اللہ نے ذکر کیا اور فرمایا۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (النسآء 128:4)

(اور دل لالچ کے پھندے میں ہیں۔)

یعنی ہم نے تمام جانوں کو بخلِ جان پر جمع کیا، survival پر جمع کیا۔ بنیادی جبلی تخلیق survival ہے اور اسی سے آگے بڑھتا ہوا، اسی حسِ بقاء سے منسلک پھر باقی جبلتیں تخلیق ہوئیں اور آج تک انسان انہی جبلتوں کا شکار ہے۔

کیا حیرت کی بات نہیں خواتین و حضرات! کہ انسان کے کسی نظام میں کوئی خرابی قائم نہیں تھی۔ جب یہ انسان بڑا ہوا، جب یہ انسان معاشرت اور تہذیب کے عروج پر پہنچا، تو سب سے پہلی ضربِ کاری اُس نے اُس الٰہیاتی اخلاقی نظام پر لگائی جسے وہ اپنے لئے ایک بوجھ سمجھتا تھا۔ شاید آپ پسند کرو یا نہ کرو لیکن جمہوریت کا سب سے بڑا fault یہ ہوتا ہے کہ یہ جمہوری اصول بنیادی انسان کے choices پر ہوتا ہے اور یہ کسی اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں کی بنیاد پر مرتب نہیں ہوتا۔ بنیادی انسان جبلتوں سے بڑا قریب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں بنیادی

انسان کو جمہوریت عطا کی گئی وہاں بہت سے اخلاقی اصول تہ و بالا ہو گئے، بہت سارے اخلاقی اصولوں سے معاشرے نے گریز حاصل کیا Perhaps it was absolutely necessary ، کہ اس نظام پر کسی moral نظام کی گرفت رہتی یا بالائے کائنات کسی moral نظام کی گرفت رہتی۔ وہ جمہوری نظام جہاں جہاں بھی آیا، سب سے پہلے انھوں نے اُس اخلاقی نظام سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جسکی source الہامی یا الٰہیاتی تھی اور آج کے دور تک پہنچتے ہوئے ہمیں یہ بات بالکل واضح نظر آتی ہے کہ انسان اب الہامی یا الٰہیاتی دور کو قصہء پارینہ سمجھتا ہے۔ اُس کو اچھی طرح علم ہے کہ پرانی دقیانوسی کتاب آج کے مسائل کا حل نہیں ہو سکتی۔ شاید ہماری سب سے بڑی خطا یہ ہوتی ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں، ہمارا خیال یہ ہے کہ خداوندِ حکیم جس نے اوّل روز تخلیق کیا، جس نے آخری کائنات تخلیق کی، اُس نے زمین پر انسانی ترقی کا اندازہ نہیں کیا، اُس کو گمان نہ تھا کہ بڑا بڑا ذہین پیدا ہو گا، بڑے بڑے تھیسز تخلیق ہوں گے، بڑے بڑے اندازے تخلیق کئے جائیں گے اور انسان خدائی صلاحیتوں سے آگے بڑھ جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ جس نے ابتدائے کائنات کی خبر دیتے ہوئے دو آیات میں ابتدائے کائنات اور انتہائے حیات کی خبر دی ذرا اسکا انداز ملاحظہ فرمائیے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیآء 30:21)

How dare you deny me شروع میں سب کائنات ایک وجود تھا۔ پھر ہم نے اسے پھاڑ کے جُدا کر دیا۔ پھر فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ (الانبیآء 30:21)

ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ خواتین و حضرات! دو منسلک آیات میں ایک میں ابتدائے کائنات بیان کی اور ایک میں اس نے انتہائے حیات بتائی۔ کتنے عالم و فاضل دور گزرے، کتنی صدیاں علم و حکمت کی گزریں۔ اگر خدا کی یہ دونوں باتیں کبھی غلط ہو جاتیں تو بڑے مزے کی بات تھی کہ خدا سے نجات ہو جاتی۔ خواتین و حضرات! ایک بات یاد رکھیۓ گا کہ انسان ہزار غلطیوں

کے باوجود انسان رہتا ہے اللہ ایک بھی غلطی کرے تو اللہ نہیں رہتا۔ اور کیا آسان بات تھی کہ لوگ مطالعہ کرتے علم و دانش کے سراغ ڈھونڈتے، کتابِ حکیم کو دشمنوں کی طرح پڑھتے، قرآن سے غلطی نکالتے اور خدا سے نجات حاصل کر لیتے، مگر مسئلہ یہ تھا کہ اگر آپ معمولی سی ڈگری کے حصول کے لئے بیس، بائیس سال گزار دیتے ہیں، تیس بتیس سال specialization میں گزار دیتے ہیں تو کائنات کی سب سے بڑی کتابِ علم و حکمت اور کتابِ تخلیق کو کتنا وقت دیتے ہیں۔ سائنس کتابِ تحقیق ہیں اور قرآن کتابِ تخلیق۔ تو کیا عجیب سی بات ہے کہ ہم معمولی سے علم کی ایک شاخ کی تحصیلِ کاملہ کے لئے عمر بِتا دیتے ہیں اور جب قرآن کی باری آتی ہے تو ہم ایک اَن پڑھ مولوی کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ کیا مزہ ہوگا اُس وقت جب ایم اے کی کتاب میٹرک لیول کو پکڑا دی جائے اور اُس سے تاویلِ حیات طلب کی جائے۔ یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ پڑھے لکھے، دانشور لوگ جنہیں اپنی عقل پر ناز ہے جنھیں غرورِ عقل ہے، جو سمجھتے ہیں کہ ہم ذہین ہیں وہ اس کتاب کے ساتھ کوئی justification نہیں کرتے، بلکہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ کم سے کم تعلیمی عرصے اور بحران میں، کم سے کم وقت میں جتنی تیزی سے اس کتاب کی سنی سنائی باتوں سے گزر جائیں تو وہ بہتر ہے۔

خواتین و حضرات! بہترین کتابِ علم کو کسی مجذوب کو نہیں بخشا گیا، کسی ایسے شخص کو نہیں دی گئی جو ڈپریشن کا مارا ہوا تھا، کسی ایسے شخص کو نہیں دی گئی جو تکبراتِ ذات کا حامل تھا، بلکہ ایک ایسے شخص کو دی گئی جو آج بھی ہمارے لئے کائنات میں سب سے بڑے اعتدال کا مالک ہے۔ اگر اصولِ علم دیکھا جائے تو جتنا علم بڑھتا ہے اُتنا اعتدال بھی ہوتا ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ جب کسی شاعر کو ایک شعر لکھنا آجائے تو اُس کا style of life ہی بدل جاتا ہے اس کے انداز عجیب احمقانہ سے ہو جاتے ہیں، آنکھیں آسمان کو جا لگتی ہیں اور تفکر میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے اگر کوئی بھی شخص کسی ذرا سی کوالٹی سے اتنے بڑے تفاخرات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس شخص کا سوچیے جسے کائنات کی سب سے بڑی دولت نصیب ہوئی تھی، جسے وحی نصیب ہوئی تھی، جسے اللہ کی

نظر نصیب ہو رہی تھی، جو سب سے بڑے غیب کا حامل تھا، جو ایمان بالغیب پیش کر رہا تھا مگر کتنا معتدل تھا! کتنا نارمل تھا! یہ عجیب حال محمد رسول اللہ ﷺ کا دیکھا گیا کہ بخاری نے ایک لاکھ بتیس ہزار احادیث جمع کیں اور ایک حدیث میں بھی ذاتِ رسول ﷺ نے اپنی تعریف نہیں کی۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے کہ جس میں انہوں نے اپنے تفاخر کا ذکر کیا ہو اور دیکھئے کیا عجیب وہ ذاتِ گرامی ہے کہ کسی نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! لوگ جنت میں کیسے داخل کئے جائیں گے؟ فرمایا: "اللہ کی رحمت کے ساتھ" کہا: "یارسول اللہ ﷺ! آپ"؟ فرمایا: "میں بھی خدا کی رحمت کے ساتھ جاؤں گا"۔ حضرات! یہ مت بھولئے کہ یہ وہ شخص کہہ رہا ہے کہ جس پر قرآن خود کہہ رہا ہے:

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیا 107:21)

یعنی اتنی عظیم شخصیت ہے کہ تمام عظمتوں کے ٹائٹل لینے کے باوجود اس اِنکسار علمیہ کا یہ باعث ہے کہ خدا کی شناخت اس کے دل میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جو اللہ کو جانتا ہے وہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اِن میں تقویٰ بہت زیادہ ہے یا اِن کی ظاہری عبادات بہت زیادہ ہیں۔

ایسے خدا کو blind perception دینی، blind عبادات کا شعور دینا، blind faith کی باتیں کرنا...... خدا قرآنِ حکیم میں بار بار ایک گلہ کرتا ہے، یہ تقلید کا گلہ ہے کہ اے اہلِ کفر! اگر تم عقل و شعور استعمال کرتے اور اگر اپنے آباؤ اجداد کی اندھا دھند تقلید نہ کرتے تو مجھے یقین تھا کہ تم مجھے پا لیتے۔ کیا یہی گلہ ایک مسلمان سے نہیں ہو سکتا کہ ہم کو یہ میراث، یہ سوغات، یہ شناخت، یہ کلمہ ہمارے آباؤ اجداد سے ملا۔ ہم نے کبھی اللہ کے ساتھ اپنی personally equation discover نہیں کی۔ مذاہب عالم میں شریعتیں تو بدلتی رہیں مگر ایک مقصد مذہب کا براہ راست ہمیشہ قائم رہا کہ ہمسائیگی خدا کی طلب میں جب بھی انسان چلا، مذہب نے اُسے رستہ دکھایا۔ جب بھی اُس نے اللہ کی آرزو کی، مذہب اُس کے لئے گائیڈ بن گیا، پیغمبر اُس کے لئے گائیڈ بنے، علم و معرفت کی اعلیٰ ترین منزلیں اُس کے لئے استوار ہو گئیں اور یہ صرف اور

صرف مذہب کی وجہ سے تھا اور جس کے سینے میں اللہ کی طلب نہیں اور جس نے اس کے بارے میں سوچا نہیں، بھلا اس کی accountability کا کیا سنٹر ہوگا؟ اُس کی ذہنی اور اخلاقی جواب دہی کا کیا مرکز ہو سکتا ہے۔

خواتین و حضرات! ایمان دل کو سکون پہنچاتا ہے۔ ایمان دل کی خوشی کا باعث ہے، اس لئے کہ ایمان اپنا صلہ خدا سے طلب کرتا ہے۔ وہ اپنی کمی و بیشی کا اللہ کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ وہ اپنی کمی خدا کی محبت میں قبول کرتا ہے، اپنی بیشی خدا کی محبت میں قبول کرتا ہے۔ جس کو اللہ کا یقین ہے، وہ سڑا ہوا نہیں ہو سکتا وہ بدمزاج نہیں ہو سکتا، وہ بداخلاق نہیں ہو سکتا۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح تو ہو سکتا ہے، وہ اپنے پیغمبر کی صورت پر تو ہو سکتا ہے، وہ خوش مزاج اور خوش اخلاق تو ہو سکتا ہے مگر ایمان دار سڑیل نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا عجیب بات ہے کہ لوگ جتنے ایماندار ہوتے ہیں اتنے ہی سڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اہلیتوں اور صلاحیتوں کا صلہ لوگوں سے طلب کر رہے ہوتے ہیں وہ اپنی عزتیں اپنے ہی جیسے لوگوں سے طلب کر رہے ہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں اللہ ایک طعنہ دیتا ہے کہ اے لوگو! عزتیں اور عظمتیں طلب کرنے کے لئے لوگوں کی طرف کیوں بڑھ رہے ہو؟

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (النسآء 139:4)

بے شک تمام عزت اللہ کے لئے ہے۔ تمام عزت تو میرے پاس ہے، تمام مراتب تو میرے پاس ہیں، یہ کیسا اعتبار ہے تمہارا؟ کیسے مجھے مانتے ہو؟ کیا حلق کی گہرائیوں سے دل کی تنہائیوں تک آپ کو میرا یقین نہیں ہوتا۔ میں نے کہہ دیا کہ آپ دنیا میں ہر چیز حاصل کر سکتے ہو، ہر چیز تمہیں مِل سکتی ہے وقتی طور پر، لیکن ایک چیز تمہیں نہیں مِل سکتی میرے بغیر:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد 28:13)

اللہ کی یاد کے بغیر دلوں کا اطمینان نہیں۔ تمہیں دل کا اطمینان نہیں مِل سکتا۔ یہ چیز میں کسی قیمت پر نہیں دوں گا۔ خواہ تم عظمتوں کے میناروں پر جا کر اٹک جاؤ، خواہ اوجِ ثریا سے ستارے توڑ کر لاؤ

تمہیں سب کچھ مل سکتا ہے مگر اطمینانِ قلب نہیں مل سکتا، کیونکہ یہ سوغات صرف میرے پاس ہے اور خواتین وحضرات! Psychological standard of normalcy are something different شاید Psychological standard of normalcy میں ہم سب شریک ہوتے ہیں لیکن ہمارے باطن پر کسی کی نظر نہیں ہوتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو شخص odd حرکات نہ کرے، جو معاشرے سے منقطع نہ ہو وہ نارمل ہے مگر ہم نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ یہ جتنے معیار ہیں نارمیلسی کے، یہ جعلی ہیں۔ انسان کے ظاہری چہرے کے پیچھے جو کرب وبلا کے سمندر ہوتے ہیں، اُس کی کس کو خبر ہوتی ہے؟ مگر پروردگارِ عالم نے بھی انسانی نارمیلسی کا ایک معیار مقرر کیا ہے فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس 62:10)

سن لو! کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم ...... کہ جو میرے دوست ہوتے ہیں وہ سائیکلاجیکلی نارمل ہوتے ہیں۔ وہ خوف وحزن سے آزاد ہوتے ہیں۔ اگر آج کے زمانے میں انسان کو فراغت چاہیے، غم وحزن وبلا سے جیسے قرۃ العین طاہرہ نے ایک شعر کہا:

بجوابِ طبلِ اَلَست توز دِلا چوں کوسِ بلا زدم

ہمہ خیمہ زَد بہ در دِلم سپہ غم و خشم وبلا

(جب تم نے آواز دی تھی: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تم میں سے کوئی ہے جو اپنے رب کو جانتا ہے۔ تو میں وہ بدقسمت تھی جو ہاں کر بیٹھی۔ تب سے لے کر آج تک میرے دل کے دروازے پر غم وخشت وبلا کی افواج نے ڈیرے ڈال لئے ہیں۔)

اور اِن بلاؤں سے نجات صرف اللہ کے قرب وہمسائیگی اور دوستی ومحبت میں ہی ممکن ہے۔

خواتین وحضرات! بہت سارے معاشرے اللہ نے خسارہ ومیزان کی وجہ سے تباہ کیئے۔ بظاہر یہ بڑا ناممکن سا لگتا ہے لیکن معاشرے جب اپنی equation خراب کرتے ہیں، تو وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ جب اپنی ذہنی اور مالی equation خراب کرتے ہیں۔ اللہ کا قانون

کچھ مختلف ہے۔ دنیا کا قانونِ معیشت کی ترقی، بزرگی اور بلندی ہے۔ اللہ کچھ اور عجیب سا قانون دیتا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍم بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا (القصص 58:28)

(کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا جب وہ اپنی معیشت پر اِترا رہی تھیں۔)

کہ ہم نے کسی قوم کو اس وقت تک تباہ نہیں کیا، جب تک وہ اپنی معیشت پر ناز نہیں کرتی۔ اس کے برعکس جب بابل و نینوا کی تہذیب معلق باغات تک پہنچی۔ جب Assyrians اپنے عروج تک پہنچے، مگر کسی قوم کو اللہ زوال کی حالت میں نہیں مارتا، بلکہ جب قومیں عروج کو پہنچیں، اُنکے تکبّرات بڑھے، اُنکے تکبّرات آسمان کو چھونے لگے، جب اہرامِ مصر آسمان کو چھونے لگے، جب باغِ شدّاد تخلیق کیا گیا، جب وہ اپنی عمارتوں پہ ناز کرنے لگے اور انہوں نے دعویٰ خدائی بھی کرنا شروع کر دیا تو خداوندِ کریم نے کہا کہ ہم نے قوموں کو اُس وقت تھاما، اُس وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر اِترا رہی تھیں اور ناز کر رہی تھیں۔ اللہ کا قانون غرباء اور مساکین کو مارنے کا نہیں ہے۔ اُن کو تو ہدایت و تلقین ہے۔ مگر انصاف، گنتی اور حساب کتاب کا اللہ بڑا شوق رکھتا ہے۔ حضراتِ گرامی! آپکے ذمے یہی شعبے آئے ہیں، تو قومِ شعیب کو صرف اس لئے تباہ کیا گیا کہ لیتے وقت زیادہ لے لیتے تھے اور دیتے وقت ہاتھ کھینچ کر دیتے تھے اور میزان کو ہمیشہ خسارے میں رکھتے تھے اور یہی میزان کا خسارہ بہت سی قوموں کی تباہی اور ہلاکت کا باعث بنا۔

زبردستی تو کوئی اعتدال پروردگارِ عالم کے لئے تخلیق نہیں ہوسکتا اور بہت سے ایسے intellectual questions موجود ہیں جو بظاہر لاینحل لگتے ہیں۔ بظاہر رسل کے کمالات موجود ہیں، کانٹ اور برگساں کی حکمتیں موجود ہیں مگر اُس پروردگار کو آپ کیا کہو گے جس نے ان کے اعتراضات کو پہلے سے سمجھ لیا تھا۔ اور فرمایا کہ

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیۃ 24:45)

(بہت سے دانشور ایسے کافر ہیں کہ جو سمجھتے ہیں کہ وقت ہمیں زندہ رکھتا ہے، وقت ہی ہمیں مارتا

ہے مگر یہ تو سب علم کی بات ہے اگر ان کو علم ہوتا تو یقیناً ہمارا اعترافِ ذات کر لیتے۔)

اگر ایک طرف recurrent cycle کی تھیوری ہے یا ٹائم کی، تو دوسری طرف لامکاں کی تھیوری ہے۔ سب کے سب فلاسفر وقت ہی کو خدا مانتے ہیں۔

قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰس 78:36)

(پوچھتے ہیں بھلا بوسیدہ ہڈیوں میں بھی کوئی جان ڈالے گا؟)

تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے علوم ابھی بہت کم ہیں اس لئے تم ان اغلاط کا شکار ہو، ان شکوک وشبہات کا شکار ہو اور جن حضرات نے فرمایا کہ خدا کا کوئی ڈیٹا تو موجود ہی نہیں ہے اس لئے خدا ہے ہی نہیں۔ کسی Anthropologist نے کہا کہ ضرورتِ انسان کے تحت خدا تخلیق ہو گیا ورنہ خدا تو کچھ نہیں ہے۔ یہ تو انسان نے ایک آسیب کی طرح اپنے ذہنوں میں استوار کر رکھا ہے۔ اگر آپ ان تمام اعتراضات کو دیکھیں تو ایک حقیقت عجیب وغریب ان فلاسفرز میں نظر آتی ہے کہ ان دانشوروں نے کبھی اتنا وقت خدا کے موضوع کو تحقیق کا نہیں دیا جتنا شاید اپنے گھریلو نوکر کی بات سننے کو ہی دیتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ semi-concerned رہے۔ اس لئے علم وفضیلت کے باوجود، دانشوری کے باوجود ایک حماقت سب سے سرزد ہوئی کہ انہوں نے اللہ کو سرسری discussion میں ڈال دیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ موضوع اس قابل ہی نہیں ہے کہ اس کو judge کیا جائے اس لئے انہوں نے اپنی بڑی بڑی special categories کے علوم ضرور حاصل کئے، پچیس پچیس، تیس تیس سال انہوں نے ایک موضوع کو ضرور دیئے۔ نیوٹن نے بارہ سال کششِ ثقل پر غور وفکر کو ضرور دیئے، Alexander Flemming نے آٹھ سال ایک دوائی کی تلاش میں ضرور گزارے مگر اتنا وقت یا اس سے بہت کم وقت بھی کسی نے اللہ کے موضوع کو نہیں دیا اور judgement ایسے دے دی جیسے یہ ultimate تھے اور اُن کی سنی سنائی باتوں پر بہت سارے ہمارے اذہان بھی شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے۔

خواتین وحضرات! یہ ایک ناقص بات تھی، چھ ارب مسلمان بھی اگر یہ کہیں کہ خدا ہے تو خدا نہیں ہے، اور اگر چھ ارب انسان یہ کہیں کہ خدا نہیں ہے تو یہ خدا کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ Every human individual must consider this question as the only important and the only top priority of the intellectual curiosity. If they are not thinking, they are missing the top priority, they will always prey of anxiety, because of concerns of lesser priorities.

سب سے بڑی غلطی جو ہمارا دانشور اِس وقت کر رہا ہے کہ وہ lesser priority کو زیادہ وقت دے رہا ہے اور top priority کو neglect کر رہا ہے۔ بقول شیکسپیئر Sans the taste, sans eyes, sans everything جب دانت نہ رہے۔ کان نہ رہے، دنیا جو ایک lesser purpose ہے اُس نے آپ سے کہا کہ میاں جاؤ گھر بیٹھو۔ اب اس قابل نہیں ہو، کسی نوجوان کو جگہ دو۔ آپ وہاں سے نکلے، لوٹا مصلّٰی اُٹھایا اور اللہ اللہ شروع کر دیا، This is a direct insult of Allah۔ خواتین وحضرات! مسجدِ نبوی ﷺ میں ایک صحابی نے اپنی کمتر درجے کی کھجوریں لٹکا دیں تو اللہ کو بڑا غصّہ آیا، اُس نے کہا اچھا دینے والا میں، آسائشات دینے والا میں، فراغتیں دینے والا میں، آسانیاں میں دینے والا، بیوی بچے میں دینے والا، سانسوں کی سوغات میں دینے والا اور میرے لئے تم اپنے مال کا بدترین حصّہ دے رہے ہو۔ اے نیک بختو! اے عقل کے تھوڑے لوگو! اگر تم اپنا بہترین مال مجھے نہیں دے سکتے تو درمیانہ دے دو۔ مگر اسطرح مجھے insult تو نہ کرو کہ میں تو ساری چیزیں تمہیں عطا کرنے والا ہوں اور تم میرے لئے اپنا بدترین مال دیتے ہو۔

خواتین وحضرات! یہی قانون اس عمر پر لاگو ہوتا ہے۔ ہم لوگ ہندو فلسفے کو اپنی زندگی کا شعار بنا بیٹھے ہیں کہ تعلیم کا حصول، زندگی کا حصول، مرتبہ وعلم کا حصول اور آخر میں جب اگر

زندگی بہت بیکار ہو جائے، سننے سوچنے کے قابل نہ رہے، جب عقل وشعور سے پیدل ہو گئے، جب بڑے میاں سہارے کے طلبگار ہوئے اور فالج کا شکار ہو گئے تو اب حضور اللہ کو جا رہے ہیں۔ تو خدا کو ایسے بندے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تو خود اسے ارذل عمر کہہ رہا ہے۔ جو عمر آپ کے پاس ہے، جو عمر سوچنے سمجھنے کی ہے جو قوتِ خیال کی ہے، جو استعدادِ کار کی ہے، جو functional age ہے، جو دانش اور برہان کی عمر ہے، وہاں آپ دوسری چیزوں کی طرف زیادہ متوجہ رہتے ہیں۔ The priority must be changed, if you believe in God and if you don't believe in God یہ زندگی کا بنیادی سوال ہے جو آدمی اِس سوال کو حل کیے بغیر اس زندگی سے گزرا، اس نے trillion years of galaxial life کو neglect کیا۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ زندگی سراب ہے، یہ وقفہء حیات سراب ہے۔ اسلام کا خیال یہ ہے کہ یہ عرصہ امتحانیہ ہے، اِدھر سے آگے اصلی زندگی شروع ہوتی ہے۔ یہاں ہر آدمی آزمائش کے لئے ہے۔ یہاں مظلوم اپنی مظلومیت سے آزمایا جاتا ہے، ظالم اپنے ظلم سے، corrupt اپنی corruption سے، ایماندار اپنی ایمانداری سے۔ اس کو ان دکھوں سے واسطہ نہیں۔ وہ تو آگے چل کر ہمیں صلے ملنے ہیں۔ اس عمرِ گریزاں سے آگے ہمارا راستہ ہے۔ مقدرات تو اس Trillion years of galaxy کی زندگی سے وابستہ ہیں جو ہمیں آگے نصیب ہوتی ہے۔ یہاں تو ہر آدمی، ہر لمحے، کسی نہ کسی تعلق سے آزمایا جا رہا ہے۔ یہاں decision making نہیں ہو سکتی، اس کے بعد ہو سکتی ہے۔ مگر دوسری قوموں کے برعکس مسلمانوں کا نظریہ اگلی زندگی کا اس زندگی کے مقابلے میں وسیع تر existence پر مشتمل ہے۔ اس لئے سب سے بڑا فیصلہ یہ کرنا ہوتا ہے کہ کیا خدا ہے کہ نہیں ہے؟ کیا اگر خدا ہے تو ہم اُس پر اعتقاد ایک فرضی نوعیت کا، blind نوعیت کا رکھتے ہیں یا Naturally we are accountable to him in every moment of our life, with every depth of our lives

اگر یہ نظریہ build نہیں ہوگا تو آپ یقین جانو کہ ہم سب خسارے میں رہیں گے۔

وَمَا علینا اِلَّا البلاغ

سوال: تخلیقِ کائنات کا مقصد کیا تھا؟ اور اس میں تخلیقِ انسان کا مقصد کیا ہے؟ ایک طرف تو آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو چناؤ دیا ہے کہ وہ اللہ کو پہچانتا ہے کہ نہیں پہچانتا، دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ ہے لوحِ محفوظ میں ہے اور وہی قیامت تک ہونا ہے۔

جواب: ہم اس نرگسیت کا شکار ہیں کہ ہم ہی پوری کائنات میں انسان ہیں اور کوئی نہیں ہے اور یہ کہ پوری کائنات میں ایک ہی life belt ہے، جس میں ہم موجود ہیں لیکن قرآن اس موضوع پر بات کرتا ہے کہ جس زمین و آسمان میں ہم موجود ہیں، یہ پوری کائنات دو ارب گلیکسیز سمیت ایک آسمان ہے۔ خداوندِ کریم نے فرمایا کہ اگر تم نظر اٹھا کر دیکھو گے تو جہاں تک یہ وسیع و عریض کائنات پھیلی ہے، یہ ایک آسمان ہے اور ایسے میں نے سات آسمان تخلیق کیے ہیں یعنی ایسی سات کائناتیں ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ (الطلاق 12:65)

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان جیسی سات زمینیں۔ شروع ہی سے قرآن concept of multi-universes دیتا چلا آرہا ہے لیکن یہ سائنسی ادراک سے آگے واقع ہے۔ ابھی تک سائنسز اس مقامِ ادراک تک نہیں پہنچی ہیں۔ ابھی تک سائنسز کو سات زمینوں میں سے ایک آدھ زمین کی بھی آگاہی حاصل نہیں ہوئی مگر خدا صرف یہ نہیں کہتا کہ میں نے سات زمینیں تخلیق کی ہیں بلکہ ساتھ میں یہ بھی فرماتا ہے:

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (الطلاق 12:65)

اور ان تمام زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے۔

خدا کہتا ہے کہ مجھے پتہ ہے کہ تم ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکو گے مگر یہ بات میں نے تمہیں اس لئے بتائی کہ تمہیں اپنے رب کی قدرت کا اندازہ ہو سکے کہ وہ کتنا بڑا اور کتنا عظیم ہے۔

لِتَعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الطلاق 12:65)

(تا کہ تم جان سکو کہ وہ کتنی قدرت والا ہے، کتنا بڑا قادر ہے۔)

اب میں آپکو دوسری بات کے بارے میں بتاؤں کہ لوحِ محفوظ کیا ہے؟ لوحِ محفوظ کا نام ہمیں شک میں ڈال دیتا ہے۔ ہم جس کو مقدر کہتے ہیں وہ ہمارا وہ مقدر نہیں ہے جو ہمارے چناؤ کے بعد ہمیں پیش آنے والا ہے، بلکہ یہ مقدر وہ اندازہ ہے جو زمین پیدا کرنے سے پہلے پروردگارِ عالم نے مخلوقات کا لگایا، اس میں ساز و سامان کا لگایا، میں اگر آج کے دن آپکے لفظوں میں ترجمہ کروں تو میں کہوں گا کہ Its a master plan اور اُس ماسٹر پلان میں resources of the earth رکھے گئے اور خدا نے کہا کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے میں نے اس میں سارے resources رکھ دیئے، جو قیامت تک انسان کی ضرورت کے لئے ضروری تھے۔ jobs رکھ دیئے، centuries اور وقت کے مطابق ان کے لئے نئے origins رکھ دیئے، کام کاج رکھ دیئے، روٹی پانی رکھ دیئے، یہ تمام انسان کا پروٹوکول تھا، اس میں کوئی ایسی عجیب و غریب چیز نظر نہیں آتی۔ میں نے ایک دفعہ ڈِک چینی کو سنا تھا کہ جب اس نے الجیریا فوج بھیجی تھی تو اس سے پوچھا گیا: You have sent your army to a very ancient place what have you done about it. تو اُس نے کہا تھا کہ ہم نے اپنی فوج کا پہلے سے اندازہ لگا کر اتنا زیادہ سامان دیا ہے کہ اگر سوئی کی بھی ضرورت پڑے گی تو وہ بھی ہمارے فوجی کو اپنی جیب سے مل جائے گی۔ غور کریں کہ اگر ایک عام سی حکومت یہ دعویٰ کرے کہ ہم نے کسی کو بھیجنے سے پہلے اس کے بندوبست کر دیئے ہیں تو اگر خدا زمین میں انسان کو اگا رہا تھا اور پیدا کر رہا تھا تو ہمیں اُس نے کوئی choices نہیں دیئے، کہ ہمارا باپ کون ہوگا؟ ماں کون ہوگی؟ چونکہ تمام انسانوں کو ایک ہی کام درپیش تھا، ایک بنیادی ذہانت کا سوال درپیش تھا کہ قبر میں جب یہ سوال پوچھا جائے کہ مَنْ رَّبُّکَ تو یہ سوال فرشتے کوئی انوکھا نہیں کریں گے بلکہ اِس زندگی کی بنیاد پر کریں گے، جس میں تمام سہولتیں مہیا کرنے کے بعد اللہ

تعالیٰ نے آپ کو بھیجا، اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ آپ اُس کے لئے کیا کر کے آئے اور کیا نہیں۔ اُسکو تو اپنے اُس عقل و شعور کی دی ہوئی نعمت کے عوضانے میں اس سوال سے غرض ہوگی جو اس عرصہءحیات سے گزرنے کے بعد قبر کے دہانے آپ سے پوچھا جائے گا۔

دنیا میں جس کو آپ مقدر کہتے ہیں، یہ وہ مقدرات ہیں جو آپکے زمین پر necessary existence کے لئے لازم ہیں۔ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بندوبست کر رہے ہیں تو ہم تو صرف انسان ہیں جو اپنا بندوبست کر رہے ہیں ہمارے علاوہ بھی ایک ارب مخلوقات زمین پر بستی ہیں جن کے پاس وہ calibre نہیں جو ہم رکھتے ہیں۔ ہمیں بھی ابھی شعور آیا زندگی گزارنے کا، اس سے پہلے دس ہزار سال پہلے تو ہمیں بھی نہیں پتہ تھا کہ کیا کھانا ہے، کہاں سے کھانا ہے۔ ایک تھوڑے سے وقفہءحیات کے لئے جب انسان نے عقل و آگہی پائی، اس میں خود اعتمادی اور خود شعوری پیدا ہوئی تو اس نے یہ خیال کیا کہ ہم arrangements کر رہے ہیں، ہم سارا بندوبست کر رہے ہیں ہم شناخت کر رہے ہیں مگر یہ حقیقت نہیں ہے۔ مقدر جو یہاں زمین پر ہے وہ پروٹوکول ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے تمام انسانوں کی ضروریات کو کتاب میں لکھ دیا۔ اگر تھوڑا سا غور کریں تو کُن فَیَکُون کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ایک دَم سے کائنات وجود میں آجائے۔ جب ماسٹر پلان تیار ہو گیا، اندازہءانسان ہو گیا، زندگی ترتیب دے دی گئی، تو خدا نے کہا:

Let the process start کُن فَیَکُون کا مطلب تھا کہ اب زندگی کو ابتداء دی جائے، اب زندگی کے ذخائر کو ابتداء دی جائے، جس صدی میں جتنا استعمال ہونا ہے اُس کو ابتداء دی جائے۔ And till now we are only watching the arrangements of Allah for human beings.

جب شب برات پر discussion آتی ہے تو یہ بڑی دلچسپ اور ٹیکنیکل بات ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن زمین کے ایک ہزار سال کے برابر گنا جاتا ہے بلکہ ایک بڑی

عجیب وغریب حدیث ہے جسکا سننا آپکے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوگا کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ دنیا کی عمر آدھا دن اور بڑھادے پوچھا گیا یارسول اللہ ﷺ! آدھا دن کتنا؟ فرمایا پانچ سو برس۔ دیکھئے کتنی عجیب سی بات ہے کہ ہم اس دنیا کو فائنل سمجھ بیٹھے ہیں، قیامت کو فائنل سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہ صرف اللہ کا علم ہے۔ حضور ﷺ کی اس حدیث کی رُو سے ہو سکتا ہے کہ ہم ان پانچ سو برسوں میں سے گزر رہے ہوں جو extended ہیں۔ جب تک آپ اس کو ایک بڑے scenario میں نہیں دیکھیں گے، اُس وقت تک یہ باتیں عمومی religious attitudes سے نہیں سمجھ میں آسکتیں۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ جب قیامت قائم ہوجائے اور لوگ جنت میں داخل کردیئے جائیں تو پھر بھی جنت میں بہت جگہ بچ جائے گی۔ پھر نئے انسان پیدا کئے جائیں گے اور اُن کی نئے سرے سے آزمائش ہوگی یعنی حضور ﷺ کی یہ حدیث بتاتی ہے کہ یہ life belts کا general cycle ہے۔ یعنی خدا کے بندے آتے رہیں گے، یہ صرف ایک زمین پر نہیں سات زمینوں پر ہوگا اور یہ تھوڑی سی مقدار ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جنت کیسی ہے؟ جو اتنی بڑی ہے کہ صرف اس کے عرض کے بارے میں قرآنِ حکیم میں یہ بتایا گیا ہے کہ اہلِ تقویٰ اُس جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (اٰلِ عمرٰن 133:3)

جس کی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے we can't imagine about its magnitude. وہ آخری کائنات جو تین بڑی گلیکسیز ہیں، ہماری کائنات کی جو تین بڑی گلیکسیز ہیں جن میں trillions of stars ہیں، ان میں سے اگر سب انسان ایک ایک ستارہ بھی بانٹ لیں تو پھر بھی شاید اس جنت کو کوئی گزند نہیں پہنچتا، اور اس کائنات کو، اس utopia کو qualify کرنے کے لئے ہمیں تھوڑی سی تربیت کے لئے زمین پر بھیجا گیا ہے۔ اس کا آخری جواب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیا: پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر سارے کام اللہ نے pre-arranged کئے ہیں تو ہم کیا کر رہے ہیں۔ فرمایا: جب اللہ نے

کسی سے کوئی کام کرانا ہوتا ہے تو اسکے ارادے اور motivation کو قابو میں لے لیتا ہے۔
قرآنِ حکیم میں اللہ فرماتا ہے:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌم بِنَا صِيَتِهَا (ھود 56:11)

(ایسا کوئی ذی حیات نہیں زمین پر جس کو ہم نے ماتھے سے نہیں تھام رکھا)

انسانی دماغ کے بارے میں ہونے والی اس دور کی تمام تحقیقات یہ بات بتاتی ہیں کہ forebrain میں ہی انسان کی ساری قوتِ متخیلہ، ارادہ اور پلاننگ ہوتی ہے اور خدا کا ریموٹ کنٹرول اس پر ہر وقت موجود رہتا ہے۔ شاید کوئی انسان ایکسیڈینٹ نہ کرے، کوئی بھول کا شکار نہ ہو کیونکہ وہ کنٹرول exist کرتا ہے، تو exits اور entries ہر وقت اللہ کے قابو میں رہتی ہیں اور جدھر اس نے موڑنا ہوتا ہے drive motive کو اس طرف لگا دیتا ہے، کسی کو محنت پر لگا دیتا ہے، کسی کو کرسی پر بٹھا دیتا ہے اور کسی کو اُس سے زیادہ دُگنی محنت کروا کے ریڑھا کھینچنے پر لگا دیتا ہے۔ یہ مقدرات شاید پہلے سمجھ میں نہیں آتے تھے مگر Now it is very clear that it is just a protocol of very important creatures on earth.
اس کے بعد آپ نے پوچھا تھا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ غور کریں تو مقصدِ تخلیقِ کائنات نہیں ہو سکتا۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِیءُ الْمُصَوِّرُ (الحشر 24:59)

(وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا)

وہ خالق ہے، وہ پہلے سے چیزوں کو سوچتا ہے، مصور ہے، ترتیب دیتا ہے، وہ خوبصورتی کو تخلیق کر رہا تھا۔ وَاللّٰهُ جَمِيلٌ وَّ يُحِبُّ الْجَمَال اور اللہ حسین ہے اور حُسن سے محبت کرتا ہے۔ وہ حسین تھا اور حُسن طلب کر رہا تھا۔ یہ خدا ہی کو زیب دیتا تھا کہ وہ اپنے لئے کسی ایسی مخلوق کو تخلیق کرے جو اُسکو appriciate کرے۔ جاہ ومنصب اور تکبر اللہ کی میراث ہے۔ کبریائی میری چادر ہے جو اس کو مجھ سے چھینے گا میں اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوں گا۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اللہ کو کیا ضرورت تھی کہ اپنی کبریائی کی تسکین کے لئے ہم سب کو مصیبت میں ڈال دیتا۔ ہماری طرف

سے تو یہ گلہ درست ہے مگر پھر بھی کسی تصویر کی کیا مجال ہے کہ مصور سے سوال کرے کہ مجھے van Gogh کی طرح depressive کیوں بنایا اور Rembrandt کی طرح landscape میں کیوں نہ ڈھالا۔ یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اس انداز میں سوچیں مگر خدا کا کہنا یہ ہے کہ ایک general appriciation کے لئے اس نے آپکو تخلیق نہیں کیا، اُس نے شاید ایک فردِ واحد سے وہ تعریف کروائی جس کا وہ حق رکھتا تھا اور جملہ انسانوں میں ایک آدھ انسان اس نے چنا جیسے اس نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں کہا کہ:

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا (النساء 125:4)

(اور اللہ نے ابراہیم کو سچا دوست بنایا) اب دیکھئے خدا کی دوستی کی limits کیا ہیں کہ آج نو ہزار سال گزرنے کے باوجود آپ کا حج ہے کیا؟ تمام کی تمام سنتِ ابراہیمی حتیٰ کہ جس پتھر پہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ لگے تھے، آج بھی تمام جملہء مومنین اُس مخلص دوست کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے لمسِ دستِ حضرت ابراہیمؑ کو چومتے ہیں بلکہ آپ گمان کریں کہ خدا کی دوستی کا یہ حال ہے کہ جب اصحابِ رسول ﷺ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! باقی تو حج کی رسمیں ابراہیمؑ کی ہیں مگر صفا اور مروہ تو نہیں ہیں۔ صفا اور مروہ میں تو ابراہیمؑ نہیں تھے پھر ہم صفا اور مروہ چھوڑ نہ دیں تو اتنے قہر میں آئے خداوندِ ذوالجلال کہ فرمایا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرة 158:2)

اُسکی بیوی بھی میرے دوست کی بیوی ہے اور اسکا بچہ بھی میرے دوست کا بچہ ہے۔ مجھے ان سب سے اتنی ہی شدید محبت ہے اور یہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے اور یہ بھی میرے طریقوں میں سے ہے کہ تم میرے دوستوں کی یاد منایا کرتے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ یہ کائنات بھی دوستی کی خاطر پیدا کی گئی ہے، محبت اور اُنس کی وجہ سے اور اس تعلقِ خصوصی کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے۔ ہاں اس میں ranks of recognition ہیں کہ کون کس کے لئے پیدا ہوا۔ اگر اُن تمام حدیثوں کو ترک بھی کر دیں، انہیں کمزور مانیں اور صحیح نہ مانیں جو حضور ﷺ کے بارے میں ہیں۔

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی — (خدانے سب سے پہلے میرے نور کو تخلیق کیا۔) اور اس کے بعد لوح و قلم کو تخلیق کیا اور چاہا کہ یہ کائنات کسی کے نام لگے۔ کائنات کی تخلیق خدا کے لئے معمولی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو نفسِ انسان کو اللہ نے اتنی بڑی تخلیق قرار دیا کہ وہ ان تمام تخلیقات سے بڑی ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ہ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ہ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ہ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ہ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ہ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ہ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا ہ (الشمس 91:1-7)

(سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاندنی کی جب اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب اسے چمکائے اور رات کی جب اسے چھپائے اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم اور زمین اور اس کے پھیلانے والے کی قسم اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔)

اتنی بڑی بڑی تخلیقات کے ساتھ اُس نے ایک چھوٹی تخلیق کا ذکر کیا ہے کہ یہ چاند، سورج، ستارے سب میں نے تخلیق کئے۔ سب سے complicated چیز جو میں نے تخلیق کی وہ نفس ہے وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا یعنی میں نے نفسِ انسان کو تخلیق کیا اور اسے برابر کر دیا fifty, fifty کر دیا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ہ (الشمس 91:8)

(پھر الہام کئے اس پر اس کے فسق و فجور اور اس کا تقویٰ۔)

خواتین وحضرات! It will take a little more time even ten to fifteen more years when men will discover that we don't think , we only choose in thoughts. شاید کچھ عرصہ سائنس کو اور لگے گا یہ confirm کرنے میں کہ کیا ہم سوچتے ہیں یا ہم سوچوں میں انتخاب کرتے ہیں؟ ہمارے ذہن پر فسق و فجور اور تقویٰ دونوں قسم کے خیالات الہام کئے جاتے ہیں and we have to choose only out of them.

سوال: ایمان دل کو سکون دیتا ہے۔ آج کی بے سکونی کو دیکھتے ہوئے جس میں ہم سب یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم ایماندار ہیں کیا کوئی ایسی ظاہری علامات ہیں یا کوئی معیار ہیں جس سے ہم

اپنے ایمان کو پیش کر سکیں۔ مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ وَکَانَ اللّٰهُ شَاکِرًا عَلِیْمًا اس آیت کی روشنی میں بتائیں کہ ایمان کی موجودگی اور عدم موجودگی کی کیا کوئی علامات یا معیار ہیں؟ قرآن میں حروفِ مقطعات کی کیا implementations ہیں؟

جواب: آپ نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب دے دیا۔ اگر ایمان کے باوجود دل بے اطمینان ہے تو پھر ایمان پورا نہیں ہے یا ایمان ہے ہی نہیں ہے۔ خدا پر یقین رکھنے والے غم و گردش و بلا میں قطعاً آزردہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ مگر انسان میں کچھ پہلو ایسے ہیں، اس کی کچھ جبلی اقدار ایسی ہیں جو اس میں نسبتاً دوسروں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ کوئی ایک جبلت ایسی ہوتی ہے جو باقی جبلتوں کے نظام میں آپ کو upset کرتے ہوئے آپکو cause کرتی ہے اور وہ آپ کے ایمان میں add ہو جاتی ہے بعض اوقات ایک excessive جبلت آگے بڑھ کر آپ کو پورے شکریے کے قابل نہیں رہنے دیتی، اسی لئے خدا اعتدال کی تلقین بھی کرتا ہے اور ہمیں ہدایت بھی کرتا ہے کہ اگر میرے لئے قتل بھی کرو تو بے اعتدالی نہ کرو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ جیسے حضرت یوسفؑ نے فرمایا:

وَمَآ اُبَرِّیءُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌم بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہ (یوسف 12:53)

(اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں کہتا، بے شک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بے شک وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔) اگر اس قسم کے excessives ہم commit کر بھی لیں تو ہمارے پاس ایسے علاج ہوتے ہیں اور وہ خدا کے بتائے ہوئے ہیں، جن سے ہم وہ excessive معتدل کر کے ایک پورے اطمینان میں جا سکتے ہیں۔ آپ کے سوال کا واحد جواب یہ ہے کہ اگر اچھی عبادات کے باوجود ہمیں اطمینان نہیں مل رہا تو We must come back to check ourselves. Sometimes we believe wrongly that we have a right kind of trust on God but we

ہماری بہت سی چیزیں ایسی ہیں، جو analytically ہم check نہیں don't have. کرتے۔انسان کے self کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہمدردی بہت رکھتا ہے۔اگر ہم کوئی غلطی نہ بھی کریں تو اس سے sympathetic consideration جو ہمارے ہر self میں موجود ہے، سامنے آجاتی ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النّٰزعٰت 40:79)

(جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا)

جب تک ہم اپنے نفس کو کڑی نگرانی سے نہیں رکھیں گے، اس کے مکروفریب سے آگہی حاصل نہیں کریں گے، تو کوئی بھی اطمینان دل کو نہیں پہنچ سکتا۔

دوسرا سوال آپ کا حروفِ مقطعات کے متعلق ہے۔شیخ محی الدین ابن العربیؒ نے جو اس پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے ایک تو وہ ناکافی تھی اور دوسرا اس سے کوئی اصول مرتب نہیں ہوتا تھا۔ I touched this subject میں اس کے پیچھے scientific علوم کی تلاش میں تھا۔اس میں کچھ اساتذہ کرام آئے تھے، بہت سے علماء کرام، فضلاء اور دانش وروں نے اسے tackle کیا مگر اس کی demonstration کسی بھی کتاب میں ہمیں نظر نہیں آتی۔

when I was a student جب میں تصورِ خدا پر اپنے basic thesis پر کام کر رہا تھا تو اس دوران مجھے حروفِ مقطعات سے واسطہ پڑا۔ finally I discovered the basic jobs of these letters. یہ جتنے بھی حروف ہیں یہ ساری کائنات پر محیط ہیں اور تمام کائنات، کام، معاملات، انسان، زندگیاں سب اِسی کے زیرِ سایہ مرتب ہوئے۔یہ لائبریری کے کیٹالاگ ہیں۔یہ چودہ remarkable chapters ہیں کہ اگر آپ کسی انسان کو ڈھونڈنا چاہو، یعنی انسان کی فطرت کو ڈھونڈنا چاہو تو chapter wise اسے نکال سکتے ہو۔اس کے بعد بڑا کام یہ تھا کہ ان حروف کو جداگانہ value دینا۔ It's a very high science میرا خیال ہے کہ اس کا جاننا بھی بوجھ ہے۔یہ صرف انسان کی اندرونی فطرت کے بارے میں ہے۔

سوال: میرا پہلا سوال عبادات کے متعلق ہے کہ ہر انسان کی پیدائش سے لیکر موت کی آخری

سانس تک یہی کوشش ہوتی ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کروں تا کہ اللہ مجھے اس کا اجر دے، مگر قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا o اے رسول ﷺ! ساری رات مت کھڑے رہو، اس سے کچھ کم کرلو۔ وہاں ایک حد لگا دی۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے رات کو آرام وسکون کے لئے بنایا اور ادھر یہ فرمایا کہ اے اللہ! مجھے پناہ دے رات کی تاریکی سے جب وہ چھا جائے تو ان دو باتوں کے تضاد کے پیچھے کیا بات ہے۔ میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ قرآن میں جن مختلف قوموں کی تباہی کا ذکر موجود ہے تو کیا ان کو صرف معیشت پر غرور وتکبر کی وجہ سے ہی ہلاک کیا گیا؟ جبکہ دیگر کئی وجوہات سے بھی قومیں تباہ ہوئیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ

وَکَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ م بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا (القصص 58:28)

(ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا جب تک وہ اپنی معیشت پر اترانے نہ لگے)

میں نے کہا تھا کہ وہ غریب بستیوں کو تباہ نہیں کرتا۔ وہ قومیں تمرد اور تکبرات کا شکار ہوتی ہیں جن قوموں کا آپ نے ذکر کیا وہ سولائزیشن کے عروج پر تھیں جیسے Achaemenian ہے، یہ اس وقت تباہ کئے گئے جب اپنی اپنی عظمتوں کی چوٹیوں پر تھے تو خدا نے ان کو اس لئے پکڑا، جیسے فراعنۂ مصر کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ یہ قومِ عالین تھی اور حد سے بڑھ گئی تھی۔ جب دنیوی تمرد اور ساز وسامان کی بنیاد پر قومیں بہت زیادہ تکبرّات کا شکار ہو جائیں جیسے آج کے دن امریکن ہیں اور یورپین سولائزیشن ہے تو انکا سارا انداز وغرور کسی ماڈرن ویلیو پر نہیں ہے، وہ سارا اپنی معیشت پر ہے۔ اللہ کے نزدیک ٹائم اس سے بہت کم ہے جو ہمارا ہے۔ ہم تو دو چار سال میں بے چین ہو جاتے ہیں مگر ایک یقینی بات یہ ہے کہ ان کی زوال پذیری کتاب میں اللہ نے لکھ دی ہے۔ اگر کسی بھی Prime of civilization کو دیکھیں تو تمام بڑی civilizations اس لئے تباہ ہوئی ہیں کہ وہ اپنے in-built resources سے باہر نکل گئی تھیں۔ جب وہ اپنے غرور وتکبر میں out-built resources میں گئیں تو وہ تباہ ہو گئیں جیسے اب امریکہ suffer کر رہا ہے یا British اب suffer کر رہے ہیں۔ تو یہ سارے کے سارے اُس زد میں آگئے ہیں اور شاید partially ہم بھی آرہے ہیں۔

رات کی تاریکی کے بارے میں عام طور پر اصول یہ ہے کہ

جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (المومن 61:40)

(بنائی ہے تمہارے لئے رات تا کہ تم آرام کرو اس میں اور دن کو روشن)

کہ رات سونے کے لئے ہے اور صبح اس لئے ہے کہ تم کام کرو۔ جس کو شر کہا جا رہا ہے "والناس" اور "فلق" کہا جا رہا ہے، یہ انسانوں سے دوسری مخلوق یا مخالف مخلوق کے بارے میں ہے۔ اگر آپ ڈکشنری دیکھیں تو آپکو نظر آئے گا کہ جن وہ ہے کہ جو انسان نہیں ہے۔ وہ مخلوقات موجود ہیں۔ جب ہمارے کچھ top intellectuals جنّات کا انکار کر جاتے ہیں تو میں بڑا حیران ہوتا ہوں کہ شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا تو ہے مگر وہ جن تخلیق نہیں کر سکتا we consider that God as a conceptual God کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ فرضی ہیں تو ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا کو تو ہم مانتے ہیں مگر اتنا نہیں کہ وہ جنت کو اتنا خوبصورت باغ تخلیق کر سکے۔ تو تمام کے تمام مذاہب کا بنیادی مسئلہ نہ عذابِ قبر کا ہوتا ہے، نہ جنت و دوزخ کا ہوتا ہے، نہ کہکشاں ہوتی ہے، نہ پل صراط ہوتا ہے This main question is one and simple that do you believe in God or don't you believe in God.

یہ بالکل سادہ ہے۔ اس لحاظ سے خداوندِ کریم یہ فرماتے ہیں کہ رات میں جہاں تم سوتے ہو دوسری مخلوقات جاگتی ہیں۔ اب دیکھئے جنات کھلے پڑے ہیں، شیاطین کھلے پڑے ہیں، ہر چیز کھلی پڑی ہے اور آپ سوئے ہوئے ہیں۔ جب سوئے ہوئے ہیں، تو آپ محفوظ ہیں، جب آپ جاگو گے تو anxiety, depression, sychotic, neurosis, personality disorder اگر آپ نے غور کیا ہو تو تمام نفسیاتی disturbances کی ابتداء جاگنے سے ہوتی ہے، جب آپ اپنے اعصاب پر بے جا دباؤ ڈالتے ہیں۔ کوئی بھی ذہنی بیماری اُس وقت تک نہیں ہوتی جبتک آپ رات کو آرام سے سو لیتے ہو۔ جب آپکی آنکھ نہ لگے، جب آپ کے ذہن کی faster pace ہو جائے تو آپ سمجھو کہ آپ بیمار ہو گئے ہو۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ یہ سائیکلا جیکل بیماری ہے مگر اگر آپ غور کریں تو علاج سب کا ایک ہے۔ اگر آج سائیکلا جیکل بیماری کا آخری علاج بجلی کے جھٹکے سے ہے۔ تو پرانے زمانے میں اُسکو اُلٹا لٹکا کر جوتے مارتے تھے یا مرچوں کی دھونی دیتے تھے۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی چیز جو revive کر رہے ہوتے ہیں وہ survival کی instinct ہے۔ ان آسیب زدہ خیالات پر اگر کوئی چیز غالب آسکتی ہے تو وہ instinct of survival ہے اور جو راتوں کو ٹھیک وقت پر سوتے

ہیں یا آرام سے سوتے ہیں تو وہ اِن ذہنی بیماریوں سے عام طور پر محفوظ رہتے ہیں۔

آج جب میں لاہور آیا تو مجھے اٹھارہ سال پہلے کے وہ دن یاد آگئے کہ جب ہم صبح اٹھتے تھے تو انار کلی کا رخ کرتے تھے، دکانیں کھلی ہوتی تھیں، کھانے پینے کی افراط ہوتی تھی اور اب گیارہ بجے تک انتظار کر رہے ہیں کہ کب بازار کھلے تو اب پورے کا پورا ٹائم بھی شفٹ ہو گیا ہے۔ اب صبح ہی گیارہ بجے ہوتی ہے۔

اُس وقت بھی اصحابِ رسول ﷺ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ تھے، جو صبح بہت لیٹ اُٹھتے تھے تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہماری تو آنکھ ہی نہیں کھلتی، تو آپ ﷺ نے کہا کہ اچھا اگر آنکھ نہیں کھلتی تو حساب نہیں ہے مگر جب آنکھ کھلے تو نماز پڑھ لیا کرو۔ آپ نے دیکھا کہ جب مؤذن اذان دیتا تو وہ کہتا الصّلوٰۃ خیرٌ مِنَ النّوم اب حضرت عمرؓ سے کوئی پوچھے کہ سوئے ہوئے اس کو کیسے سنیں گے؟ جو سویا ہوا ہے اس کو یہ آواز کیسے پہنچے مگر دراصل یہ جملہ صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو جاگ تو پڑتے ہیں مگر خجالت و کسالت کا شکار ہو جاتے ہیں، کروٹیں بدلتے رہتے ہیں کہ ابھی اٹھتے ہیں ابھی اٹھتے ہیں۔ شاید یہ جملہ ان لوگوں کے لئے ہے کہ اگر ان کے کانوں میں پڑ جائے تو وہ ذرا activate ہو جائیں کہ یار مؤذن یہ کہہ رہا ہے تو اٹھ ہی جائیں، بشرطیکہ ان کو ترجمہ آتا ہو۔ اور تیسری بات بڑی دلچسپ ہوتی ہے کہ ہمارے یہ processes جو تبدیل ہوئے، اُس پر بھی ہمارے پاس ایک حدیث موجود ہے جو مسلمانوں کو بہت بڑا فائدہ دیتی ہے اور یہ زیادتی ہوگی کہ میں آپکو نہ سناؤں۔ جب قرآن کی یہ آیت اُتری اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی (نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز ملے پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد اصحابِ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں اس آیت سے اور اس کی وضاحت سے بے پناہ خوشی نصیب ہوئی۔

اصل میں جو احکاماتِ شرع ہیں یا جو احادیثِ رسول ﷺ ہیں یہ انسان کی ہر کمی پر بنائے گئے ہیں۔ اس نے ایک فائدہ دیا ہے۔ نماز ایک ultimate necessary چیز ہے، جس میں چھتیس exceptions ہیں۔ اُس کے طریقہ کار پر، سفر پر، عذر ہے۔ اگر آپ غور کریں تو یہ اللہ تعالیٰ نے اتنی رعایت بخشی کہ چلو یار! مر، مرا کے ہی سہی، دو چار لفظ میرے حق میں ادا کردو تو یہ بات on record چلی جائیگی کہ تم میرے بندے ہو اور میری دوستی کے خواہاں ہو۔

رات کا وقت ان مخلوقات سے فرار کے لئے ہے جس کے بارے میں کہا گیا:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ہ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ہ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ہ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ہ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق113:1-5)

(تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے۔اس کی سب مخلوق کے شر سے اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے جب وہ ڈوبے،اوران عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔)

تمام جادوگری کے اعمال،سحر، راتوں کو مراقبہ کرنا، ارتکاز کرنا،خوفناک جگہوں پر fear کی کچھ صورتیں بیدار کرنا ہے،فوبیا پر قدرت حاصل کرنی اور جنّات کو تسخیر کرنا یہ سب اعمال رات کے وقت ہوتے ہیں۔اس لئے خداوندِ کریم نے ہدایت فرمائی کہ بجائے ان فالتو activities کے آپ آرام سے سویا کرو۔اگر نیند نہ آئے تو کیا کرو......

تیسری بات عبادات کے بارے میں ہے۔عبادات کا کوئی رسوخ اللہ کے پاس نہیں ہے، داد ہے مگر رسوخ نہیں۔ appriciate ضرور کرتا ہے، اگر آپ تہجد پڑھو گے تو appriciate ضرور کرے گا مگر ایک حدیثِ رسول ﷺ ہے:''وہ عبادت گزار جو بڑی عبادتیں کرتا ہو،اُس کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو صبح وشام پانی بھرتا رہتا ہے''۔عبادت کے پیچھے شعور ہونا چاہیے۔بہت ساری عبادات عقل،شعور،نیت اور اخلاص سے عاری ہوتی ہیں۔ایک حدیثِ مسلم ہے جو آخری احادیث میں سے ہے کہ جب بہت سارے لوگ اللہ کے حضور سے ملائکہ جنت میں لے جا رہے ہوں گے، ماشاءاللہ بڑی مقدس شخصیات ہونگی،زمین وآسمان میں انکا بڑا احترام ہوگا تو خداوندِ کریم ان کے لئے صدا لگائیں گے کہ انکو جہنم میں ڈال دو۔ملائکہ تعجب سے پوچھیں گے، یہ استعجاب ہوگا انکار نہیں کہ اے پروردگار! ان کے تو نامۂ اعمال کی نیکیاں شرقاً غرباً لکھ لکھ کر ہمارے تو قلم ہی سوکھ گئے تھے اور آپ فرما رہے ہیں کہ انہیں جہنم میں پھینک دو۔اللہ فرمائے گا کہ میرا اور میرے بندے کا ایک معاملہ ہے جسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ خواتین وحضرات! اس سے کم از کم ایک بات کا تو پتہ چلا کہ فرشتے اندر نہیں جھانک سکتے، وہ ہمارے اعمال تو ریکارڈ کر سکتے ہیں مگر وہ ہمارے دل کے اندر نہیں جھانک سکتے اور اندر کی بات صرف اللہ ہی جانتا ہے:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (قٓ 16:50)

(اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔)

سوال: آپ نے ذکر کیا کہ اللہ جس کے چاہتا ہے، اس کے درجے بلند کر دیتا ہے، اسی طرح کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اسی طرح یہ بھی ہے کہ نیکی اور بدی خدا کی طرف سے ہیں اگر نیکی اور بدی کی اجازت بھی ہمیں اللہ کی طرف سے ملے گی۔ جب سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو پھر انسان کی acountability کس طرح ہو سکتی ہے اور یہ کہ جب تبدیلِ قبلہ کا حکم آیا تو صحابہ کرامؓ نے جو نبی پاک ﷺ کی امامت میں نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے بغیر کوئی سوال کئے اپنا رخ بدل لیا۔ اس کے فوراً بعد یہ آیت لکھی ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ نیکی اور بدی کی توفیق کا اللہ کی طرف سے ہونے کا مطلب واضح کریں۔

جواب: میں آپ کو واضح کر دوں کہ اس میں دس لوگوں نے رخ بدلا اور باقی اپنے رخ پر قائم رہے اور اُن دس لوگوں کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں اور اُن کو خدا کے رسول ﷺ نے زندگی میں جنت کی بشارت دی، مگر باقی لوگ بھی ٹھیک تھے۔ اُن کو بعد میں بتایا گیا کہ کعبہ کا رخ بدل گیا ہے۔ انہوں نے شروع میں اس بات کو نہیں سمجھا تھا تو باقی لوگوں کو چھوڑا نہیں گیا، وہ بھی اصحابِ رسول ﷺ تھے مگر چونکہ انہوں نے رسول ﷺ کا رخ بدلتے دیکھ کر اپنے بھی رخ بدل لئے تھے اس لئے وہ اصحابِ سابقون کہلائے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ o اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ o (الواقعہ 56:10-11)

(اور جو سبقت لے گئے وہ مقرب لوگ ہیں)

چونکہ وہ قریب کے لوگ تھے، حکمت اور اندازِ رسول ﷺ کو سمجھتے تھے۔

دیکھیں کہ خدا کی طرف سے کیا ہے؟ خدا کی طرف سے آپکا رزق ہے، آپکی placing ہے، آپکے مقامات ہیں، آپکے سونپے جانے کی جگہ ہے مگر اس کے علاوہ اس نے ایک باریک سے انتخاب کے لئے آپکو آزاد چھوڑا ہوا ہے۔ اور پھر دیکھئے جب آپ صابن خریدنے یا کپڑا خریدنے جاتے ہیں تو آپ اپنی choices پر کبھی نہیں یہ کہتے کہ خدا نے مجھے یہ چنوایا ہے آپ یہ نہیں کہتے کہ خدا نے مجھے اس صابن کا ذوق عطا کیا ہوا ہے۔ آپ اس کا claim خود کرتے ہو، اسکا دعویٰ خود کرتے ہو، آدمی جب اُس انتخاب کا دعویٰ کرتا ہے تو پھر خدا کے بارے میں یہ گلہ نہ کرے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو میں نے پہلا contract انسان کے ساتھ کیا ہے وہ میں نے ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ وَکَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ کہ ہر حال میں اپنی مخلوق پر رحمت فرماتا ہوں۔ اب ذرا سوچ کر بتایئے کہ کیا رحم میں عذاب یا دوزخ شامل ہو سکتا ہے؟ خدا ایسا نہیں

It is not the intention of God to send anybody in کرتا Azaab. جب اُس کی intention نکل گئی تو پھر ہم نے دیکھا کہ جواز کیا بنتا ہے۔ کیوں جہنم میں لوگ داخل ہوں گے؟ اور کیوں نہیں داخل ہوں گے؟ اور دیکھئے خدا نے معیار کیا رکھا ہوا ہے؟ معیار اتنا کم ہے کہ آپ یقین نہیں کر سکتے۔ حضورِ گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایک مرتبہ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا اُس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی اور یہ صحیحین میں سے ایک صحیح حدیث ہے۔ اب دوسری سنیئے کہ اللہ نے اُس شخص پر نارِ دوزخ حرام کر دی جس کی آنکھ سے ایک آنسو اللہ کے لئے گرا۔ اب اس کے باوجود اگر حضرتِ انسان گلہ کرے کہ اللہ نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے تو وہ اُن کا problem ہے۔ خدا نے ذہنی اور اخلاقی سطح پر اپنی تسلیم کا کتنا کم معیار رکھا ہے۔

دوسری بات یہ کہ خدا عذاب دیتا ہے تو ایسی کوئی بات نہیں، یہ یاد رکھیئے کہ اللہ نے کسی گناہ کا انجام جہنم نہیں رکھا، میں اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہہ رہا، فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر 39:53)

اے پیغمبر! ان سے کہہ دے کہ تم نے بڑا اسراف کیا ہے۔ اسراف اپنے گناہ وثواب کا ہے۔ میرے پاس کچھ صلاحیتیں ہیں جنہیں میں constructively استعمال کر کے اپنے مقاماتِ زندگی بھی سہل کر لیتا ہوں اور مقاماتِ آخرت بھی سہل کر لیتا ہوں۔ میرے پاس کچھ جبلتیں ہیں کہ اگر میں کم کھاؤں گا، درمیانہ کھاؤں گا، اگر میں زیادہ پیٹ نہیں بھروں گا تو شاید میں stomach disorder سے بھی بچ جاؤں، تو اس اعتدال سے میں اپنی عمر پوری کر لیتا ہوں جو ستر، اسّی سال ہیں۔ اگر میں اعتدال نہیں برتتا تو میں حلال ترین چیزوں کے استعمال سے بھی بیمار ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ٹماٹر کھانے سے بھی میں cancer تک پہنچ جاؤں۔ تو خدا کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے self کو ناجائز خرچا، انہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ اسراف کا مطلب تو آپ جانتے ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا:

لَا خَيْرَ فِي الْاَسرَافِ وَلَا اَسرَافَ فِي الْخَير

(اسراف میں کوئی خیر نہیں اور خیر میں کوئی اسراف نہیں) یعنی جو لوگ اپنے آپ کو مناسب حدود میں رکھ کر خرچتے ہیں وہ لمبی عمر پاتے ہیں، زندگی پاتے ہیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ اب ظاہر ہے جو اس اعتدال سے گزرے گا وہ اپنی موت کی گھڑی بھی تبدیل کر لے گا۔ دستور میں تو اللہ نے یہ لکھا

ہوا ہے مگراس میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو اُس دستور کو بدل دیتی ہیں۔ جیسے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ وہ لوگ جو لوگوں کی خدمت کرتے ہیں، لوگ ان کے لئے دعا کرتے ہیں تو اللہ اُن کی عمر بڑھا دیتا ہے۔ Now there is an exception, there is another exception also which can change جو زندگی بڑھا بھی سکتے ہیں، جیسے میں نے پہلے بھی آپکو حدیث سنائی کہ خدا کے لئے زندگی بڑھانا کتنا آسان کام ہے۔ اس پوری دنیا کی زندگی آدھا دن بڑھانا آسان ہے یعنی پانچ سو برس So there is only one finality that lies with God. باقی جو اصول ہمارے سامنے بتائے جاتے ہیں، یہ اُس وقت تک اصول ہیں جبتک ان کی تبدیلی کے لئے خدا کی مرضی اُس میں شامل نہیں ہوتی۔

حضرت زکریاؑ کی بیوی دو سو برس کی تھی اور وہ خود تین سو برس کے تھے، اور دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ مجھے بیٹا دے، آلِ داوٗد کا وارث دے، پھر فرشتہ آیا، محراب میں سے بشارت دی، صدا دی، کہا کہ اے زکریا: ''تجھے ایک بیٹا عطا ہوگا اور اس کا نام یحیٰؑ ہوگا''۔ فرمایا: کیسے؟ اب دیکھئے آپ ایک ناممکن دعا مانگ رہے ہو، پھر جب خدا نے کہا کہ دوں گا تو کہتے ہو کیسے؟ تو خدا نے کہا: یہ کیا طریقہ ہوا کہنے کا؟ اوّل دعا ہی نہیں مانگنی تھی، اگر یہ میرے لئے اتنا ناممکن کام تھا تو دُعا ہی نہیں مانگنی تھی۔ اب میں دے رہا ہوں تو پوچھ رہے ہو کیسے؟ تو فرمایا اس کی بجائے یہ کیوں نہیں کہتے:

قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہِ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ (اٰلِ عمران 40:3)

(اسی طرح اللہ وہ کرتا ہے جو چاہتا ہے)۔ ظاہر ہے اُس کے ساتھ ہمارے personal relationships جگہ جگہ قائم ہیں۔ ہماری اس کے پاس کیا اہمیت ہے؟ جیسے اللہ نے کہا کہ اس کے نزدیک جو قربت کے فاصلے ہیں وہ علم کے ہیں فرمایا:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر 28:35)

(بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں)۔ جاہلانِ مطلق کے لئے اللہ آسیب ہے مگر اہلِ علم کے لئے اللہ محبت کی دوری ہے کہ جب اللہ دور جائے گا تو ان کو یقین ہے کہ اُن کے دل ٹوٹنے شروع ہو جائیں گے۔ اسی لئے خدا سے دوری کے بعد ابلیس کو تفنن کے طور پر اقبال نے کہا کہ یہ تو وہ کم بخت ہے کہ اس دکھ میں جلتا ہے کہ خدا نے مجھے دور کر کے انسان کو قریب ترین کر لیا۔ اس حسد کے مارے یہ روتا ہے ورنہ اسے اور کوئی گلہ نہیں ہے۔ اس پوری بات کا net result یہ ہے کہ we are always free in concerns of this , and

اس میں ہم خدا کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے ہم سے کوئی نیکی کروائی ہی نہیں۔ that is final.
خدا نے ہمارے مقدر میں کوئی جہنم نہیں لکھی۔ Basic contract میں ہی جہنم نہیں لکھی۔ وہ
کہتا ہے: وكتب على نفسه رحمة میں نے لازم کر دیا کہ ہر مخلوق پر، ہر انسان پر رحم کروں
گا۔ جس پر اس نے رحم کر دیا اُس کے لئے جہنم نہیں ہوگی۔ Now it depends to us
کہ ہم جہنم خریدتے ہیں یا جنت۔۔

سوال: کیا جنت اور دوزخ جگہیں ہیں یا states of mind ہیں؟

جواب: احادیثِ رسول ﷺ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جنت اتنی بڑی جگہ ہے کہ وہاں ایک
جگہ سے دوسری جگہ جانے میں پانچ سو برس لگ جاتے ہیں۔ اُس میں اتنی وسعت ہے کہ ہم اس
کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے instruments of
thinking, ہماری imaginations اور ہمارے brain levels کیا ہیں۔ ابھی
ہمارے دماغ کے آٹھ کروڑ cells میں سے بمشکل دو چار لاکھ cells کھلے ہیں؟ ابھی ہم
اس وسعتِ کائنات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ Cosmology میں ہر روز پرانے قوانین غلط
ثابت ہو رہے ہیں۔ کوانٹم غلط ہو گئی ہے، Relativity غلط ہو گئی ہے، Special
Relativity اور Special Quantum غلط ہو رہے ہیں۔ Certainty اور
Uncertainty غلط ہو رہی ہے۔ Everyday we are crossing the new
things to understand.

سوال: ایک آدمی ایک عیسائی کے گھر میں پیدا ہوتا ہے اور دوسرا ایک مسلمان کے گھر
میں پیدا ہوتا ہے وہ دونوں ساری زندگی اپنے اپنے آپشنز کی تلاش میں لگے رہتے ہیں اور ان کی
death ہو جاتی ہے۔ اب ان کی accountabilities کا کیا ہوگا؟

جواب: virtually خدا اس چیز کا قائل نہیں ہے کہ کوئی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے یا
عیسائی کے گھر میں۔ پچھلے دنوں جب سوشلزم کی ہوا چلی تھی تو میں اس وقت لاہور میں ٹیچر تھا، میرا
ایک student میرے پاس آیا اور کہا کہ پروفیسر صاحب! یہ جو دوسرے پروفیسر صاحب ہیں،
جو سوشلسٹ ہیں، کہتے ہیں کہ Muhammad was an agent of the
capitalism مجھے بھی یہ بات سن کر غصہ تو بہت آیا۔ اب دیکھئے کہ مسلمان ہوتے ہوئے
جو faith لوگوں میں develop ہوا کہ ایک، دو کروڑ تک لوگ اس میں involve ہو

گئے۔کسی نے ایشیاء سبز کہا، کسی نے ایشیاء سرخ کہا اور اس وقت مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے بے شمار لوگ anti-faith میں چلے گئے۔گویا ایک سیلاب ہوا کیا کچھ نہیں کرسکتا۔ جب دنیا میں فیشن کی ایک ہوا چلتی ہے تو لوگ اسی طرف چل پڑتے ہیں۔ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک علامہ دوست سے کہا کہ ستر سال ہو گئے ہیں تم لوگوں کے پائنچے اوپر اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ایک فیشن کی ایسی ہوا چلی تو سب عورتوں نے بھی پائنچے اٹھا لئے۔اب غور کریں کہ ایک ہوا گھڑی بھر میں آپ کے ایمان کو بہا سکتی ہے۔ It has so power دوسری طرف وہ لوگ ہیں مثال کے طور پر میرے اپنے زمانے میں چار لوگوں نے ایک طرح کی الٰہیاتی ریسرچ شروع کی، ایک عیسائی ،دوسرا بدھسٹ اور تیسرا ہندو تھا۔ان تینوں کو مذہب تبدیل کرنا پڑا، جبکہ مجھے نہیں کرنا پڑا۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہوسکتا ہے کہ چھ ارب لوگوں کو اللہ نہ ملے کیونکہ ان کی self مشروط ہے مگر اگر ایک کو بھی ملے گا تو وہ ہوگا مسلمان۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایم۔اے لیول کی چیز میٹرک میں نہیں مل سکتی، وہ ایم اے میں ہی ملے گی۔ وہ lesser standards پر نہیں مل سکتی۔جب قرآن مکمل ہو گیا، نعمت تمام ہو گئی، approaches واضح ہو گئیں، اسباق مکمل کر دیئے گئے تو خدا نے ایک ban لگا دیا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (ال عمران 85:3)

یعنی اسلام مقصود نہیں ہے، اسلام مجبوری ہے ہر اس شخص کے لئے جو خدا کو چاہتا ہے۔یہ کوئی criteria نہیں ہے کہ مسلمان ہی جنت میں جائیں گے۔جب چوتھی بار رسولِ اکرم ﷺ شفاعت کے لئے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار! ابھی تو میری بہت امت باقی ہے تو اللہ کہے گا کہ نہیں۔اے محمد ﷺ !یہ تیری امت نہیں ہیں۔ان کے نام ضرور مسلمانوں والے ہیں، ان کی عادات مسلمانوں والی ہیں مگر یہ مجھے اور تجھے نہیں مانتے تھے۔اب تیری امت کے صرف وہ لوگ جہنم میں ہیں جنہیں کتاب نے روک رکھا ہے۔ان پر قرآن ناطق ہے کہ یہ یا تو اندر سے مشرک تھے یا منافق تھے، یہ مسلمان نہیں تھے۔ان کو بخشش نہیں ملے گی۔تیری امت میں سے اب کوئی باقی نہیں بچا۔ہم نے وعدہ کیا تھا کہ تجھے آزردہ خاطر نہیں چھوڑیں گے۔تیرا کوئی بندہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

2nd. Dec. 2006.

مذہب: قدرِ منتخب یا قدرِ مقتدر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا

خواتین وحضرات ! I am extremely thankful to the gentleman who invited me here and particularly the treatment they have given to me was simply very wonderful, very cordial, brotherly and magnificent.

خواتین وحضرات! آج کا عنوان ہے کہ مذہب قدرِ منتخب ہے یا قدرِ مقتدر......اگر اس سے پہلے اس کی detail میں جایا جائے تو دنیا کا کوئی بھی فلسفہءزندگی، ماضی، حال، مستقبل کائنات اور زمین کے تمام معاملات کو نہیں سمیٹ سکتا۔ آج تک کوئی ایسا فلسفی، دانشور اور مفکر پیدا نہیں ہوا جس نے زمین و آسمان کے تمام معاملات کا بطریقِ احسن یا فلسفہ و منطق سے، خیالوں کی روش سے، دانشوری سے ایک متفقہ حل پیش کیا ہو یا ہم پوری کائنات اور مافیہا کائنات کو سمجھنے کے قابل ہو گئے ہوں اور ہم نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ فلاں فلسفہ یا خیال اور فلاں نقطۂ نظر جو ہے ہماری زندگی، ہماری کائنات، ہماری فکر، ہماری جدتوں کو پوری طرح سمیٹنے کے قابل ہوا ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم خدائے واحد اور مطلق کے نقطۂ نظر سے اس کائنات کو دیکھیں، اس کی ابتدا کو دیکھیں، اس کی انتہا کو دیکھیں، انسان کے مقصد کو دیکھیں، اس کے origin کو دیکھیں تو پھر ہمیں سمجھ میں آتا ہے کہ ہم پوری زندگی کے مطالب اور مقاصد کو سمجھ سکتے ہیں۔ خدا کے علاوہ یا اللہ قادر مطلق کے علاوہ یا ھُوَاللّٰہُ الخَالِقُ البَارِئُ المُصَوِّرُ کے علاوہ ہمارے پاس اس دنیا میں کوئی ایسا نقطہء نظر نہیں ہے کہ جو ہمیں زندگی اور کائنات کی مکمل تفصیل دے۔

آیئے ذرا دیکھیں کہ پیشتر اسکے کہ اللہ نے کائنات بنائی، پیشتر اسکے کہ اس نے حیات

کو تخلیق کیا، پیشتر اسکے کہ اس نے انسان کو اسکی کوئی ذمہ داری سونپی، پیشتر اسکے کہ لوح و قلم کو تخلیق کیا آخر اُس پروردگار عالم کو، اُس مالکِ کُل کو کیا سوجھی؟ کس خیال سے master plan کو تیار کیا؟ ایک نہیں سات کائناتیں تخلیق کیں، ایک نہیں سات زمینیں تخلیق کیں اور تمام زمینوں میں اپنا حکمِ عالی اتارا۔ sciences کو ابھی بہت دیر لگے گی۔ ابھی وہ ایک کائنات کی دہلیز کو پار کرنے سے قاصر ہیں، ابھی تو ان کو ابتدائے حال کی خبر نہیں۔ انکو کیا خبر کہ اللہ نے قرآن میں کیا کہا ہے؟ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ السَّمٰوٰتِ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ہ (الطلاق 12:65) ہم ہی تھے جس نے سات آسمان تخلیق کیئے اور خواتین و حضرات! آسمان کیا ہیں؟ علم و منطق کے وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنا تکیہ اور توکل رکھتے ہیں اگر ان کو یہ جاننا ہوتا کہ آسمان کیا ہے تو ایک دوسری آیت دیکھ لیتے: زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (حم السجدہ 12:41) کہ ہم نے آسمانِ دنیا کو اَن گنت ستاروں سے سجا رکھا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ constellation نہیں بنتی یہ galaxy نہیں بنتی بلکہ جہاں تک حدِّ نظر ہے، جہاں تک خیال ہے، جہاں تک بلوغتِ فکر کا تصور ہے...... ہمارے حد و حساب سے دور، وہم و گمان کی تخلیق سے بھی دور کائنات وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جملہ دو لاکھ، یا دو billion سورجوں سے سجا رکھا ہے۔ وہ کائنات جس کی دہلیز کو بھی انسان عبور کرنے کے قابل نہیں ہوا ہے، نہ کوئی quantum نہ کوئی relativity اس کائنات کی تفسیر کو پورا کر سکی ہے۔

خواتین و حضرات! خداوندِ کریم نے سات کائناتیں تخلیق کی ہیں اور تواتر سے کی ہیں اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ السَّمٰوٰتِ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ پھر ان میں ایک ایک life belt رکھی، ایک ایک زمین رکھی اور گمان کیا جاتا تھا کہ ہم narcissist، خود پرست ہیں۔ ہماری خود انسیت کا یہ عالم ہے کہ ہم اس پوری کائنات کی تخلیق میں اپنے آپ کو فردِ واحد سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو وہ اکیلے انسان سمجھتے ہیں، جو شاید پوری اس کائناتی تخلیق کے وارث ہیں۔ مگر ایسا تو نہیں ہے۔ پروردگارِ عالم نے آپ کی علیحدگی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ خدا تو کہتا ہے کہ ہر

کائنات میں ایک life belt تخلیق کی ہے۔ ہر کائنات میں ایک زمین تخلیق کی ہے مگر کیا ان زمینوں میں زندگی ہے؟ کیا آبادی ہے؟ کیا میری اور آپ کی طرح کے لوگ ہیں؟ خدا کہتا ہے یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ ہ (الطلاق 2:65) ان تمام زمینوں میں میرا حکم اترتا ہے، قرآن اترتا ہے، کتاب اترتی ہے، رسول اترتے ہیں۔ خدا نے کہا کہ تم جو بہت قائل ہو جدت کے، تم بہت قائل ہو آج کے علوم کے، میں تمہیں صرف اشارۃً کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سات کائناتیں، یہ سات زمینیں نہ صرف ان میں میرا حکم اترتا ہے یہ بات صرف اس لئے بتائی کہ اے حضرتِ انسان! اپنی استطاعت پر میرے وجود کا کبھی گمان نہ کرنا۔ اپنے خیال کی معرفت کو میری معرفت میں حائل نہ کرنا۔ میں اتنا بزرگ و برتر ہوں کہ جب میں بڑا ہوں تو پھر کوئی اور بڑا نہیں ہے۔ نہ زمین میں، نہ آسمان میں۔ میں ہی اللہ اکبر ہوں۔ اب خداوند کریم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب تمہیں اس لیئے بتا رہا ہوں کہ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الطلاق 12:65) تاکہ تم جان سکو کہ تم جس خدا کی پرستش کر رہے ہو وہ ایک Continent اور Sub-continent کا مالک نہیں ہے۔ وہ دو چار پلیٹیں تخلیق کر کے زمین نہیں بنا رہا بلکہ یہ وسعتِ افلاک اُس (انسان) کے تصور میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

خواتین و حضرات: اب غور کیجئے گا کہ انسان اس زمین پر تیس ہزار سال سے ہے۔ تہذیب کی عمر کی ابتدا تیس ہزار سے چالیس ہزار سال کے درمیان ہے۔ انسان اس زمین پر موجود ہے اور آج کے دن تک اس کا تمام فلسفہ و فکر اور سائنس ان دو جملوں کا جواب نہیں دے سکتے جو خدا نے آج سے پندرہ سو برس پہلے بڑے معمولی سے انداز میں کہے، ڈانٹ کر کہا، ڈپٹ کر کہا، اہل علم کو کہا، سائنس دانوں کو کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے یہ کائنات کیسے بنائی ہے جس میں تم رہتے ہو؟ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا (الانبیا 30:21) ? How dare you deny me، اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا تمہیں انکار کی مجال کیسے ہے؟ تم کیسے بھی دانشور ہو، کتنے بھی بڑے سائنس دان ہو؟ تمہیں نہیں پتہ کہ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا

(الانبیا 30:21)، کہ ابتدائے حال میں پوری کائنات ایک وجود تھی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ پوری کائنات ایک وجود تھی۔ یہ split نہیں تھی۔ یہ ابھی galaxies میں نہیں بٹی تھی۔ یہ ایک وجود تھا اور پھر ہم نے اسے پھاڑ کر جدا کر دیا۔ پھر ہم نے اس کے علیحدہ علیحدہ حصے بنائے، پھر ہم نے ایک بہت بڑی دنیا کو اسی ایک وجود سے تخلیق کیا اور دوسری ملحقہ آیت میں بڑی سادہ سی بات کی جو شاید آپ کو Sir James Jeans نے سنائی ہوگی۔ شاید حیاتیات کے بہت سارے علما نے بہت بڑی research کے بعد سنائی ہوگی۔ فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیا 30:21) کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے تخلیق کیا۔ ایک جگہ کائنات کی تخلیق کی بات کی اور کہا اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا تم کیسے میرا انکار کر سکتے ہو اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا پہلے پوری کائنات صرف ایک وجود تھی پھر ہم نے اسے پھاڑ کر جدا کر دیا۔ اور دوسری آیت میں حیاتیات کا اک مطلق اصول دیا: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کہ ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اَيْنَ كَانَ رَبُّكَ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ ط قَالَ كَانَ فِيْ عَمَاءٍ كَانَ تَحْتَهٗ هَوَاءٍ وَفَوْقَهٗ هَوَاءٍ کہ انسانوں کی تخلیق سے پہلے، بندوں کی تخلیق سے پہلے، تمام مخلوقات کی تخلیق سے پہلے اللہ کہاں تھا؟ اس جواب پر غور کیجئے گا اور یہ یاد رکھیے کہ پیغمبرانِ کریم اس لئے پیغمبر ہوتے ہیں کہ اپنی قوموں کے سب سے بڑے intellectual بھی ہوتے ہیں۔ اگر ان کی ذہانتوں میں کمی ہو تو ان کی امتیں اٹھ کر یہ طعنہ دے سکتی ہیں کہ کیا ضرورت تھی کہ ایک کم تر عقل کے انسان کو پیغمبری دے دی۔ ایک کم فہم کو پیغمبری دینے کی کیا ضرورت تھی؟ (ہم جیسے بڑے بڑے دانشور پڑے تھے۔ ہم جیسے عالم اور secular scholar پڑے ہوئے تھے۔) تو پھر خدا نے ایک غریب سے آدمی کو اٹھا کر اتنا بڑا پیغمبر کیوں بنا دیا؟ یہ یاد رکھیئے گا کہ پیغمبر ہر زمانے میں ایک Top most intellectual ہوتا ہے خواہ وہ حضرت موسیٰؑ ہوں، خواہ حضرت عیسیٰؑ ہوں intellect

الٰہیات کی top grade ہونے کے بغیر اور top most commitment,
arguments ہونے کے بغیر کوئی شخص اپنے دین کو سلامت نہیں رکھ سکتا پھر There is
no history of making belief in faith تمام make belief ایسی مطلق
جہالت ہے۔ جو اپنا خیال خود defend نہیں کر سکتا وہ کسی دوسرے کے خیال کو کیسے
defend کر سکتا ہے۔ جو dogma اعتراض نہیں سہہ سکتا اور جو اصول مذہب پر اعتراض
نہیں سہہ سکتا وہ کم تر مذہب ہے۔ وہ کم از کم خدائے علیم و حکیم کا مذہب نہیں ہو سکتا۔ یہ یاد رکھیئے کہ
خدا علیم و حکیم ہے۔ خدا طعنہ دیتا ہے۔ اہلِ کفر کو، بار بار طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم ہوش رکھتے، اگر تم علم
رکھتے، اگر تم آباؤ اجداد کے دین پر قائم نہ ہوتے اور جو صلاحیت، فہم و فراست میں نے تمہیں
عطا کی ہے، اگر تم اسے استعمال کرتے تو تم ہمیں جان لیتے۔ کیا خیال ہے آپ کا کہ جو اہلِ کفر کو
طعنہ دے رہا ہے کہ تم اپنی عقل استعمال نہیں کرتے وہ ان مسلمانوں کو نہ دے گا، جو صدیوں سے
ایک فرسودہ مذہبی تصور کو پالے بیٹھے ہیں؟ جنہوں نے اپنے پروردگار کو کوئی ذاتی فکر نہیں دی، کوئی
غور و فکر کا element نہیں دیا، کوئی سوچ نہیں دی۔ جن کے لیئے بس یہ کہ ہم نے اپنے آباؤ
اجداد سے دین پایا۔ کیا خدا کے انصاف میں اہلِ کفر کو طعنہ جائز ہے اور ہم کو جائز نہیں ہے؟ کیا اُس
make belief کو، اُس اندھا دھند اعتقاد کو یہ طعنہ جائز نہیں ہے جو آج ہم اپنے دامن میں
سمیٹے ہوئے ہیں؟

خواتین و حضرات! پوچھا گیا پروردگار کے رسول اللہ ﷺ سے اَیۡنَ کَانَ اللّٰہُ قَبۡلَ
اَنۡ یَّخۡلُقَ الۡخَلۡقَ قَالَ کَانَ فِیۡ غَمَامٍ کَانَ تَحۡتَہٗ ھَوَاء وَ فَوۡقَہٗ ھَوَاء کہ خدا دھند میں
تھا، بادلوں میں تھا ایسے بادلوں میں تھا جن میں پانی ملا ہوا تھا May be you can
translate into moisturised gases, آپ اسے صدیم کہہ سکتے ہو۔ آپ
کے پاس آج بہت سی terms ہیں اُس ہوا کو explain کرنے کے لیئے...... رسول اللہ
ﷺ کے الفاظِ مبارکہ کے مطابق وہ غمام میں تھا، ایسے بخارات میں تھا، moisturised

clouds میں تھا۔اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور نیچے بھی ہوا تھی۔

خواتین وحضرات! اس مختصر سے جواب میں کتنی بڑی گہری سائنسی صداقتیں نظر آتی ہیں؟He was not a scientist۔علم غیب کیا ہے؟ شہادت کیا ہے؟ لوگ پوچھتے ہیں کہ غیب کا علم کیسے حاصل ہوتا ہے؟ خواتین وحضرات! غیب relative چیز ہوتی ہے۔غیب مطلق چیز نہیں ہے۔ایک شخص کسی حال میں کسی سے غیب میں ہوتا ہے اور دوسرا اس کے حاضر میں ہوتا ہے۔ایک شخص نے دس ہزار کتب پڑھی ہیں اور کسی نے پانچ ہزار کتب پڑھی ہیں۔پانچ ہزار کتابیں دورِ حضور میں ہیں اور جب چھٹا ہزار شروع ہوگا تو ایک غیاب میں چلا جائے گا اور ایک پھر بھی شہادت میں ہوگا۔تمام غیب information پر ہے۔تمام information، انفارمیشن دینے والے پر ہے۔کسی کو خدا ایک لفظ کی information نہیں دیتا اور کسی کو پوری کائنات کی information دے دیتا ہے۔مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص تمام زمانے میں، تمام سندوں، تمام زندگیوں، تمام معاملات میں اپنی informations کو بانٹتا پھرے۔جو ضروری باتیں ہیں اللہ اپنے پیغمبرانِ مطلق کو ان کی خبر دیتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو...... کہ جب Mary Magdalene کو یہودی ربّی پتھر مارنا شروع ہوئے تو آپؑ وہاں جا کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم اسے جس جرم کی سزا دینے والے ہو، تو میں تمہیں بتاؤں کہ اس کو پہلا پتھر وہ مارے جس نے خود یہ فعل نہ کیا ہو اور ساتھ ہی کہا کہ خبردار مجھے challenge نہ کرنا...... قرآنِ حکیم کی زبان میں پیمبر نے کہا کہ یہ دیکھنا کہ اِسے پہلا پتھر وہ مارے جو خود پاک صاف ہو اور اگر تم نے غلط بیانی کی تو، وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (آل عمران 49:3) میں بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کیا چھپاتے ہو اور کیا کھاتے ہو۔ خواتین وحضرات! پیغمبر کے پیچھے source of information تھی، پیچھے جبرئیلِ امین بیٹھے تھے، پیچھے اللہ تھا اور جس کی source of information اللہ ہو، اس کے علم کے بارے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔باقی پیمبر علیہ السلام local تھے، ان کی حدودِ علم local تھی مگر

یہ ایسا پیمبر ﷺ تھا...... نادرۂ روزگار...... اس جیسا کوئی بھی نہیں تھا؟ پھر خداوندِ کریم نے اس کی عقل کو تمام زمانوں پر حاوی کیا، اس نے ہمیں ابتدا کی خبر دی اور انتہا کی خبر دی۔ اس نے ہمیں بتایا کہ جنت کیا ہے؟ انھوں نے ہمیں بتایا کہ عصر حاضر کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ عصرِ آخرت کیا ہے؟ فرمایا رسول ﷺ نے، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں رسول ﷺ کا معجزہ ہے۔ پورے زمانوں کی خبر دی، پورے زمانوں کو چار حصوں میں بانٹا۔ کہا: کیا حال ہوگا تم لوگوں کا جب تم کسریٰ کو شکست دو گے اور اس پر غالب آؤ گے۔ یہ بڑا دلچسپ واقعہ ہے خواتین وحضرات! کہ حضورِ گرامی مرتبت نے جب سراقہ بن جعشم کو جو اِن کے پیچھے چلا تھا اور بعد میں معذرت کی، تو حضور ﷺ نے اس سے کہا کہ سراقہ تیرا کیا حال ہوگا کہ جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا۔ حضور ﷺ فوت ہوئے، زندگی سے گئے، عالمِ بالا میں روپوش ہوئے، حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا، مدائن فتح ہوا، کسریٰ کے کنگن آئے، کسریٰ کے جب کنگن آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو طلب کیا۔ جب اس سراقہ کو کنگن پہنائے گئے تو اصحاب رسول ﷺ روئے اور فرمایا کہ آج رسول اللہ ﷺ کی وہ بات کیسے پوری ہوئی جو آپ نے بہت پہلے کی تھی۔

خواتین وحضرات! فرمایا کہ تم کسریٰ پر غالب آؤ گے۔ پھر تم اہلِ روم سے جنگ لڑو گے، قیصرِ روم سے جنگ لڑو گے، تم اس پر غالب آؤ گے۔ پھر فرمایا کہ تم ڈھال جیسے والے چہروں اور چمڑے کے جوتوں والوں سے جنگ کرو گے اور ان پر غالب آؤ گے اور پھر فرمایا کہ زمانۂ آخر میں تم دجال سے جنگ کرو گے اور تم اس پر غالب آؤ گے۔ خواتین وحضرات! تین زمانے گزر گئے۔ مدائن کی جنگ میں مسلمان کسریٰ پر غالب آئے، انطاکیہ کی جنگ میں مسلمان روما پر غالب آئے۔ معرکہ عینِ جالوت میں منگولوں پر غالب آئے اور اب آخری جنگ کے لیے مسلمانوں کو فتح کی نوید حاصل ہے اور باوجود اس اضمحلال کے جو آج طاری ہے اور اُس اضطراب کے جو سینۂ مسلم میں موجود ہے، اللہ کے فضل سے، آپ ہوں نہ ہوں، یہ حدیث ہر حال میں پوری ہوگی کہ مسلمان دجّال پر غالب آئیں گے۔

خواتین وحضرات! اللہ نے جب یہ کائنات بنائی تو اس کی تخلیق کا ایک مقصد رکھا۔ یہ کائنات بے محض ہے، بے مقصد ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں، اگر میں اسے معنی نہ دوں، اگر آپ اسے معنی نہ دیں۔ اگر چاند سے روایت وابستہ نہ کرو، سورج اور آفتاب کو آپ استعاروں میں نہ لپیٹ دو تو سب بے معنی ہیں۔ مقصدِ زندگی مقصدِ کائنات ہے۔ انسان بھی مقصدِ کائنات تھا اور جب انسان کو تخلیق کرنا چاہا تو اس کا مقصد اس سے پہلے مقرر کیا اور یہ بڑا عجیب وغریب مقصد تھا۔ اللہ کے پاس ایک عجیب وغریب شئے تھی، ایک عجیب وغریب نعمت تھی۔ اللہ نے فرمایا کہ جب میں نے عقل کو پیدا کیا تو اسے کہا: ذرا مجھے چل کر دکھا۔ پھر عقل نے اپنے بال و پر دکھائے، ناز وادا سے اٹھلائی، چلی، بڑھی، تو پھر خدا نے کہا کہ میں نے کیا خوبصورت شے تخلیق کی ہے، مگر دے گا کس کو......؟ یہ امانت دے گا کس کو......؟ تو فرمایا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (الاحزاب 72:33) کہ میں امانت لئے لئے پھرا۔ آسمان اور اسکی مخلوق کو، زمین اور اسکی مخلوق کو، پہاڑوں اور اسکی مخلوق کو کہا کہ میری امانت کو کون قبول کرے گا اللہ نے کہا: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (الاحزاب 72:33) سارے ڈر گئے، کسی نے risk نہیں لیا، کسی نے عقل کو ہاتھ نہیں بڑھایا۔ ہم نے ہاتھ ڈال دیا۔ ہم نے سوچا کہ خلافتِ زمین و آسمان مل رہی ہے، بڑا ترفع ہے، حکومتِ کائنات مل رہی ہے۔ ہم خلیفۃ اللہ فی الارض بھی اور کائنات بھی۔ تو ہم نے چاہا فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ risk بہت بڑا تھا، عذاب کا risk تھا، جہنم کا risk تھا۔ آرام سے پڑی ہوئی چیزیں تھیں۔ سو انھوں نے سوچا کہ ہمیں risk لینے کی کیا ضرورت ہے؟ وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَان انسان آگے بڑھا کہ کوئی بات نہیں ہے۔ شروع سے ہی تکبر کا مارا ہوا تھا۔

شروع ہی سے عزت افزائیاں ڈھونڈ رہا تھا۔ مخلوقات میں اپنی برتری کے احساس کو

اجاگر کررہا تھا تو اللہ نے اُس پر ایک judgement دی اِنَّـہٗ کَـانَ ظَـلُـوْمًـا جَھُوْلًا (الاحـزاب : آیـت ـ72) (بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے۔) بھلا اللہ کو کیا نقصان پہنچا سکتا تھا؟ مگر یہاں ان دو جملوں کا مطلب ہے کہ بڑا ظالم ہے، اپنے اوپر ظلم کرتا ہے، بڑا جاہل ہے کہ اس امانتِ علمیہ کے اصلی مقام کے مدنظر اسے اس کی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوا، کہ کتنا مشکل کام ہے He over-estimated himself and under-estimated the job اِنَّـہٗ کَـانَ ظَـلُـوْمًـا جَھُوْلًا اپنے job کو under-estimate کر گیا۔ معرفتِ عقل کے job کو under-estimate کر گیا کہ عقل سے اللہ نے کیا کام لینا ہے؟

خواتین وحضرات! ذرا نظر دوڑائیے کہ عقل کس کام کے لیے تھی؟ اس کی priority کیا تھی؟ اسکا انتخاب کیوں کیا گیا تھا؟ اسکی اس قدر میں کیا ایسی چیز تھی کہ اللہ نے انسان کو اِنَّـہٗ کَـانَ ظَـلُوْمًا جَھُوْلاً کہا کہ بھلا تم کیسے بڑے بنتے ہو؟ اے لوگو! اے انسانو! کتنے بڑے بنتے ہو؟ کیا خودغرضانہ حماقتوں میں اپنے آپ کو تلذذ و تردد سے آشنا کرتے ہو؟ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارا origin کیا ہے؟ جب خدا نے تقویٰ پر گلہ کیا جیسے کوئی دوست کسی دوست سے گلہ کرتا ہے۔ یار! میں جانتا ہوں، تمہارا بچپن میرے ساتھ گزرا ہے، میں جانتا ہوں تم کتنے پاک باز ہو؟ ہم سے ہی دعویٰ تقدس ہے۔ جب خدا نے انسان کو کہا فَلا تُـزَكُّـوْا اَنْفُسَكُم ' اپنے آپ کو کبھی مقدس نہ کہنا، یہ دعویٰ تقدس میرے سامنے......؟ فَلاتُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَاَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم 32:53) اور میں بڑی اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم لوگ کتنے متقی ہو؟ میں تمہیں اس دن سے جانتا ہوں جب میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا اور میں تمہیں اس دن سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہاری ماؤں کے رحم میں تمہیں رکھا۔ مجھ پر دعویٰ تقدس......؟؟؟

خواتین وحضرات! اسی origin کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کرتا ہے۔ هَـلْ اَتٰـى عَـلَـى الْاِنْـسَـانِ حِيْـنٌ'' مِّـنَ الدَّهْرِلَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَّذْكُوْرًا (الدھر 1:76) صدیوں، برسوں، مدتوں، ارب ہا ارب سال اے انسان! تو زمانے میں ایسے رہا کہ کوئی قابلِ ذکر شئے نہ

تھا۔آدم تو قابلِ ذکر ہے، یہ انسان بھی قابلِ ذکر ہے۔مگر یہ کوئی ایسا مرحلہ ہے،کوئی algae تھا، کوئی بوٹے کی طرح کسی پتھر سے چپکی ہوئی کائی تھی۔کیا تھا انسان؟کوئی قابلِ ذکر شئے نہ تھا۔ ایک amoeba تھا،ایک single cell تھا؟حیات کا پہلا cell،کوئی وجود نہیں رکھتا تھا، نہ شناسائے فطرت تھا۔خیال کی وسعتوں سے دور، وہم وگمان تک develop نہیں ہوا تھا۔ ایک معمولی سا ذرّہء، ہیچ مقدار،حقیر پُرتقصیر، جو آج بھی آپ کاغذوں پر لکھتے ہو مگر اس کا اصلی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آپ خود کو حقیر سمجھ رہے ہو۔مسکینی میں بھی آپ عزّت ڈھونڈتے ہو......، فرمایا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْن" مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا پھر ہم نے کیا کیا؟ اِنَّـا خَـلَـقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر 2:76) ہم نے نطفہء انسان کو single cell سے double cell میں ڈھال دیا۔پہلے amoeba or paramecia تھا۔اب ہم نے اس single nucleus کو divide کر دیا۔ female اور male میں انسان کو ڈھالنا شروع کر دیا۔اب نطفہ مخلوط ہوا۔اب بھی کسی قابل نہیں تھا۔نہ قابلِ ذکر تھا۔ کوئی system develop نہیں ہوئے تھے فرمایا نَبْتَلِيْهِ بہت ساری مخلوق اکٹھی آ رہی تھی۔ ہم نے چاہا کہ ہم اپنے اس design کو آگے بڑھائیں،اس کی graphics بنائیں۔ہم نے چاہا کہ اس خصوصی مخلوق کو آگے بڑھائیں، ہم نے اسے آزمائش میں ڈالنا چاہا،اس کو پرکھنا چاہا فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًام بَصِيْرًا (الدھر 2:76) ہم نے اسے پہلے سماعت کے system دیئے، وہ زیادہ complicated نہیں تھے۔ہم نے ایسا سسٹم دیا جس سے یہ سن سکے۔پھر اس کو اس سے زیادہ complicated سسٹم دیئے فَـجَـعَلْنٰهُ سَمِيْعًام بَصِيْرًا ہم نے اسے بصارت کے سسٹم دیئے۔اب یہ physically پورا ہو گیا۔شاید یہ اس کی Homo-Habilis کی Stage تھی۔ یہ ابھی Homo-Sapiens کی stage پر نہیں پہنچا تھا، نہ اسے Homo-Sapiens Sapiens کہتے تھے، نہ اسے سوچتا ہوا انسان کہتے تھے، نہ اسے بہت سوچتا ہوا انسان کہتے تھے۔تو فرمایا اب ہم نے وہ چیز جو روزِ ازل سے اس کا مقدر تھی، وہ چیز

جس پر ہمیں ناز تھا، جس کو ہم نے کہا تھا کہ چل کر دکھا، تیرا وارث بھی کوئی حسین مخلوق ہوگا۔ وہ امانت جو ہم نے پہاڑوں اور زمینوں کو عطا کی تھی۔ اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ۔ اب اسے ہم نے عقل، معرفت، روشنی خیال بخشی۔ رستہ سمجھنے کی توفیق بخشی۔ دانشوری دے دی اور کہا کہ صرف تیرا ایک کام ہے۔ اے عقلِ انسان! اے سوچنے والے! اے Homo-Sapiens تیرا صرف ایک کام ہے...... اس عقل کی سب سے بڑی priorty صرف ایک ہے۔ ذہن و معرفت کی ترجیح اول صرف ایک ہے اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (الدھر 3:76) چاہو تو ہمیں مانو، چاہو تو ہمارا انکار کردو۔

خواتین و حضرات! خدا کے حضور سے، پروردگار عالم کے حضور سے، آپ کے شعور، آپ کی عقل، آپ کی معرفت، آپ کی intellectual capacity کی صرف ایک ترجیح ہے۔ باقیوں سے اس کا کوئی مطلب نہیں۔ چاہے تو اس کا انتخاب کرو، غور و فکر کرو، چاہو تو اس کے بارے میں سوچو، اس کو جاننے کی کوشش کرو۔ چاہے اس کا انکار کردو۔ ایسا بڑا استاد آپ نے کہیں دیکھا؟ فنا اور جزا کی پوری قوتیں رکھتا ہے۔ پلک جھپکنے میں پوری کائنات کو مسمار کرسکتا ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (الرحمٰن 26:55) تمام زندگی برباد کرسکتا ہے۔ اپنی بنائی ہوئی تخلیقات کو وجود سے فنا میں ڈال سکتا ہے۔ مگر یہاں کتنا بڑا choice دے رہا ہے، یہاں برا نہیں منا رہا: (چاہے تو مجھے مانو چاہے میرا انکار کردو۔) تمام بڑے استاد choice دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کو یہ قدرِ منتخب عطا کرنی ہے تو جبراً نہیں۔ میرے استاد و مرشد سیدنا شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت خدا ظاہر کیوں نہ ہوگیا؟ یہ فسادِ خلق ختم ہو جاتا۔ فرمایا کہ اگر خدا ظاہر ہو جاتا تو ایمان جبر ہو جاتا اور بتاؤ تو سہی کہ کیا آدم نے حضورِ یزداں خطا نہ کی تھی؟ اور اگر آپ حضورِ خداوند بھی ایسی ہی خطائیں کرتے رہتے تو پھر آپ کو بخشنے کا کوئی element اس کے پاس نہ رہتا۔ اس لیئے خدا کا غیاب میں جانا رحمتِ پروردگار کا سب سے پہلا ثبوت ہے۔ اس نے آپ کو advantage دیا، اس نے آپ کو موقع دیا۔ اس نے آپ کو بخشنے کا سب سے بڑا بہانہ یہ

ڈھونڈا کہ مجھے تم لوگوں نے دیکھا تھوڑا ہی ہے؟ میں تمہارے حواس خمسہ میں تو نہیں آتا۔ پھر اگر کوئی انسان خطا کرے اور جب غور و فکر سے مجھے پہچانے گا تو میں اس کے انعامات بے شمار کر دونگا۔ اس کی بلندی آسمان گیر ہوگی۔ وہ تو بندہ ہی عجیب وغریب ہوگا۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ہ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ 56:10-11) جو غور و فکر کرے گا مجھے پہچانے گا، وہ تو میرا بڑا قریبی ساتھی، بڑی محبت کا ساتھی ہوگا۔ خداوند کریم نے کہا ہے کہ اے انسانو! جب تم سوچتے نہیں ہو، میں نے جو نعمت دی، اُسے جب تم exploit نہیں کرتے ہو، جو صلاحیت تمہیں بخشی اسے زنگ آلود کرتے ہو، اسے lesser priorities میں ڈالتے ہو۔

lesser priorities کیا ہیں خواتین و حضرات! خدا نے کسی کو روکا تو نہیں زندگی سے استفادہ کرنے میں۔ مگر ترجیحات کے تعین میں سارا فساد ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا میرے بعد تم ناقص ترجیحات اور غلط امور بہت دیکھو گے پھر صبر کرنا حتیٰ کہ تم مجھے حوضِ کوثر پر ملو۔ تو پہلی بات ارشاد فرمائی کہ میرے بعد مسلمان ناقص ترجیحات میں بدل جائیں گے۔ یہ ناقص ترجیحات کیا ہیں؟ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مذاہب کا مقصد کچھ بھی نہیں سوائے خدا کے۔ مذاہب کا مقصد شریعت نہیں۔ یومِ اوّل سے لے کے آخر تک، محمد رسول اللہ ﷺ سے اوپر چلتے چلے جائیں۔ سیدنا آدم علیہ اسلام تک شریعتیں بدلتی چلی آئی ہیں۔ آدم کا ایک قانون تھا، حضرت نوحؑ کے دو قانون تھے، حضرت ادریس کے زمانے میں قانونِ قصاص آیا وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ 2:179) پھر حضرت موسیٰ کا زمانہ آیا Ten commandments آئیں، وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرۃ 2:83) جوں جوں انسان مکمل ہوتا گیا قوانین بدلتے چلے گئے۔ جب انسان Homo-Habilis سے Homo-Erectus سے Homo-Sapiens سے Homo-Sapiens Sapiens کے روپ میں

ڈھلا تو قانون بدل گیا۔ قانون کی مدت زیادہ نہیں ہے۔

Ice age سے New stone age سے آج تک تیس ہزار سال بمشکل گزرے ہوں گے۔ انسانی تاریخ اس کی maturity کے ساتھ ہے، انسان کا وہی حال ہے جو آج بچے کا ہے۔ آپ ایک نوزائیدہ بچے پر قرآن ٹھونس نہیں سکتے، اسکو علم چاہیے، اسکو شناخت چاہیئے۔ اسکے فہم و فراست کے آلات مکمل ہوں گے تو اسکو کچھ سمجھ میں آئے گا؟ آپ اس پر کتاب نہیں ٹھونس سکتے ہو۔ شروع میں بھی انسان اس بچے کی طرح تھا۔ وہ بڑی مشکل سے Chimpanzee سے علیحدہ ہو رہا تھا۔ 750CC اگرچہ اس کا brain تھا، تو اس کا مشکل سے سولہ سترہ سوسی سی ہو رہا تھا۔ ہمارے Next brotherhood سے ہماری جدائی جو اللہ نے کی، وہ ہمارے دماغ کی وجہ سے ہے۔ ہمیں شعور بخشنے کی وجہ سے ہے۔ ہم تو ابھی تازہ تازہ جدائیوں میں تھے، ابھی عقل کا استعمال نہیں آیا تھا۔ اسی لئے تو زمین پر کشت و خون جاری تھا کہ جب اللہ نے ملائکہ سے کہا وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ" فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرة 30:2) ملائکہ نے کہا کہ اے پروردگار کیا ستم ہے؟ تُو اِس کو خلافت دے گا؟ اس چالاک انسان کو......؟ جو ہاؤ ہُو کرتا پھرتا ہے، جس کو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے، جو ہاتھ میں کلہاڑا لیے ہے, The man with the axe, who is blind in massacre of the things, who is killer& only killer۔ اس انسان کو قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا اے حضرت پروردگار اس انسان کو اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا جو صرف فساد کرتا پھرتا ہے وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ جو خون بہاتا پھرتا ہے اور ہماری طرف تو دیکھ......!!! وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ (البقرة 30:2) چوبیس گھنٹے تیری تعریف و توصیف میں غرق......اے مالک و کریم! کیا یہ ہم سے زیادہ اچھا بندہ ہے؟ وہ تو نیچے دیکھ رہے تھے وہاں جو Proto type پیدا ہوا تھا اس کی قتل و غارت کے ثمر دیکھ رہے تھے۔ تو مارے حیرت کے عرض کی، اے مالک و کریم اس انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بناتا ہے؟ اللہ نے کہا: ٹھیک ہے میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس میں اور تم میں کیا فرق ہے؟ پھر بہت

سارے millennium گزرنے کے بعد ایک آدمی بچایا اور بڑے طریقے سے...... آج بھی وہی کام ہے جو آدم کے زمانے میں تھا کہ وجود نیچے بنتا ہے اور روح اوپر سے آتی ہے۔ وہ جو Proto type تھا، وہ جو فرشتوں کے حضور کا آدم تھا اس کو کہا وَقُلْنَا اهْبِطُوْ بَعْضُكُم لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (البقرة 30:2) نیچے اترو، اور اب تمہارا جنت میں کوئی مقام نہیں ہے۔ نیچے کوئی جگہ ہوتی تو اترتا......

خواتین و حضرات! اس روح کا کوئی وجود بنتا تو نیچے اترتا۔ اسی دوران صدیوں کے تواتر سے نیچے وہ وجود بن چکا تھا۔ اب وہ ایک آدمی بالکل تیار تھا جسے خدا نے Ice age سے بچا کر نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ روح پھونکی۔ آدم زمین پر اُس وجود میں متمکن ہوئے۔ Special creation بھی ہوگئی، Scientific explanation بھی ہوگئی۔ یہ وہ پہلا آدم تھا جس پر خداوند کریم نے اپنا claim رکھا کہ اے ملائکہ تم نے جو انسان دیکھا تھا، اب یہ وہ شخص ہے جو تم سے match ڈالے گا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا علم دیا، عقل تو دے بیٹھا تھا، علم دیا قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرة 32:2) فرمایا ملائکہ نے فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (البقرة 31:2) اس کو memory دی، retention دی، progeny دی، acceptance دی، اس کو experimentation کی صلاحیت بخشی اور کہا: جاؤ یہ نہ کہنا کہ ناانصافی ہوئی، تم بھی یہ لو۔ جاؤ، جو اسماء اس کو دیئے، تم بھی لے جاؤ۔ چلو وقت لے لو......لوٹ کے آنا، مجھے بتانا......کون صحیح، کون غلط، کون سچا، کون معتبر، کون غیر معتبر۔ بہت مدتوں کے بعد ملائکہ بیچارے سر پٹختے آئے۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اے اللہ تو پاک ہے، آج ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا لَا عِلْمَ لَنَآ۔ ذرا غور کیجئے کہ کیا کہا فرشتوں نے: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہم تو computers ہیں۔ جو تو نے feed کر دیا ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ اس شریف آدمی کو تو نے artificial intelligence بخش دی ہے اور ہمیں نہیں بخشی۔ ہم نے تو صرف اُسی

information کو جو تو نے feed کر دی آگے کیا ہے۔ ہم میں assimilation نہیں ہے۔ ہم میں memory retention نہیں ہے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں جو تم ہمارے اندر feed کرتے ہو۔ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اس کے علاوہ کوئی علم نہیں ہے جو تو ہمیں بتا دے۔ کہا یا آدَمُ اَنْبِئْهُم بِاَسْمَآئِهِم تُو تو بتا تُو نے کیا کیا؟ اچھا شاگرد تھا فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآءِ هِمْ فرفر پڑھا، الف سے ابا، الف سے اماں، الف سے آم، یہ کچھ کر کے شروع کر دیا۔ بڑے استاد کی طرح پروردگارِ عالم نے کہا: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ دیکھو میں نہ تم سے کہتا تھا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (البقرة 33:2)۔ میں جانتا ہوں جو بنانے والا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ انسانوں کے باطن میں کیا چھپا ہے، مجھے پتہ ہے کہ کس کی صلاحیت کیا ہے؟ اور وہ کس طرح پنپ سکتا ہے؟ مجھے پتہ ہے کہ تمہاری آرزوئیں کیا تھیں؟ یہ خلافتِ زمین و آسمان تم سے نہیں اٹھائی جاتی۔ یہ تو کسی مفکر سے، کسی مدبر، کسی قدیر سے، کسی مرید سے کسی متکلم سے اٹھائی جاتی ہیں۔ میں نے انسانوں سے قدرت چھین لی ہے۔ زمین پر تھوڑا سا عرصہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤمِنِ یہ قید خانہ ہے۔ تھوڑی سی آزمائش ہے۔ مُسْتَقَرٌ" "وَّمَتَاعٌ" اِلٰی حِیْنٍ (البقرة 36:2) تھوڑا سا قیام، تھوڑا سا فائدہ، تھوڑی سی آزمائش، تھوڑی سی زندگی، ترجیحات کے انتخاب۔

یہ یاد رکھ لیجئے خواتین و حضرات! کہ ترجیحات میں خدا نے سب کچھ گنا دیا، آپ کو بتا دیا کہ ترجیح اوّل میں ہوں۔ چاہو مانو، چاہو نہ مانو۔ یہ تمہاری مرضی ہے۔ اس پر میں عذاب نہیں کروں گا بلکہ میں اہل کفر کے در و دیوار چاندی کے کر دوں گا، ان کی سیڑھیاں زرنگار کر دوں گا، زمین پر انہیں عذاب نہیں دوں گا۔ میری ربوبیت میں پہلی صفت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الفاتحہ 1:1) ہے اور مجھے اسی لئے عزیز ہے کہ ربوبیت کے ساتھ میں نے کوئی اعتبار اور یقین وابستہ نہیں کیا۔ چاہے تم مجھے برا سمجھو، چاہے مجھے اچھا سمجھو۔ چاہے دشنام طرازی کرو، چاہے تم مشرک ہو یا کافر ہو تم جو مرضی کرو۔ میں نے ربوبیت میں کسی قسم کی کوئی آلودگی نہیں

رکھی۔ یہی میری سب سے بڑی صفت ہے۔ یہی صفت میری تمام صفات پر حاوی ہے کہ میں ربّ کائنات ہوں۔ میں اپنی تقسیمِ اموال میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ پوچھا گیا کہ اے پروردگار تو اہلِ کفر کو رزق زیادہ کیوں دیتا ہے؟ فرمایا کہ مجھے غیرت ہے اس بات کی کہ اگر میں انہیں تنگی دوں، عسرت و افلاس دوں، تو یہ مجھے قیامت کے دن گلہ کریں گے کہ ہم نے تجھے نہیں مانا تھا اس لئے تو نے زندگی میں بھی عیش نہیں کرنے دی۔ تو میں نے تمام مال واسباب اس لئے دیئے۔ پھر فرمایا: اے مسلمانو! اگر ایک مصلحت آڑے نہ ہوتی تو میں اہلِ کفر کو اتنا دیتا، اتنا دیتا کہ ان کی سیڑھیاں بھی سونے کی کر دیتا...... وہ مصلحت تو بڑی بات ہے ورنہ مسلمان سڑ سڑ کے کافر ہو جاتے۔

مسلمان اہلِ کفر کی صفات آج صرف ان کے رزق کی کثرت کی وجہ سے بیان کرتے ہیں، اسکے علاوہ تو انکے پاس کچھ نہیں ہے۔ مگر خواتین و حضرات کبھی آپ نے اللہ کے قانون کا سوچا ہے؟ کیا وہ غریب قوموں کو مارتا پھرتا ہے؟ تباہی و ہلاکت سے آشنا کرتا ہے؟ کبھی آپ نے تاریخ الٹ کے دیکھی ہے کہ قومیں کب تباہ ہوئیں؟ کب باغِ بابل اجڑا تھا؟ کب نینوا تباہ ہوا؟ کبھی آپ نے دیکھا کہ انطاکیہ کے محل کیوں تباہ ہوئے؟ کبھی فراعنۂ مصر کو دیکھا کہ کس حال میں تھے؟ کیا وہ غریب تھے؟ وہ دنیا کی سب سے بڑی قوتیں تھیں، دنیا کے سب سے امیر لوگ تھے۔ قوموں کو تباہ کرنے کا پروردگار کا اصول غربت نہیں ہے، فرمایا: ہم تو ایسی بستیوں کو برباد نہیں کرتے۔ ہم تو ان بستیوں کو برباد کرتے ہیں کہ جو امارت میں ہمیں بھول جاتی ہیں وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ م بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا (القصص 58:28) جو اپنی معیشت پر اترا رہے ہوتے ہیں، جو Dollars and Pounds پر اترا رہے ہوتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم وقت کو جلد از جلد اپنی مصلحتوں میں قید کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں وقت چبھتا ہے۔ ابتلاء کی ہر گھڑی بڑی صبر آزما ہوتی ہے۔ ہم جلد نتائج چاہتے ہیں۔ چاہے وہ کوئی محبت میں الجھا ہوا نوجوان ہو یا مالی گردشوں میں الجھا ہوا بوڑھا ہو یا بڑا ہو۔ ہم برداشت نہیں کرتے۔ علم صبر میں ہے، شناخت میں ہے۔ جب موسیٰؑ بار بار بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے تو اللہ نے خضرؑ کے ذریعے ایک اصول علم بخشا

وَكَيْفَ تَصْبِرُ' اے موسیٰ تجھے صبر کیسے آئے۔ عَلٰى مَالَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (الکہف 68:18) (تجھے علم جو نہیں۔) جسکو علم ہوتا ہے وہی صابر ہے، جسکو شناخت ہے اسی کو پتہ ہے کہ میں اس مرحلہءفکر سے گزر رہا ہوں۔ خداوند کریم انہی قوموں کو برباد کرتا ہے۔ اس کا وقت اپنا ہے، اسکی مصلحتیں اپنی ہیں۔ ہم اوقات کو نہیں جانتے۔ اللہ کے ہاتھوں میں زمانہ ایک تخلیق ہے۔ Unlike the West and unlike the Western philosophers نیٹشے اور فشتے کی طرح نہیں، ہیگل، کانٹ اور برگساں کی طرح نہیں۔ اللہ کے نزدیک، قرآن کے نزدیک Time infinite ہے۔ جہاں بھی آپ قرآن میں زمانے کا ذکر پڑھوگے كُلٌّ" يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (لقمان 29:31) ایک وقت مقررہ ہے، Its a limited time مگر limited بھی اتنا unlimited ہے کہ ہمارے حساب وکتاب میں نہیں آرہا۔ کائنات کی وسعتیں ہمارے حساب وکتاب میں نہیں آرہیں۔ ہم نے Light years کے پیمانے استعمال کر لئے، ہم نے اس سے بھی زیادہ کروڑوں Light years کے packets بھی استعمال کر لئے ہیں مگر ابھی وسعتِ افلاک ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

اورخواتین وحضرات! کیا عجیب بات ہے کہ جو ہماری مملکت ہے، جس میں ہم نے جانا ہے، یہ تھوڑا سا وقفہ اس میں squeeze کر دیا گیا ہے۔ یہ دنیا کا وقفہ..... اس نے اپنے وجود اپنی شناخت کو ایک پلڑے میں ڈال دیا ہے اور دوسرے پلڑے میں پوری دنیا ڈال دی ہے۔ top priority ایک طرف رکھ دی۔ lesser priorities ساری زندگی پر محیط کردیں۔ " زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ " (میں نے اس دنیا کو شہوات سے مرتب کیا اور اسمیں بیوی بچے رکھے، اسباب رکھے، سونا چاندی رکھے، گھوڑے گاڑیاں رکھیں، تمام مراتب دنیا رکھے۔) ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مگر یہ سب کی سب متاع حیاتِ دنیا ہے۔ کیا پھر بھی دنیا سے انکار کروا دیتا ہے؟ نہیں، فرق صرف یہ ہے کہ mentally,honestly آپ اپنے ذہن کی اُس قدر کی حفاظت کرتے ہیں، اپنے choices کی حفاظت کرتے ہیں۔ خداوندِ کریم

نے یہ عقل جس کام کے لئے دی ہے، اسی سے اس کا جواب مانگے گا۔ اب نہیں مانگے گا، جب آپ قبر کے دہانے پہنچو گے، تب...... زمین کے اندر ایک چھوٹا سا وسیع تر galaxies کا دروازہ ہے۔ ایک طرف جنت کی galaxy ہے، ایک طرف دوزخ کی galaxy ہے قبر میں...... اندر پھر آپ سے وہی ایک سوال پوچھے گا جس کے لئے اس نے عقل دی تھی۔

وہی ایک سوال پوچھے گا اور کچھ بھی نہیں پوچھے گا مَــنْ رَبُّکَ؟ کون تھا تمہارا رب؟ گزر آئے منزلِ حیات سے؟ بہت enjoy کیا ہوگا؟ ماں باپ کو دیکھا، بہن بھائیوں سے ملے، کاروبارِ حیات میں مصروف رہے، مال و اسباب کو پاؤں اور ہاتھوں سے سمیٹا، سب کچھ کیا اب ہمارے پاس آئے ہو ناں؟ مگر ہمیں ان چیزوں سے مطلب نہیں جو تم کر آئے ہو۔ ہمیں تو صرف ایک چیز سے مطلب ہے۔ ہم نے تمہیں ایک امانت دی تھی، امانتِ عقل و شعور بخشی تھی، ہمیں تو اس کا جواب چاہیے۔ تمہاری اچھائی برائی تمہارے لئے ہے، حساب و کتاب تمہارے لئے ہے۔ یہ تو جب balance ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ ایک گناہ پر تو ایک توبہ بڑی حاوی ہے۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے، یہ تمہارا اور معاشرتی کام ہے۔ ہمیں جس چیز سے مطلب ہے، یہ تو بتاؤ مَــنْ رَبُّکَ؟ کون تھا تمہارا رب؟ کس کو تم نے خدا سمجھا؟ کس کو پروردگار جانا؟ تمہارے ذہن نے اس سوال کا جواب ڈھونڈا کہ نہیں ڈھونڈا؟ تم نے عقل کو بے مصرف کیوں خرچ کیا؟ یہ اسراف ذہن تم کہاں سے پورا کرو گے؟ چلو ٹھیک ہے، بڑا مشکل تھا مجھے جاننا۔ ذرا دوسرے سوال کا جواب دے دو۔ یہ helping question ہے۔ یہ تمہیں پہلا بھی یاد کرا دے گا مَــنْ نَبِیُّکَ؟ کون تھا تمہارا نبی؟ تمہارا نبی کون تھا؟ بھئی جس کو محمد رسول اللہ ﷺ یاد آئے، اس کو لا الٰہ الا اللہ بھی یاد آ جائے گا۔ یہ رعایتی question بھی ضائع ہوا...... ہندو پہنچا وہاں...... اس نے کہا: اے پروردگار! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے مجھے...... سرسوتی ہو گی؟ درگا؟ پاروتی؟ گھنشام؟ گنیش؟ برہما؟ شیوا؟ وشنو؟ jungle of gods and goddesses بیچارہ confuse ہو رہا ہے کہ مَــنْ رَبُّکَ کا کیا جواب دوں؟ تثلیث والے تین گنا رہے ہیں...... خدا کہتا ہے میرے

بندے نے اس امانت کا حق ادا نہیں کیا۔ میرے بندے نے جھوٹ بولا۔ تمام عمر He has given more importance to the lesser priorities and less importance to top priority. He has failed. گناہ وثواب failure نہیں ہے۔ اللہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نہ تمہارا گوشت پہنچتا ہے نہ ہڈیاں۔ کچھ بھی مجھے نہیں پہنچتا، مجھے تمہاری نیت پہنچتی ہے اور کون ہے ایسا بد بخت جو اپنے گناہ کو خدا کی رحمت سے زیادہ جانتا ہے؟ تمہارے گناہ کیا ہیں؟ چند سالوں پر محیط Stupid exercises of body and mind۔ بھئی اس کی رحمت تو دیکھو کہ کیا ہے؟ بے پناہ وسعتیں ہیں، Immensities ہیں، بے پناہیت ہے۔ بھلا اسکی رحمت اور تمہارے گناہ کی کوئی average ہے؟ کوئی match ہے؟ کسی قسم کی کوئی average بنتی ہے جو تم خدا کو کہہ رہے ہو (اے اللہ تو میرے گناہ نہیں بخشیں گا) اس سے زیادہ توہینِ پروردگار کیا ہوسکتی ہے؟ کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اے میرے مالک میں اتنا بڑا گناہ گار ہوں کہ تو میرے گناہ نہیں بخشے گا۔ حدیث رسول ﷺ ہے، حدیثِ قدسی ہے، فرمایا: ''جبرائیل دیکھو! اس شخص نے گناہ کیا ہے، اسے ذرا سنبھال۔ اسے پوچھو وہ کیا چاہتا ہے''؟ اس نے کہا: ''مالک وکریم! میں نے گناہ کیا ہے، میں توبہ کرتا ہوں''۔ کہا: ''جبرائیل! کیا اسکو پتہ ہے کہ کوئی توبہ قبول کرنے والا ہے؟ کوئی گناہ معاف کرنے والا ہے''؟ کہا: ''پروردگار لگتا تو ہے کہ اسے پتہ ہے''۔ کہا: ''اس کو کہو کہ میں نے معاف کیا''۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس شخص نے گناہ کیا پھر جبرئیل حاضر ہوئے، کہا: ''اس نے پھر گناہ کیا ہے''۔ اللہ نے کہا: ''جبرئیل کیا پھر توبہ کر رہا ہے؟ لگتا ہے اسکو یہ پتہ ہے کہ میں ہی معاف کرنے والا ہوں۔ اسکو کہو، جا! میں نے معاف کیا''۔ کچھ عرصے کے بعد پھر اسنے گناہ کیا۔ بڑے جلے بھنے ہوئے جبرئیل آئے، کہا: ''اے مالک وکریم! یہ تیرے غضب کا امیدوار ہے۔ باجود دو مرتبہ معافی کے، اس نے پھر گناہ کیا ہے''۔ اللہ کہتے ہیں: ''نہیں، جبرئیل اس کو بالکل پکا پتہ ہے کہ میں ہی معاف کرنے والا ہوں۔ اس کو کہو کہ میں نے اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف

کردیئے ہیں"۔

خواتین وحضرات! بخشش کے معیار کہاں!!! رحمتِ پروردگار کے معیار کہاں......!!!
ذرا غور سے سمجھیں، قرآن لفظ گناہ نہیں کہتا۔ میرے بندوں کو کہہ دو: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الزمر 53:39) تم نے اپنی نفسانی کیفیات میں اسراف کیا، بھئی میں نے چیزیں تمہیں صحیح برتنے کے لئے دی تھیں، تم نے بے بہا برت دیا۔ میں نے تمہیں شہوات دیں کہ تم لوگ اچھی نسل کو فروغ دو، تم نے اسے ہی ناجائز خرافات میں ڈال دیا۔ میں نے تمہیں رزق دیا تھا کہ خود کھاؤ، لوگوں کو کھلاؤ۔ تم قارون بن کے، سانپ بن کے بیٹھ گئے۔ تم نے لوگوں کے حقوق مارنے شروع کر دیئے۔ میں نے تمہیں صلاحیتیں دی تھیں کہ خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور مخلوقِ خدا کو بھی فائدہ دو، تم نے ان صلاحیتوں کو اپنا سمجھا۔ سب سے پہلی غلطی یہ تھی۔ تم قاتل بنے، ڈاکو بنے، مکار بنے، تم نے اپنے survival کی خاطر بہت سارے لوگوں کا خون کر دیا۔ ان کی توقعات پر بات کی، تم نے اس معاشرے کو زہر دار بنا دیا۔ مگر ایک بات ابھی باقی ہے۔ واپسی کا راستہ بند نہ کر دینا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ باوجود اس بربادیٔ ذات کے، اس خسارے کے جس میں تم گزر رہے ہو، اس نفسانی کیفیات کے، زوال کے، اے درندہ خصلت انسان پھر بھی ایک بات یاد رکھنا، پھر بھی لوٹنے کا ایک دروازہ چھوڑ دینا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یہی اصل ایمان ہے۔

ایمان نماز میں نہیں ہے، ایمان آپ کے افکار میں ہے، نیت میں ہے، اخلاص میں ہے۔ فرمایا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اس لئے اتنا یاد رکھنا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر 53:39) اصول دے رہا ہوں۔ سوچنے سمجھنے والے ہو تو اس پر غور کرنا کہ میں اصول دے رہا ہوں اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (الزمر 53:39) میں، مطلق، تمام، کوئی تخصیص نہیں ہے، سارے گناہ معاف کرتا ہوں اس لئے کہ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ اگر میں تمہاری یہ چھوٹی چھوٹی فضول باتوں کو معاف نہ کروں تو میں غفور اور رحیم کہلوانے کا مستحق نہیں رہتا،

اِنَّهٗ هُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِيْم (الزمر 53:39)۔یہ غفور کا نام ہے، یہ رحیم کا نام ہے کہ رَحمَانَ الدُّنیا وَ رَحِیمُ الآخِرَۃ کہ رحمان کے مقابلے میں جب آخرت میں تمہیں میری مغفرت کی ضرورت پڑے گی تو میں بے انداز رحمت بن کے آؤں گا۔تم نے دیکھا نہیں کہ ایک رحمت میں نے زمین پر اتاری تھی۔قیامت تک کے لئے تمہیں ایک وجودِ رحمت بخش دیا تھاوَمَآاَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء 107:21)۔

خواتین وحضرات! آج کا شاید سب سے بڑا المیہ ہے کہ بہت سارے اہلِ مذہب، بہت سارے مذہبی فکر رکھنے والے شاید مقامِ رسالت سے آشنا نہیں ہوتے اور قرآن کوئی دور تو نہیں ہوتا؟ کیا سادہ سی بات ہے کہ پروردگارِ عالم نے ارشاد فرمایا، یہ ایک فرد کے بارے میں نہیں فرمایا۔تمام مخلوقات کے بارے میں فرمایا،تمام زندگی کے بارے میں فرمایا کہ زندگی کو تخلیق کرنے سے پہلے، جملہ مخلوقات کو تخلیق کرنے سے پہلے، میں نے اپنے اوپر ایک بڑی ضروری بات لاگو کی، وَ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام 54:6) میں نے لازم کیا کہ میں اپنی تمام مخلوقات پر رحم کروں گا۔پھر دوسرے لفظ عالمین کی وضاحت کی کہ لفظ عالمین زمین نہیں ہے، خالی آسمان نہیں ہے، جملہ کائناتیں سمٹی ہوئی ہیں اور جملہ زمینیں سمٹی ہوئی ہیں اور میں سب کا پالنے والا ہوں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن.

خواتین وحضرات! میں کوئی بڑی بات نہیں کر رہا ،ایک simple سی preposition دے رہا ہوں کہ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ میں نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے عالمین میں اپنے اوپر رحمت فرض کی۔پھر وہ کہتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن، کہ تعریف کے قابل ہے وہ رب جو رب العالمین ہے۔فرمایاوَمَآاَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور یہ رحمت جو ابتدا سے فرض کی اپنے اوپر اور میں جو رب العالمین ہوا تو اس رحمت کو میں نے مجسم کیا وجودِ محمد ﷺ میں اور اسے تمام عالمین کے لئے کشادہ کر دیا۔خواتین وحضرات !اگر رسول اکرم ﷺ 1500 برس پہلے گزر گئے اور ان کی رحمت مجھ تک نہیں پہنچی یا میرے بچوں تک نہیں پہنچی

یا میری نسلوں تک نہیں پہنچی تو وہ رحمۃ للعالمین کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ رحمۃ للعالمین کے اس لفظ کی وضاحت کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ اس لفظِ رحمت کو جو پروردگار نے فرمایا تھا کہ میں نے کائنات کی ابتدا اور زندگی کی ابتدا سے پہلے جو اصول اپنے اوپر لاگو کیا تھا وہ بڑا سادہ ہے کہ میں ہر حال میں اپنی مخلوق پر رحمت فرماؤں گا۔ پھر فرمایا وَكَتَبَ عَلىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ پھر جو اپنے اوپر لکھا تھا اس کو وجودِ محمد ﷺ میں سمیٹ دیا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن جہاں جہاں رب العالمین ہیں وہاں وہاں رحمۃ العالمین ہیں اپنی حیثیت میں۔

تو خواتین وحضرات! حضورِ گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا کہ اُس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی۔ غور کیجیے گا، فرمایا: اس نے ایمان کی حلاوت چکھ لی جس نے خدا کو خدا کی طرح مانا اور اس میں کسی کو شریک نہیں کیا اور اس کی قوتوں کو تقسیم نہیں کیا۔ نہ کسی جادوگر کے ہاتھ بیچا، نہ کسی تعویذ کرنے والے کو۔ کیا عجیب بات ہے آدھا پاکستان جادوگروں اور تعویذ کاروں میں بٹا ہوا ہے۔ 50% کر رہے ہیں اور 50% پر ہو رہا ہے۔ کیا عجیب بربادئ یقین ہے؟ کیا ظلم ہے کہ اللہ کی قدرتوں کو، خدا کی قدرتوں کو ہم کس طرح ٹکے ٹکے بانٹتے پھرتے ہیں گلی کوچوں میں؟ جعل سازوں کے ہاتھ بانٹتے پھرتے ہیں، یہ رزق بند کر رہا ہے، وہ پانی بند کر رہا ہے، یہ مرض دے رہا ہے، وہ زندگی دے رہا ہے، یہ جا رہا ہے وہ آ رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، اس سے بہتر نہیں کہ جملہ مسلمین ایک درخواست لکھ کر آسمانوں میں ڈال دیں کہ اللہ میاں آپ کا کام ختم ہے، ہمارے پاس بہت سے نئے خدا آ گئے ہیں۔ رزق اس سے کھل جاتا ہے، پانی اس سے کھل جاتا ہے۔ بچے یہ دے رہا ہے، باپ وہ دے رہا ہے۔

خواتین وحضرات! اس سے زیادہ ایمان کا کوئی نقص نہیں ہے۔ اہلِ قریش بھی یہی کرتے تھے They never refused God وہ الہٰ کو مانتے تھے، اللہ کو مانتے تھے مگر کہتے تھے کہ ایک اللہ بیچارہ سارے کام کیسے کر سکتا ہے۔ دنیا میں بہت بڑے کام ہیں، کیا ایک اللہ کرے گا؟ اُدھر وہ کہہ رہا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ" اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء 22:21) اگر

ایک کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو کائنات میں فساد پڑ جاتا۔ اگر اس کے سوا بھی کوئی رب ہوتا، تو کیا آسانی ہوتی۔ ہم بھی کہتے: چلو اللہ میاں تو ہماری بات نہیں مانتا تو ہم دوسرے خدا کے پاس جا کے، کوئی نہ کوئی diplomatic channel کھول لیتے ہیں۔ خواتین و حضرات پروردگار کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ کیا خوب بات ہے جو ایک Sub- Lieutenant نے کہی کہ ہندو پاک میں جہاں ہندو نے ہر مذہب کو کھا لیا، اٹھتے ہی کھا لیا۔ ادھر سمارا وترا کو کھا لیا، ادھر مہاتما بدھ نے خدا کا نام تک نہیں لیا۔ اِدھر وہ گیا، اُدھر اشوکا نے بت بنا کے ماہیان فرقے کی بنیاد رکھ دی اور بت پرستی شروع ہو گئی۔ اُدھر بیچارہ جینا اٹھا، اس نے اپنی طرف سے وحدانیت دینے کی کوشش کی تو ہندو نے اسے سمیٹ کر جیناوترا میں ڈال دیا۔ کوئی مذہب جو ہندوستان میں آیا ہندومت کے مکر وفریب کا جواب نہیں دے سکا، اس نے اسے رسم ورواج میں ڈھالا۔ برہمن کی cleverness کسی کو نصیب نہیں تھی۔ مگر جب اسلام آیا، وہ ہماری ہر چیز میں داخل ہوا، وہ ہمارے دستورِ زندگی میں داخل ہوا، ہمارے طریق میں، ہماری معاشرت میں داخل ہوا۔ ایک کام نہیں کر سکا۔ بڑا خوبصورت جملہ کہا Encyclopaedia of Religion کے مصنف نے کہ There was such a geometrical precision about the oneness of God in Islam, that no mythology was possible. کہ ایسا سخت، ایسا clean faith خدائے واحد میں، اسلام میں ہے کہ ہندو بے پناہ کوششوں کے باوجود خدائے واحد کے اس تصور کو مسلمانوں میں متزلزل نہیں کر سکا۔ باقی نقب وہ اِدھر اُدھر لگا گیا۔ اب ذرا غور کیجئے کہ ہم نے اپنی زندگی کے ادوار کو تقسیم کیا ہوا ہے۔ جوانی، پڑھیں پڑھائیں گے، شادیاں کریں گے، بچے پالیں گے، پھر طاقت کی ہوس کریں گے، گورنر لگیں گے، صوبیدار بنیں گے، جب عمر آخر آجائے گی پھر اللہ اللہ کریں گے۔ خواتین و حضرات! یہ ہمارا تصور نہیں ہے، کسی مسلمان کا تصور نہیں ہے، یہ ہندو کا تصور ہے۔ پوری life کے order کو ہندو نے چار مراتب میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ سو سال کی عمر رکھی اور کہا کہ یہ "بھرہم چاری آشرم" ہے،

پچیس برس ہے، جوانی ہے، لڑکے بالے پڑھیں لکھیں گے، ہنر سیکھیں گے، اگلے پچیس برس ''گرہست آشرم'' کے ہیں۔ اس آشرم میں شادی بیاہ ہوگا، کاروبار establish ہوں گے، کوشش کریں گے۔ اس سے اگلے پچیس برس ''گھرب آشرم'' کے ہیں۔ اب طاقت کی، عزت کی، شہرت کی تلاش کی جائے گی کہ کمیٹی کے ممبر بنیں گے، حکومتوں کے صدر بنیں گے، کوشش کریں گے اور آخری پچیس برس یعنی 75 سال کے بعد ''رشی منی'' آشرم شروع ہوگا اور اب اللہ کی تلاش۔

خواتین وحضرات! جس معاشرے میں عمر 55 برس کی ہو، ''رشی منی آشرم'' تک کہاں پہنچے گا۔ آج civilized age ہی آپ کی 55 برس کی ہوگئی ہے تو اس میں آپ کہاں پہنچیں گے سو برس کی عمر تک؟ کب وقت ہوگا خدا کو آپ تلاش کرو گے؟ خدا کہتا ہے، مسجد نبوی کے دروازے پر ایک صحابی نے گلی سڑی کھجوریں لٹکا دیں صدقہ وخیرات کی، تو قہر آیا، بڑا قہر آیا اس عالمِ کل، کون ومکاں کے خالق کو۔ کہا: بہت خوب، بہت خوب ہمیں یہ خیرات دیتے ہو؟ ہماری یہ دعوت ہو رہی ہے؟ بھئی زندگی کا پہلا سانس ہم دیتے ہیں، آخری ہم دیتے ہیں۔ علم وتعلیم ہم دیتے ہیں، زندگی کی ہر قدر ہم تم کو عطا کرتے ہیں، تم ہم سے ادھار لیتے ہو۔ ہم غنی ہیں، وَ اللّٰہُ الغَنِیُّ وَ اَنتُمُ الفُقَرَآءُ (محمد 38:47) تم مسکین ہو، فقیر ہو۔ تم اچھی چیزیں ہمارے لئے دو، یہ کیا دے رہے ہو ہمارے لیے؟ یعنی ہمارے ہی باغ میں سے، ہمارے ہی مال میں سے تم ہمیں کیا دے رہے ہو؟ بھلے مانسو، ہمیں تم غصہ تو نہ دلاؤ۔ تمہیں ہم سمجھا رہے ہیں کہ تم اگر بہترین چیز نہیں دے سکتے تو درمیانی چیز دے دو۔ مگر یہ کیا؟ کہ گلی سڑی کھجوریں، یہ تمہارے افعال شریفہ ہمیں نہیں قابلِ قبول۔ یہ ہماری insult ہے۔ ہم تمہیں کہہ جو رہے ہیں کہ مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَا فًا کَثِیْرَةً (البقرۃ 245:2) تم ہمیں قرض دو، ہم تمہیں اضافہ کر کے تمہارا قرض لوٹا دیں گے، تمام نعمتیں دیں گے۔ کیا literal faith ہے!!! ہمارا کتنا جھوٹا Faith ہے۔ کیا مکر وفریب ہے!! کہنے کو تو ہم سب یہی کہتے ہیں کہ خدا ہی سب کچھ ہے، خدا ہی بیویاں دیتا ہے، خدا بیماریاں دیتا ہے، خدا شفا دیتا ہے۔ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ

یَّشَاءَ اللّٰهُ (الدھر 30:76) ہم چاہ بھی نہیں سکتے اگر خدا نہ چاہے۔ مگر یہ literal faith ہے۔ تمام ایمان literal faith کو practical side کو لانے کا نام ہے۔

اس ایمان کو جو آپ کے تصور میں ہے جب آپ اسے زندگی میں برتو گے، جب مقابلوں میں لاؤ گے اپنے ایمان کو، جب وہ آزمائے گا، جب بھی آپ کو آزمایا آپ کا کام ہو گیا۔ خدا کے بندے! کب آپ خدا کو قائل کر سکو گے۔ یعنی Should he really believe in you? وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (البقرة 155:2) تھوڑا تھوڑا تمہیں آزمائیں گے، کبھی خوف سے، کبھی مال کے نقصان سے، کبھی بال بچوں کی اذیت سے، کبھی زندگی سے کبھی موت سے، کبھی حیات سے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ہ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ (البقرة :156:2) ہماری طرف سے خوش خبری دو کہ جب ہم نے انھیں آزمایا وہ اپنے خدا کو بھولے نہیں، وہ اپنے اللہ کو بڑھے، پورے انکسار و محبت سے اور ایک جملہ بولا قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (البقرة:156:2) مصائب میں، بلا میں وہ جادوگروں کو نہیں بڑھتے ۔ معاذ اللہ، استغفر اللہ، جادوگروں کو نہیں بڑھتے ۔ وہ تعویذ کاروں کو نہیں گئے کہ انھوں نے ہمارا رزق بند کیا ہوا ہے، نہیں......، وہ اپنے خدا کو پلٹے اور صرف اتنی بات کہی قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اے مالک و کریم وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران :3-140) ہمیں پتہ ہے کہ تو لوگوں کے دن ایک جیسے نہیں رکھتا۔ کبھی کشادگی دیتا ہے، کبھی تنگی دیتا ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح :94:5-6) کبھی تنگی، کبھی کشادگی، کبھی گردش و بلا، کبھی نعمت غیر مترقبہ۔ یہ تیرے کام ہیں، تو ہمیں آزماتا ہے، ہمیں اس اعتقاد سے آزماتا ہے کہ جب بلا و مصیبت گزرے، جب رنج و کرب و بلا گزرے تو ہم صرف ایک جملے میں کہیں گے، ہم تجھے منتخب کریں گے، عزت و وقار کے اس لمحے میں صرف ایک جملہ کہیں گے قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اے مالک و کریم! یہ سب گردش و بلا تیری طرف سے آئی ہے، تیری ہی طرف لوٹ جائے گی۔ تو خدا کہتا ہے کہ اس

جملے کا انعام جانتے ہو کیا ہے؟ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ" مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ" (البقرۃ : 157:2) ان لوگوں پر ہماری طرف سے درود و سلام ہے۔ جو اِن مصائب، اِن دکھوں میں، اِن مشکلات میں صرف اور صرف ہماری طرف پلٹتے ہیں اور حقِ پروردگار ادا کرتے ہیں ان پر ہماری طرف سے درود و سلام ہو اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ" مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ" ہماری ان پر رحمت ہے وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ(البقرۃ :2-157)، یہی intellectuals ہیں اور یہی عبادت گزار ہیں، یہی سوچنے سمجھنے والے لوگ ہیں۔ اصل میں یہی وہ متفکر لوگ ہیں جنہوں نے غور کیا، جنہوں نے سوچا سمجھا اور یہ دیکھ لیا کہ ان کے اللہ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی priority نہیں ہے، کوئی ترجیح نہیں ہے، کوئی قدرِ منتخب نہیں ہے۔ وہی مالک و کریم انسانوں کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے، وہی ان کے مراتب متعین کرتا ہے اور کرم اور مراتب الٰہیہ نہ مال سے، نہ پیسے سے ہے۔ یہ وہ اللہ ہے جو علم کے سوا کسی چیز کو نہیں مانتا۔ یہ وہ اللہ ہے جو آپ کی عقل و معرفت سے سوچے ہوئے نتائج کے سوا کسی نتیجے کو نہیں جانتا۔ وَنَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ (یوسف :76:12) جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ پروردگار فرماتا ہے، جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ وَ فَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ" اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ خواتین و حضرات! We confront so many ideas in the modern world ہم نے اہل علم سے match ڈالا، ابھی اسلام اپنی intellectual heights میں بھی نہیں تھا۔ ہم نے اپنے dogmatic اسلام سے اسے شکست دے دی۔ اب سیکولرازم آ گیا۔ خواتین و حضرات! just a few words about secularism secularism مذہب کا ایک ناجائز بچہ ہے۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ secularism ایک ناجائز بچہ ہے مذہب کا۔ اس کا مصنف جس نے پہلی مرتبہ secularism کا لفظ استعمال کیا Holly Hoaks ہے، Bradley ہے۔ یہ دونوں پادری تھے۔ ہولی ہوکس کو چرچ نے ایک رسالہ Christianity پہ لکھنے کو دیا اور

ساتھ کچھ کتابیں بھی دیں کہ ان سے رسالہ مرتب کر کے ہمیں دو۔ جب Holly Hoaks نے وہ پڑھا تو وہ پریشان اس لئے ہوا کہ ہر ایک version دوسری version سے جدا تھی۔ اس نے Cardinal کو واپس خط لکھا کہ بھئی یہ کیا مذہب ہے؟ اس کو نہ ہی چھاپو تو اچھا ہے، یہ تو فساد ہے۔ ایک version دوسری version سے agree نہیں کرتی۔ تو Cardinal نے بجائے اس کے علمی عذر کو ماننے کے اسکو تین مہینے کی کڑی سزا دی، قید خانے میں ڈالا اور اسکو وہ جو Typical Christianity کی سزا ہے، اس کو مذہب سے اخراج کی سزا دی۔

خواتین وحضرات! secularism وہ idea ہے جس نے تمام practical values as such مذہب سے لئے۔ honesty مذہب سے لی، duty بروقت سرانجام دینا مذہب سے لیا۔ تمام وہ اصول جو بہتر تھے لے لئے مگر تمام moral laws کو ignore کر دیا۔ اصولاً اس زمین پر مذہب کے علاوہ کسی بھی دوسری organization نے moral law نہیں دیا۔ اخلاقی law دینے والا اوّل و آخر مذہب ہے۔ نہ آج کی democracy نے moral law دیا، نہ آج کے کسی مہذب ملک نے moral law دیا نہ Sparta اور یونان کے کسی مہذب ملک نے۔ For three thousand years of history of civilization کسی civilization نے کوئی اخلاقی قانون نہیں دیا۔ اخلاقی قانون مذہب نے دیا۔ democracy دے نہیں سکتی۔

خواتین وحضرات! تھوڑی سی وجہ سن لیجئے democracy اس لئے نہیں دے سکتی کہ As you define democracy , democracy is not the religion of elite. یہ پڑھے لکھے اور دانشوروں کا مذہب نہیں ہے Democracy is the religion of common people. چھوٹے لوگوں کا ہے۔ یہ Common people جبلتوں کے قریب ہوتے ہیں۔ یہ دانا نہیں ہوتے، یہ بہت عقل مند نہیں ہوتے۔ سوائے اس کے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کے اجماع کو برکت دی اور فرمایا کہ میری

امت کا اجماع کبھی غلطی نہیں کرے گا ۔مگر generally یہی بات ان Western societies کے عوام پر لاگو نہیں ہو سکتی ۔اس لئے کہ جو بھی کم تر مخلوقات، جو بھی کم درجہ ذہانتیں باقی ہیں ان معاشروں میں وہ گناہ وثواب میں فرق نہیں کرسکتیں ۔انکو اصولی morality سے اختلاف ہوتا ہے ۔اس لئے سب سے پہلے اگر democracy میں ضرب لگتی ہے تو اخلاقی قوانین کو لگتی ہے ۔جیسے جہاں جہاں democracy ہے وہاں وہاں homosexuality ہے ۔وہاں liberties کے laws ہیں، جائیدادوں کے اصول بانٹے گئے ہیں ۔اس قدر مکروہ قسم کی یعنی اگر آج کی democracy کوئی ناز کرسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک مطلق اخلاقی قانون نہیں دیا۔

ایک طرف غور کیجئے کہ خدا ایک معاشرے کو صرف اس لئے برباد کرتا ہے، صرف اس لئے کہ تم نے اس دنیا و جہان میں ایسی بدکاری کو نکال لیا ہے جو تم سے پہلے کبھی زمین و آسماں میں نہیں تھی ۔اور آپ کے democrates نے بیٹھ کر اسکو بہت بڑی artistic value سمجھا ہے اور پھر آپ سب کو پیش بھی کر رہے ہیں اور اس کے علاوہ democracy میں کیا ہے جو آپ قبول کرو گے؟ یا فرض کیجئے، میں آپ سے کہوں کہ کوئی دانشور عصرِ حاضر کا ایسا لا دیجئے کہ جو اسلام میں کوئی چیز ڈال دے جس سے وہ معتدل اور روشن خیال ہو جائے ۔آپ کے علم میں ہے کہ اسلام میں کیا چیز ڈالیں گے کہ وہ معتدل اور روشن خیال ہو جائیگا؟ اسلام کے دو دشمن ہیں ایک سیکولر دوسرا مولوی، ان دو کے علاوہ اسلام کا کوئی دشمن نہیں ہے ۔اس لئے کہ مولوی ہٹ دھرم ہے، اَن پڑھ ہے ۔جس بچے نے نہ سائنس پڑھنی ہو، نہ آرٹ پڑھنا ہو، نہ سکول میں چل سکے تو اس کے ماں باپ تنگ آ کر اس کو حفظ کروا دیتے ہیں اور مسجد میں لگا دیتے ہیں ۔یہ توہینِ قرآن پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی ۔آج بھی آپ دیکھ لو ۔ماں باپ شوق پورا کرتے ہیں قرآن حفظ کروا کر ۔بھئی وہ کام کیوں کرتے ہو جو تم نے خود نہیں کیا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْن (الصّف: 2:61) تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے ۔آپ تو قرآن کا صفحہ نہیں پڑھ سکے، اب اس حسرت کو بچے میں

پوری کرنے چلے ہو، اس کو قرآن حفظ کروا کے۔ یہ آج کا المیہ ہے کہ اٹھتے ہوئے بچے قرآن مجبوراً حفظ تو کر لیتے ہیں مگر پہلی چیز جو بھلاتے ہیں وہ قرآن ہے۔ یہ اس طرح کی جبری وارداتیں ہیں جو آپ مذہب کے نام پر ڈالتے ہو؟ کیا مذہب اس چیز کا نام ہے؟ کیا اتنا بڑا intellectual انتخاب، اتنے ان پڑھ اور جاہلانہ رسم و رواج میں ڈھالا جا سکتا ہے؟ اگر آج مولوی کو آپ دانشور اور مذہبی جانتے ہوتے تو آپ اسے زندگی کے معاملات میں دخل دینے کی اجازت اور chance نہ دیتے؟ آپ تو مانگنے پر بلاتے ہو۔ اس سکول کے ان بچوں کا کیا حال ہوتا ہو گا جن کو صرف اس لئے قرآن پڑھایا جاتا ہے اور وہ صرف اس شوق سے پڑھ رہے ہیں کہ کوئی مر جائے گا تو ہمیں چاول کھانے کے لئے بلائیں گے۔ ہم قرآن پڑھیں گے۔

از غلامِ لذتِ قرآں مجو
گرچہ باشی حافظ قرآں مجو

غلام سے لذت قرآن مت طلب کرو، چاہے وہ حافظِ قرآن ہی کیوں نہ ہو؟
خواہشات کے غلام کو آپ قرآن پکڑا دیتے ہو اور آپ جو اہلیت رکھتے تھے، جو علم رکھتے تھے، جو شخص M.Sc. کر سکتا ہے، B.Sc. کر سکتا ہے، Computer technology سیکھ سکتا ہے وہ کیوں نہیں قرآن کو پڑھتا؟ اس کے نزدیک کیا قرآن ایک decadent کتاب ہے۔ پندرہ سو برس کی فرسودہ روایات اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن (الانفال:8:31) یہ پرانے رسم و رواج کی کتاب ہے۔ وہ کتاب جو اوّل کائنات کی خبر دیتی ہے، جو آخرِ کائنات کی خبر دیتی ہے۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ہ وَاَخْرَجَتِ الاَرْضُ اَثْقَالَهَا ہ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ہ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ہ (الزلزال:99:1-4) جو کتاب آپ کو زندگی کے ہر شعبہ حیات کی خبر دیتی ہے، ایک قانون جس کا مرتب نہیں ہو سکتا زمین و آسمان میں۔ قرآن حکیم وہ واحد کتاب ہے جس کی ایک بھی آیت practically challenge نہیں ہو سکتی۔ بائبل ہو سکتی ہے، زبور ہو سکتی ہے، نغماتِ داؤد ہو سکتی ہے، صحائفِ موسیٰ ہو سکتی ہے۔ قرآن کی ایک آیت

بھی challenge نہیں ہوسکتی۔ جس کو دعویٰ ہے، وہ آئے۔ آپ کو پتہ نہیں کہ اللہ کیا دعویٰ کرتا ہے؟ کیا اللہ کو آپ کے intellectual کا نہیں پتہ؟ آپ کے septical philosophies کا نہیں پتہ؟ آپ کے existential ideas کا نہیں پتہ؟ کیا خدا کو نہیں پتہ کہ اس کے بندے کہاں سے کہاں پہنچیں گے؟ اوجِ ثریا پہ کمند لگائیں گے۔ کیا کیا معقول اور غیر معقول ideas پر زقند بھرتے پھریں گے۔ یہ عمرو عیار کی زنبیل ہے جو آج کی عقل ہے؟ کیا اس پٹاری سے نہیں نکلتا؟ خدا کو نہیں پتہ کہ یہ عیّار کہاں تک پہنچیں گے؟

عقل عیّار ہے سو بھید کھول لیتی ہے
عشق بیچارا نہ مُلا ہے نہ زاہد ہے نہ حکیم

تو خداوند کریم کو پتہ تھا کہ ذہنِ انسان تجسس رکھتا ہے۔ اس نے خود کہا ہے کہ جو ذہن تجسس نہیں رکھتا، جو سوال نہیں رکھتا وہ میرے نزدیک: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِ عِندَاللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (الانفال:22:8) کہ بدترین جانور وہ ہے جو اندھوں اور بہروں کی طرح میری آیات پہ گرتا ہے، جو غور و فکر نہیں کرتا۔ جو آپ کو غور و فکر کرنے کا challenge دیتا ہے، وہ پہلی آیت میں دیتا ہے۔ پہلی آیت میں ہے: کہتا ہے تم ذہین ہو، دانشور ہو، بالائے فکرِ انسان ہو، راکٹ بنائے۔ منحوس شئے اجاڑنے والی نصب کرلیں، خیال کرتے ہو کہ خدائی اب تمہاری ہے؟ تم ایک کام کر دو الٓمّٓ ہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ج (البقرۃ : 2:1-2) تمہارے سامنے سینکڑوں صفحوں کی کتاب ہے۔ اگر بہت عقل رکھتے ہو اس کتاب میں کوئی شک واضح کر دو؟ چلو ایک غلطی نکال دو؟ انسان ہزار غلطی کرے، انسان رہتا ہے۔ خدا ایک بھی غلطی کرے تو خدا نہیں رہتا۔ کیوں نہ اسے challenge کر کے دیکھو، ریکارڈ موجود ہے۔ کتاب دعویٰ کرتی ہے کہ میں خدا کا کلام ہوں۔ تم آگے بڑھو، اللہ سے نجات حاصل کرو، دو چار غلطیاں نکال لو، عہدِ حاضر کے مفکرین کو بلا لو۔ چلو بش اور بلیئر کو بلا لو، اس کو کہو قرآن میں غلطی نکال لے، ہم تجھے خدائے قدوس سمجھ لیں گے۔ جنابِ سیکولرازم کو بلا لو جن کو بڑا دعویٰ ہے۔ ان کو بلا کے کہہ دیجئے کہ ایک

آدھ غلطی نکال دو یار، جان چھوٹے گی خدا کی بلا سے۔ وہ انسان اچھا believer نہیں ہے جو اپنے believe کو خواہ مخواہ پابندِ عقائد کرتا ہے۔ اس کو کبھی ہم ذہین نہیں مانتے، وہ intellectual نہیں ہے۔ عقل جس کی grow کر رہی ہے یا جس کی دانش grow کر رہی ہے، جس کا ذہنِ رسا اس کو سوال پر آمادہ کر رہا ہے، جو شناخت چاہتا ہے حقیقت کی، وہ خدا پر کیوں رکے گا؟ اس کو چاہیے کہ وہ غور کرے۔ اس کتابِ حکیم کو کتابِ حکیم نہ سمجھے۔ اس کو پہلے کتابِ حریف سمجھے۔

یہ وہ کتاب ہے جو اس کو خدا کا قائل کر رہی ہے۔ یہ وہ کتاب، جو اس کے نصیب میں مفروضہ بھر رہی ہے کہ تمہاری زندگی آزاد نہیں ہے۔ یہ کتاب ہے جو اسے بتا رہی ہے کہ تم کسی پروردگار کے غلام ہو۔ اگر تمہیں یہ غلامی قبول ہے، اندھا دھند تو نہ کرو ناں، سوچ تو لو، کوئی ایک آدھ نکالو سوال؟ کسی غلطی کو ڈھونڈو۔ مولوی کہتا ہے کہ بہت بڑی کتاب ہے، بہت بڑی باتیں ہیں اس میں۔ عبادت کی باتیں تو غلطی نہیں ہوتی۔ خدا کہتا ہے کہ نماز پڑھو، کہو میں نہیں پڑھوں گا۔ مجھے تجھ پر یقین ہوگا تو پڑھوں گا؟ وہ کہے پیمبر مانو۔ کہہ دے پیمبر کیسے مانوں؟ تجھے نہیں مانتا، پیمبر کیسے مانوں؟ تو پھر آپ اس challenge کو قبول کرو۔ جو اللہ نے کہا ہے الٓمّٓ ہ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ جب آپ میں یہ ذہانت، علم و دانش، فکر اور questionability ہو، تب challenge قبول کرو، کچھ عمر دو۔ B.Sc. کو بائیس سال دیتے ہو ناں؟ قرآن کو ایک سال دے دو۔ تھوڑا سا ٹائم دو، غور و فکر کرو، ذہانت دو، علم دو۔ قرآن اس طرح نہیں سمجھ میں آتا جس طرح آپ سمجھتے ہو۔ قرآن کا background دیکھو۔ بہت لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے پچھلی civilizations سے بہت کچھ کاپی کیا ہے، بھئی وہ چیزیں لاؤ ناں جو پہلی civilizations میں تھیں۔ پہلی civilizations میں Ptolemy نے کہا تھا کہ زمین کھڑی ہے اور ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ 1542ء میں قرآن کے بعد Copernicus نے کہا سورج کھڑا ہے اور باقی ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ بیچ میں اللہ

آ گئے، نہ ادھر کے نہ اُدھر کے۔ نئی نرالی بات نکال لی۔ اگر اس نے نئی نرالی بات نکال لی ہے تو آپ اس کو غلط ثابت کرو؟ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ہ (ابراھیم:33:14) كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (لقمان :29:31) کہ کائنات میں جو کچھ ہے چل رہا ہے۔ بھئی کوئی ثابت کرے کہ نہیں اللہ میاں! Ptolemy صحیح تھا، Copernicus صحیح تھا، Galileo صحیح تھا، تُو کہاں سے بیچ میں آ گیا ہے؟ نہ کوئی تجربہ گاہ نہ کوئی دانش گاہ۔ آپ نے جا کے ٹھوک دیا اپنا بیان کہ تمام سیارے چل رہے ہیں۔ اس میں ثابت ہے ہی کوئی نہیں، کائنات میں ہر چیز چل رہی ہے۔ خواتین و حضرات! کتنا آسان ہے خدا کا انکار کرنا؟ تین سو صفحات میں آپ کو ایک بھی ایک جیسی statement نہیں ملے گی، کہ آپ ہنس کے، خوشی سے کہو گے کہ آج اللہ سے نجات ملی، جان چھوٹی۔ Because if a man makes thousand mistakes, he still remains a man. But if God makes one mistake, he does not remain God.

وما علینا الا البلاغ

سوال: اگر ہم نے عقل کے ذریعے خدا کو پہچاننا ہے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ عقل ناقص نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی زمانے کے علم کو سامنے رکھ کے قرآن کو دیکھنا ہے تو سولہویں صدی کے عالم کے لئے قرآن کی movements اور heavenly bodies والی آیت غلط تھی 'معذرت'، ایسی صورت میں صرف عقل پر بھروسہ کیا خدا سے دور نہیں لے جائے گا؟

جواب: خواتین و حضرات! جوں جوں انسان develop کرتا رہا، اس کے مطابق قرآن reveal کرتا رہا۔ تیرہ سو برس پہلے امتِ مسلمہ کے علماء، دانشور اگر قرآن پر یقین رکھتے تو آج آپ ایک ہزار سال دوسری اقوام سے آگے ہوتے۔ بہت بڑی بدقسمتی اس وقت ہوئی کہ تبع تابعین کے بعد مسلمان علماء، دانشوروں نے خدا کی کتاب پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔ آپ یقین جانیئے

کہ جہاں بہت ساری آرا لکھی ہوتی ہیں،Scientific opinion کا اندراج ہوتا ہے، کسی مسلمان عالم نے قرآن کی رائے درج نہیں کی۔ اگر درج کی ہوتی تو ایک probabilityاور possibilityضرور نکل آتی کہ مسلمان حکیم، دانشور اور فلسفی اس پر غور کرتے اور جو چیز Ptolemy کو تین ہزار سال قبل مسیح یاCopernicus کو1542ء میں اگر ان سے پہلے ان کو بھی پتہ ہوتا، کہ یہ کتابِ حکیم، ایک اللہ کی کتاب جو ہے یہ دعویٰ کر رہی ہے،تو کم از کم اسے کہیں نہ کہیں درخورِ اعتنا ضرور سمجھتا۔ اشاعرہ، ماتریدیہ،معتزلہ، یہ تمامmovements جو اسلام میں شروع ہوئیں نے مل کرGreek philosophy پر اعتبار کیا۔افسوس کہ قرآن پر اعتبار نہیں کیا،Roman philosophyاور خیال پہ اعتبار کیا، انکیmythologies پہ اعتبار کیا، افسوس کہ قرآن پہ اعتبار نہیں کیا۔ یہ بات مجھے آج نہیں پتہ چلی، بلکہ شروع سے جو قرآن پڑھتے چلے آئے تھے، انہوں نے مطالب کے لفظی تغیرات کے ذریعے قرآن کے معنی کو بدل دیا۔ اگر کوئی ایسا رویہ تھا کہ اگر قرآن پر اعتبار نہیں کر سکتے تھے کسی زمانے میں تو اس وقت مسلمانوں کے پاس ایک ایساattitude موجود تھا جس کی مثال میں آپکو دینے والا ہوں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ، رسول اکرم ﷺ کے حضور حاضر ہوئے، پوچھا ابوذرؓ جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ فرمایا اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ کہا: ابوذرؓ یہ سورج آسمانوں کی بلندی کو جاتا ہے،عرش تک پہنچتا ہے، پھر اسے حکم دیا جاتا ہے کہ پلٹ جا اور پھر یہ پلٹ جاتا ہے۔ پھر جب ایک وقت آئے گا کہ سورج کو کہا جائے گا کہ تو نے پلٹنا نہیں، بلکہ یہیں سے طلوع ہونا ہے۔

خواتین وحضرات!modern زمانے میں بڑے جید علماء اور مفکرین حدیث بہت سے ایسے نوزائیدہ عقول اور کم ترقی یافتہ اذہان نے اس حدیث پر بہت اعتراض کیا۔ سب سے بڑا اعتراض کیا کہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔ سورج کی صرف ایکmovement ہے جو ہمارے علم میں ہے۔اور سورج اُسی دائرے میں چلتا ہے اور اس کے علاوہ سورج کی کوئیmovement نہیں ہے۔ اگر وہ دس سال آگے بڑھتے یا پندرہ، بیس سال آگے آجاتے تو ان

پر یہ انکشاف ہوتا کہ سورج کی ایک movement نہیں بلکہ تین movements ہیں۔ ایک چھتیس ہزار سال کے بعد وہ Inner galaxy کو complete کرتا ہے، ایک movement ڈیڑھ سو برس میل کے حساب سے وہ ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جسے Solar apex کا نام دیا ہوا ہے۔کوئی بھی دانشور جب apex کا ترجمہ کرنا چاہے گا تو عرش اور بلندی کے سوا نہیں کر سکے گا اور اسی movement کی طرف حدیث اشارہ کرتی ہے۔

کم فہمی بڑا عذاب ہے۔قرآن کی تعلیمات میں بھی قرآن نے اس کی روایتِ فقہی کی کہ رکنا، جب تمہیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو رک جانا اور اس وقت کا انتظار کرنا جب تمہیں وہ بات سمجھ میں آجائے۔پھر خداوند کریم نے دومرتبہ فرمایا، کہ اگر تمہیں چیز سمجھ میں نہ آئے تو فَسْـئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُم لَاتَعْلَمُوْن (النحل:۱۶۔۱۴۳) تو اہلِ مذہب سے نہیں، شرع کے عالموں سے نہیں، بلکہ اہلِ ذکر سے پوچھنا۔خواتین وحضرات! یہ اہلِ ذکر کون ہیں؟ ان کے بارے میں خدا نے دوسری آیت میں واضح کیا کہ۔ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماًوَّ قُعُوْداًوَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران:۳۔۱۹۱) جو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (آل عمران:۳۔۱۹۱) اور زمین وآسمان کی تخلیقات پر غور کرتے ہیں۔قرآن کی آیات کیسے متغیر ہوئیں؟ تھوڑی سی مثال میں آپکو دیتا ہوں کہ آپ کے پاس قرآنِ حکیم موجود ہے کہ پہلے direct معنوں کو دوسرے اور secondary معنوں سے بدل دیا۔تعجب ہے۔خداوند کریم نے فرمایا: وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍوَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذّٰریٰت:۵۱۔۴۷) کہ ہم نے آسمانوں کو اپنے دستِ بازو سے بنایا، اپنے کرشمہ قدرت سے بنایا اور ہم اسے وسیع تر کررہے ہیں۔ وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ آپ دیکھئے کہ بہت عرصے بعد، جب برسی منائی گئی یا hundred years منائے گئے آئن سٹائن کے تو Newsweek نے جو رسالہ چھاپا اس کے اوپر ایک جملہ لکھا کہ Expanding Universe of Einstein ۔اگر قرآن کا لفظی ترجمہ کیا جاتا، اور خدا کی اس آیت کو تھوڑا سا کوئی سمجھتا اور نہ بھی سمجھتا تو اگر کسی کتابِ حکمت

میں mention کر دیتا کہ اللہ کہتا ہے کہ ہم نے آسمان بنائے ہیں اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ اور ہم انھیں وسیع تر کر رہے ہیں۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ آپکی یہ information آئن سٹائن کی information سے ایک ہزار سال پہلے اسے perceive نہ کرتی؟ مگر ایسا نہیں ہوا Because no body in those days تیرہ سو سال سے مسلمانوں نے اعلیٰ پائے کی تحقیق کو ترک کر کے تخلیقی لباس پہن لئے ہیں۔ اب اگر ذرا غور کیجئے کہ ابنِ رشد جو یورپی علوم کا امام، غزالی اور ابن رشد کی کتابیں سب سے پہلے جب Renaissance اور Reformation کی تحریکات یورپ میں شروع ہوئیں، جب یورپ کا دور جہالت تھا، مسلمان انتہائی ترقی یافتہ تھے۔ جب Cordoba میں اسّی ہزار حمام تھے، تو شانترے لیزا پیرس میں گھٹنے گھٹنے کیچڑ میں ڈوبا ہوتا تھا اور اس وقت دو سو برس تک Oxford University میں اور Cambridge میں ابن رشد اور غزالی کی کتابیں پڑھائی گئی ہیں۔ اگر اسوقت بھی دیکھیں تو عاد و ثمود کا ذکر جب قرآن حکیم کرتا ہے تو ابن رشد سے کسی نے پوچھا کہ کیا تم عذاب الٰہی سے نہیں ڈرتے؟ جب الہام کی education دے رہا تھا تو ابن رشد نے کہا کہ تم عاد و ثمود کے عذاب کی بات کرتے ہو؟ میں تو عاد و ثمود کے وجود کا ہی قائل نہیں ہوں۔ مگر خواتین و حضرات! عاد و ثمود کا وجود اب نکل آیا ہے۔ انکی باقیات نکل آئی ہیں۔ اس نے wait نہیں کیا، اس نے انتظار نہیں کیا، excited denial میں اس قسم کی تمام باتیں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک تمام سائنسی، علمی تحقیقات جو ہیں وہ قرآن کے معنی سے نہیں آ کے مل جائیں گی۔

غور کیجئے کہ قومِ سبا کے ضمن میں ہد ہد ایک خبر لایا تھا، حضرت سلیمانؑ کو جب اس نے بعد میں خط پہنچایا، اس سے پہلے ہد ہد کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اے پیغمبر! میں نے ایک قوم دیکھی ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے، سبائین کے آثار اس وقت موجود نہیں تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی وہ ایک اساطیر الاوّلین میں سے تھی۔ اسکے کوئی آثار ابھی نکلے نہیں تھے Only a few months before سبائین کی کھدائی شروع ہوئی تو سب سے پہلا جو sign نکلا

ہے اس پر Archaeologist نے یہ mention کیا ہے کہ This was a Nation which used to worship the sun اب بتایئے اگر ہم یا آپ تحقیق کریں یا انتظار کریں کہ کب آپ کا خدا سچا نکلے......ان دونوں باتوں کے علاوہ قرآن اس وقت بھی غلط نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہے۔ Ptolemy غلط تھا Copernicus غلط تھا، مگر مصیبت یہ تھی کہ مسلمانوں نے اس وقت قرآن پہ اعتبار نہیں کیا اور آنے والی Greek اور Roman کی information پہ اعتبار کیا۔ اس غلطی کو آپ قرآن کی نہیں یا science کی نہیں بلکہ ان علمائے اسلام کی غلطی کہیں گے جنہوں نے justification اور تحقیق نہیں کی اور خواہ مخواہ قرآنی آیات کو پسِ پشت ڈال دیا۔

سوال: سورۃ الحمد میں پہلا حصہ اللہ کی تعریف میں ہے۔ دوسرے حصے میں اِھْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ جن لوگوں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے، وہ کون لوگ ہیں؟ اور ان کو پہچاننا، انکی راہ پر چلنا کس حد تک لازمی ہے؟

جواب: خواتین و حضرات! بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کے زمانی تصور سے لوگ آشنا نہیں ہوتے۔ ہم لوگ قرآنِ حکیم کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسے jitters میں کوئی بات ہو رہی ہے۔ اوپر تک جاتے ہیں، کیونکہ ہمیں اسکا distance of time نہیں پتہ ہوتا۔ جب ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ دو متصل آیات میں کتنا فاصلہ ہے تو شاید پھر ہم کو سمجھ آتی ہے کہ قرآن کتنی وسیع تر زمانی کیفیت کا، دورانِ زماں کا مالک ہے۔ میں اسکی مثال آپ کو دیتا ہوں کہ قرآن کہتا ہے کہ، هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ط وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' (البقرۃ 29:2) ان دو آیات میں ہمیں اللہ نے کہا کہ ہم نے زمین کی تخلیقات کیں، پھر بلند ہوئے آسمانوں کو۔ خواتین و حضرات! 6 billion سے لے کر، اگر میں اسے مختصر کروں تو 16 billion سے لے کر 6 billion years اور کم سے کم 4.5 billion years ان دو آیات کی مدت بنتی ہے۔ اس زمین میں، زمین کی علیحدگی

اور زمین کے اسباب میں کم از کم ساڑھے چار ارب سال لگے ہیں جو ہمارے پاس اسکے facts موجود ہیں۔ اگر ہم سورج کو ساتھ ملالیں تو constellation کی عمر چھ ارب سال ہے۔اب قرآن میں یہ mention اللہ کا کتنا آرام سے ہے، بڑا معمولی سا ہے کہ اوپر تلے دو آیات میں 6 Billion سالوں کی تاریخ سمیٹ دی ہے آرام سے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اللہ کی عظمت کو دیکھتے ہیں تو آپ کو خیال ہوگا کہ اس نے کبھی بھی سورج کو کوئی بڑی چیز نہیں کہا۔ وہ سورج زمین سے شاید اٹھارہ ہزار گنا زیادہ ہے اور جس کی حرارت عزیزہ ہمیں یہاں تک پہنچتی ہے، جو ہماری زندگی اور رزق کا باعث بنتا ہے، اسکو خدا چراغ کہتا ہے، چھوٹا سا چراغ۔ یعنی اللہ کے نزدیک اتنا بڑا سورج ایک چھوٹا سا چراغ ہے۔اب بتائیں ایسی عظمت!!! ایسی بلندی اور ایسی پستی !!!

یہ میں آپ سے پہلے بھی lecture میں کہہ چکا ہوں کہ ہمارا problem یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے خدا کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے ذرائع، ہماری وسعت؟ میں اسکی مثال ایک اور دوں کہ ہمارا تصور جنت کے بارے میں کیا اور کتنا بڑا ہے۔مگر خدا نے صرف ایک جملے میں جنت کی وسعت کا تھوڑا سا ذکر کیا ہے، فرمایا کہ جس جنت کی تم آرزو کر رہے ہو، طلب کر رہے ہو، وَعَرۡضُهَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اسکی چوڑائی ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی لمبائی کے برابر ہے۔آپ کو ابھی پہلی کائنات کی چوڑائی اور لمبائی کا نہیں پتہ لگا۔مگر معمولی سا جائزہ یہ ہے کہ 18 billion light years کے فاصلوں پر واقع ہیں۔اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ اتنے بڑے پروردگار کی عظمتوں کا یا اس کی تخلیقات کے بارے میں سوچتے ہوئے ہماری information اتنی ناقص اور کمزور ہیں کہ ان تمام معاملات میں ہم maximum یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ''اللہ اَعلم'' ہے اور ان تمام اسباب اور سوالات کے جواب میں ہم اپنے انکسار اور بیچارگی علم کا صرف اعتراف کر سکتے ہیں اور یہی رویہ بہتر ہوتا ہے۔ جب ہمیں مزید علم ملے گا، جب ہم آگے بڑھ کر سوچنا چاہیں گے، ہماری informations بہتر ہو جائیں گی، اسی لئے خدا نے

ایک بہت خوبصورت بات کی ہے I don't think there is any comparison to that Ayat of Quran کہ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28:35) اللہ کے عالم اس کے لبادے کے سائے تلے ہوتے ہیں کہ جس کا علم جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا اللہ کو بہتر جانتے ہیں۔

سوال: آج کل حدود آرڈیننس کے سلسلہ میں TV پر مختلف point of views پیش کئے جارہے ہیں۔کیا آپ اپنا Point of view پیش کرنا چاہیں گے؟

جواب: خواتین وحضرات! میں نے اب تک جتنی بحث سنی ہے حدود کے بارے میں، انتہائی کم فہمانہ اور جاہلانہ ہے۔ابھی تک جو میں TV پر سنتا رہا ہوں، مجھے لگتا ہے کہ چند مسخرے ہیں جو اللہ کی آیات پر غور وفکر کررہے ہیں۔ان میں سے کچھ بڑے مسخرے ہیں اور کچھ چھوٹے مسخرے ہیں۔دیکھئے، اگر تھوڑا سا ہم غور کریں تو آیاتِ حدود مسلمانوں کا مسئلہ ہے، صرف پاکستانیوں کا مسئلہ نہیں ہے۔generally کوئی بھی آپ قانون اسلام کی کسی چیز کے بارے میں بناتے ہیں تو We don't have to include the street orders۔یہ پہلا اصول ہے۔یہ امتِ مسلمہ کا مسئلہ ہے، دانشورانِ اسلام کا مسئلہ ہے، فقیہان اسلام کا مسئلہ ہے۔اور فقہ کا chapter بہت different ہے۔دو چار حدیثیں سنانے یا دو چار آیاتِ قرآنی سنانے سے And in all the countries of Islam, we have certain schools جو فقہ کے نام پر مرتب ہوسکتے ہیں If at all the government is serious؟ یہ اشرافیہ کا مسئلہ نہیں ہے۔غور کیجئے یہ امتِ مسلمہ کا مسئلہ ہے۔حدود پہ غور کرنا، انکی نوعیت کو سمجھنا اور جو applicable آپ پر ہوگا وہ مصر میں بھی ہوگا۔آج ہم بھی استفادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کبھی جامع الازہر سے استفادہ ہورہا ہوتا ہے، کبھی University of Baghdad سے ہورہا ہے یا University of Saudi Arabia سے ہورہا ہے۔یہ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اگر امت واقعی serious ہے، اگر امت واقعی سمجھتی ہے یا حکومت سمجھتی

ہے، اصل میں اِس حکومت کے معیار میں جو سب سے بڑی صفت شامل ہے وہ کم علمی ہے۔ اور جب کم علمی حکومت کے معیار میں شامل ہو جائے تو بد قسمتی سے وہ ان جہلاء کو لبادہ دیتی ہے عالموں کی شکل میں جس کے بارے میں حدیث رسول ﷺ بڑی واضح ہے کہ زمانہءآخر میں دین لونڈوں کھونڈوں کے ہاتھ میں آجائے گا۔ وہ وجاہتِ ذات کے لئے اور TV appearances کے لئے دین پر رائے دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب تھوڑی سی ایک اور بات آپ کو بتادوں کہ بالجبر اور بالرغبت میں ایک بنیادی فرق ہے کہ بالرغبت کبھی اقرار کے سوا establish نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے کہ اس قسم کا کوئی فعل اگر دو پارٹیوں کے درمیان ہے تو وہ کبھی بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ اس کو افشا کریں۔ اس لئے وہ secrecy طلب کریں گے اور ہر صورت یہ کوشش کریں گے کہ یہ packet جو بالرضا ہوا ہے ان کے مابین رہے۔ مگر معاشرے کے لئے بالجبر سے زیادہ یہ خطرناک ہے۔ یہ کیوں؟ کیونکہ یہ youth میں ایک aggressive intention create کرتا ہے۔ ان لوگوں میں ایک ایسی مثال قائم کرتا ہے کہ It spreads like burning fire کیونکہ یہ نفسی اشکال ہے اور انسان کی اشتہا اس طرف جاتی ہے۔ اور بالرغبت کے اعمال معاشرے میں زیادہ سُرعت سے حرکت کرتے ہیں نسبتاً بالجبر کے۔ اور اب اگر بالجبر پر غور کیجئے تو آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ بالجبر commit ہو نہ ہو اس میں پانچ Crimes commit ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کوئی necessary نہیں ہے کسی صورت میں کہ اُس سے نجات ہو۔ اگر بالرضا صرف اقرار پر قائم ہوتا ہے تو بالجبر ہر حال میں قائم ہو جاتا ہے خواہ اسکا single witness ہو یا double witness ہو یا third witness ہو۔ وجہ یہ ہے کہ بالجبر سے پہلے کچھ crimes commit ہو جاتے ہیں۔ اب کسی نے گھر کی دیوار پھاندی، مار پیٹ کی، کسی سے دست درازی کی یہ قابلِ دست اندازی پولیس بن جاتا ہے۔ یعنی جبر کا فعل commit ہونے سے پہلے بھی چند crimes commit ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے یہ کہا نہیں جا سکتا، ایسے سوچا جا رہا ہے کہ جتنی discussion ہو رہی ہے، جیسے بالجبر جو ہے وہ

ایک final crime ہے، جسمیں کوئی اور crime حصہ نہیں لیتا۔ And on the contrary, it is a compound crime. Even somebody threats a woman for the same, he commits the crime. Harrassing is crime, tress-passing is a crime. And for the last اسمیں اغوا is a crime۔ اس سے پہلے اتنے crimes commit ہوجاتے ہیں کہ وہ اپنے انسداد کو پہنچ جاتے ہیں۔ باقی رہا چار گواہوں کی سزا......

خواتین وحضرات! بات یہ ہے کہ اگر کسی نے پہلے اس قسم کا قانون بنایا ہے، پارلیمنٹ نے یا حکومت نے، تو ہماری حکومتوں کے مذہبی معیار تو آپ سب کے علم میں ہیں۔ یعنی وہ کتنے مذہبی ہوتے ہیں اور کتنا انہوں نے مذہب کو promote کرنا ہوتا ہے۔ اب بھی شاید یہ discussion صرف اس لئے ہو رہی ہے کہ چند لوگوں کے دو چار بڑے شوق کو legalize کرلیا جائے۔ اس کا مقصد حدود پر کوئی discussion نہیں ہے۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ secularism کے تحت جو چند ایک ہمارے اشغال ہیں، جن سے ہم بچ نہیں سکتے، جن سے ہمارے بڑے بھی نہیں بچتے اور چھوٹے بھی نہیں بچتے، ان کو کوئی صورت protection کی دی جائے اور یہ ثابت کردیا جائے کہ یہ تمام مذہب جو ہے خرافات ہے اور اگر آپ نے دیکھا ہو تو TV کی ایک بڑی مستقل روایت ہے کہ جب دین کی مخالفت کرنی ہو تو ایک حسینہ، آفت کی پرکارہ سامنے بٹھادی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے حسن کا اپنا standard ہے اور اس کی شاندار شکل و صورت دیکھ کے بہت سارے نوجوان بھی impress ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور جو دین کو present کر رہے ہوتے ہیں، وہ اتنا مدہوش پرانا، ہونق سا مولوی ہوتا ہے کہ ان میں کوئی مناسبت ہی نہیں بنتی اور آدمی مجبوراً کہتا ہے کہ یار یہ کوئی مولوی ہے؟ یہ کوئی علم ہے؟ اب دیکھیں کہ پورے کا پورا دین represent ہو رہا ہے ایک ادنیٰ شخص سے۔ Every thing is sailable in this camp

اگر آپ غور کریں تو خدا کو، مذہب کے ideas sell کرنے والے اتنے بدشکل ہیں اور اتنے گئے گزرے ہیں اور دوسری طرف سیکولز کو sell کرنے والے ماشااللہ، اڑتے پھرتے ہیں۔ ایسے حسین! ایسے خوبصورت !!!یہ media جو ہے anti-religion ہے۔ یہ anti-religious technique ہے جو ساری دنیا کا media استعمال کرتا ہے religion کو بے قدر کرنے کے لئے اور سیکولرازم کو فروغ دینے کیلئے۔ پتہ نہیں موجودہ دور کے معروف ٹی وی چینلوں نے اپنی زندگی کے کتنے اسباب اکٹھے کئے ہوں اور کہاں کہاں سے کئے ہوں، جو مذہب کی ناقدری نمایاں کرنے پہ اتنا زور لگ رہا ہے۔اوپر سے جن علماء کو بلایا جاتا ہے، جو so-called عالم ہیں۔ان کے دو بڑے المیے ہوتے ہیں۔ جب زندگی میں پہلے کسی کو شہرت نہ ملی ہو تو زندگی کے کسی آخری دور میں شہرت مل رہی ہو تو اس بیچارے کا بڑا برا حال ہوتا ہے، وہ جلد از جلد بہت سارے عجیب و غریب اسرار منکشف کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ لوگوں میں، اور عوام الناس میں انہیں قبولیتِ عام حاصل ہو۔اس وقت TV پر جو scholars نظر آ رہے ہیں خواتین و حضرات! وہ زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو بڑی تیزی سے بات کرتے ہوئے، نظر آتے ہیں، ایسے جیسے ان کا حرفِ آخر کہیں مٹ ہی نہ جائے، تو وہ اپنی موت سے پہلے پہلے اس شہرتِ دوام کو پورا پورا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اور ماشااللہ TV اس میں ان کی مدد کر رہے ہوتے ہیں۔

سوال: دو سوال ہیں۔ایک تو انسان کے افعال میں اللہ کی مرضی اور اس کی اپنی مرضی کا کتنا دخل ہے؟ دوسرا یہ ہے کہ تمام کافر کیا دوزخ میں جائیں گے؟

جواب: دوزخ کے دو حصے ہیں خواتین و حضرات! یہ دوسرا سوال مجھے دلچسپ لگتا ہے اُس کا جواب پہلے دے دوں، کہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک مقام ہے جسے اعراف کہتے ہیں۔حاتم طائی وہاں ہے۔حاتم طائی وہ دنیا کے بڑے نیک، پرانے زمانے کے اشراف جنہوں نے بہر حال بہت ساری نیکیاں کیں، وہ اعراف میں ہیں۔ اعراف سے وہ اُوپر جنت کو تکتے ہیں اور آرزو

کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے، کبھی چاہے تو ہم جنت میں جاسکیں۔ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم سے اللہ کا اقرار نہ ہو سکا۔ کاش کہ ہم پر کوئی ایسی گھڑی آئے کہ ہم اعراف سے نکل کر جنت میں پہنچ جائیں۔ ان میں کچھ ایسے مسلمان بھی ہیں جن کے نام مسلمانوں کے ہیں، مگر دل میں وہ نفاق اور کفر کا شکار ہیں۔ تو جب رسول اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم آخری مرتبہ شفاعت کے لئے اللہ کے حضور گئے اور کہا کہ، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن آپ مجھے آزردہ نہیں چھوڑیں گے تو اے مالک وکریم! ابھی بھی میری امت کے کچھ لوگ جہنم میں ہیں۔ فرمایا نہیں میرے رسول ہم نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ ہم نے تیری جبین کو شکن آلود نہیں ہونے دیا۔ یہ تیرے نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب نے روک رکھا ہے۔ اصل میں سوال وہی علم وعقل کا ہے، کہ خدا اُسے نجات دیتا ہے، خدا اُسے بخشتا ہے جو اُسے جانتا ہو۔ اب بتائیں نا کہ ایک شخص ہے جو خدا کو سرے سے جانتا نہیں یا زندگی بھر اُس نے اُسے جاننے کی کوشش ہی نہ کی۔ تو یہ تمام مخلوقات wastage میں آتی ہیں۔ دوسرا سوال اس میں یہ اٹھتا ہے۔ کہ اگر کافر کو جہنم سے نکال کر کسی بہتر حیثیت میں ڈال دیا جائے، یا دوبارہ زمین پر بھیج دیا جائے۔ recasting کی جائے، تو کیا اسلام قبول کر لے گا؟ خدا اُس کا جواب قرآن میں دیتا ہے کہ یہ کہتے تو ہیں، کہ ہمیں ایک chance اور دے دو، شاید ہم change ہوں۔ خدا کہتا ہے کہ اگر ان کو سو مرتبہ بھی زمین پر بھیجا جائے تو یہی کچھ کریں گے۔ اس لئے As far as Kafir is concerned اس کی نجات کوئی نہیں، مگر پھر بھی ہے۔ یہ کیسے ہے خواتین وحضرات! یہ بات میرے ذہن میں ہے، مجھے لگتا ہے کہ اُس رحمت کریم نے ایک chance اُن کو بھی دیا ہوا ہے۔ normally ہم دیکھتے یہ ہیں مگر پہلے تھوڑا سا آپ کو واضح کروں کہ جہنم کے بارے میں ایک سوال کیا گیا اور یہ بڑا خوبصورت سا سوال ہے، آپ سنو گے تو enjoy کرو گے۔ علمیتِ prophet کو آپ enjoy کرو گے۔ بڑا عجیب وغریب سا ہے۔ پوچھا کسی نے یارسول اللہ ﷺ! جب یہ جنت کے اتنا بڑا ہونے کا ذکر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے قرآنِ حکیم نہیں پڑھا کہ جنت اتنی بڑی ہے کہ اُس کی چوڑائی

بھی زمین و آسمان کی لمبائی سے بڑی ہے، تو ایک صحابی نے question کیا، کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر جنت اتنی بڑی ہے تو دوزخ کہاں ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب دن طلوع ہوتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟

خواتین و حضرات! اگر غور کیا جائے، تو جواب سوال سے match نہیں کھاتا۔ رات اور دن تو کیفیات ہیں اور سوال جگہ سے متعلق ہے۔ سوال تو زمین پر ہے کہ اتنی بڑی جنت ہے جس نے پوری کائنات وسماوات کو گھیرا ہوا ہے تو دوزخ کہاں ہے؟ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب دن طلوع ہوتا ہے۔ تو پھر رات کہاں ہوتی ہے؟ تو اگر آپ غور کیجئے تو دن اور رات ایک زمین پر وارد ہوتے ہیں۔ اس طرح جنت اور دوزخ ایک ہی زمین پر وارد ہوتے ہیں۔ اگر جنت اُس کا crust ہے تو دوزخ اُس کا باطن ہے اور یہ بڑی خوبصورت بات ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی، کہ جدھر جدھر جمالِ پروردگار ہے، وہ جنت ہے اور جو اُس کے جمال سے محروم ہے وہ دوزخ میں ہے۔ ہے اسی جگہ اور دوزخ جو ہے یہ خدا کے حضور سے محرومی ہے اور جنت جو ہے حضورِ یزداں میں جمالِ پروردگار سے آشنائی ہے اور اگر آپ غور کیجئے، تو یہی مناسب لگتا ہے۔ اس لئے کافر کو سزا اللہ نے جہنم کی نہیں دی بلکہ فرمایا کہ اُسے ہم نے اپنی یاد سے بھلا دیا اور ڈرو اُس آیتِ قرآن سے، جو اللہ نے کہی کہ جب تم اس طرح ہمارے ساتھ کرتے ہو کہ زندگی بھر ہمیں بھلائے پھرتے ہو، پھر ایسا نہ ہو کہ ہم تمہیں اپنی یاد سے بھلا دیں اور اگر آپ کو اللہ نے اپنی یاد سے بھلا دیا تو پھر آپ کفر سے کہیں گئے گزرے ہیں اور ہاں پہلے سوال کا جواب خواتین و حضرات بہت لمبا ہے۔ اس کو میں اپنے ساڑھے بارہ گھنٹے کے ایک لیکچر میں جبر و قدر میں explain کر بیٹھا ہوں۔ اگر پوری رات اس سوال کے جواب میں گذر گئی تو بڑی مشکل پڑے گی۔ اس لئے آپ کا کھانا بھی جائے گا اور میرے خیال میں نیند سب کی چلی جائے گی۔ تو اس لیے اس سوال کو pending کر دیتے ہیں۔ کسی اور موقع پر موضوع ہی اس کو رکھ لیں گے۔

سوال: Why do we make fun of word Maulvi? Maulv is one

from whom we have learned the religion of Islam?

جواب: بڑا اچھا سوال ہے مگر دیکھیں بات یہ ہے، کہ آج لفظ مولوی جو ہے بذات خود کوئی اتھارٹی نہیں ہے۔ There is no church in Islam۔ سب سے بڑا جو نقص ہے اس لفظ کا کہ ہم اسلام کو بھی church میں گھیرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک خصوصی طبقہ ہے، جس نے ہماری ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔ جیسے Christian کو یہ کہا جا رہا ہے، کہ حضرت عیسیٰؑ نے سولی پر چڑھ کر تمام لوگوں کا جو انھیں مانتے ہیں کفارہ ادا کر دیا۔ جو یسوع مسیح کے خون میں نہا لیا وہ پاک ہو گیا۔ اسی طرح بد قسمتی سے امت مسلمہ میں religion کا ٹھیکہ مولوی کو دیا ہوا ہے۔ مولوی اس لئے دین میں ایک probably possessive ہو گیا ہے۔ جو کام آپ کا اور میرا ہے۔ جب اللہ نے مجھے اور آپ کو ذمہ داری بخشی ہے تو ہمیں اپنے تمام معمولاتِ مذہب کے لئے مولوی کو refer کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور فرض کرو کہ ہم کسی مسئلے پر الجھ جاتے ہیں۔ اور ہمارے مسائل الجھ جاتے ہیں تو ہم خود کہیں گے کہ میں ذرا سی تکلیف کے لئے بہتر سے بہتر specialist ڈھونڈ رہا ہوں اور کائنات کے سب سے بڑے مقصد کے لئے ایک نالائق ترین انسان ڈھونڈ رہا ہوں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ میں نے جب سب سے بڑی ترجیح کو ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے، سب سے بڑے علم کو ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے، تو میں ایک ایسے کم علم کو ڈھونڈ رہا ہوں جسے نہ اپنی شخصیت کا علم ہے نہ اُسے خدا کا۔

میں آپ کو frankly بتاؤں کہ جب ستارہ گرد، چاند پر جا رہے تھے تو میں اپنے گھر سے نکل رہا تھا۔ میں آپ کو دو مولویوں کی بات سناتا ہوں۔ وہ مجھے بہتر لگے کہ کم از کم انہوں نے سوال تو پوچھ لیا نا۔ جسے آپ مولوی کہتے ہو وہ پوچھتا ہی نہیں ہے۔ وہ rigid اور stubborn ہے کہ میں ہی کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہوں۔ تو مولوی صاحب مجھ کو رستے میں ملے انہوں نے کہا کہ پروفیسر صاحب! لوگ یہ کہتے ہیں کہ امریکہ چاند پہ اتر گیا ہے، تو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کفر ہے، یہ وسوسہ ہے۔ تو میں نے کہا کہ بھئی تمہارے بچے، میرے بچے، سب دنیا کے بچے چاند

کی تصویریں دیکھ رہے۔ وہ TV دیکھ رہے ہیں کہ کیسے وہ اترا ہے، کیسے وہ چلا ہے۔ اب اگر تم مسجد میں بیٹھ کر یہ اعلان کرو گے کہ اب چاند پر اترنا جو ہے مغربی دنیا کا، یہ فراڈ ہے، جھوٹ ہے تو تمہارے بچے تمہاری بات نہیں سنیں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ جاہلِ مطلق ہے۔ اس کو کوئی پتہ نہیں۔ اس کو sciences کا نام ونشان نہیں پتہ اور جیسے ادھر ہمارے ساتھ غلط بیانی کر رہا ہے، مذہب میں بھی کر رہا ہوگا تو اس کا تاثر ختم ہو جائے گا۔ ایک اور صاحب ملے انہوں نے کہا کہ یہ چاند پر پہنچنے کا دعوی کیسا تھا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ چاند پہ پہنچ جائیں بغیر سورج کے پہنچے ہوئے تو میں نے کہا کہ یہ آپ کو کیسے خیال آیا، کہ ان کا سورج پر پہنچنا لازم ہے۔ فرمایا تفسیرِ جلالین میں لکھا ہے کہ جو چیزیں کم فاصلے پر ہوں بڑی نظر آتی ہیں اور جو چیز دور کے فاصلے پر ہو چھوٹی نظر آتی ہے۔ سورج بڑا نظر آتا ہے تو چاند سے اُرے ہے، تو آدمی سورج پر پہنچنے سے پہلے چاند پہ کیسے پہنچ گیا۔ جو آپ کی مذہب کی تعلیم ہے، اسمیں چند ایک انفرادی لوگوں کو پتہ نہیں کیا عادت پڑی ہوئی ہے۔ آئن سٹائن کو تو آئن سٹائن ہی کہا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکرین کو ان کے اپنے ناموں سے پکارا جاتا ہے اور آپ کا، گلی کا، محلے کا جو مولوی ہے، وہ لکھتا ہے۔ زینۃ الحکماء، افضل العلماء۔ عالم زمانہ۔ یکتائے روزگار، فتنۂ عصر، جنابِ حضرت قبلہ مولوی الحاج فلاں فلاں۔ بھئی جس کو الف ب نہیں آتی زندگی کی اور علم وحکمت سے بیزار ہے وہ القابات سے خوش ہے اور جنہوں نے واقعی دنیا پلٹ دی ہے ان کو آپ کبھی ٹائٹل نہیں لگاتے ہیں۔ یہ خطاب، اندازہ یہ لگایئے کہ اگر آپ ڈھونڈنے جائیں گے نا، کہ کس نے فلاں شخص کو شیخ العرب وعجم کا نام دیا ہے تو آپ کو کبھی پتہ نہیں لگے گا کیونکہ یہ خودساختہ علماء ہیں، خودساختہ خطابات ہیں اور ان کو کسی شخص نے یہ نہیں دیئے بلکہ انہوں نے یہ title خود اپنے لئے بنائے۔

چھوٹی سی بات کہ سکھاتے مذہب ہیں، سکھاتے دین ہیں اور اپنے چھوٹے چھوٹے جملہ مولویوں کو اکابرین کے نام دیتے ہیں۔ تو اکبر کا لفظ تو عام حالات میں آپ استعمال کرتے ہوئے بھی غور کرتے ہو کہ یہ اکابرین کیسے ہوسکتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے

محلّوں میں بیٹھے ہوئے۔ کیا ایک مدرسہ جو آپ بناتے ہو وہ کسی نام کا بھی ہو۔ بھئی ہم علماء کے پاس اس لئے نہیں جاتے، ہم جاتے ہیں کہ مذہب کا ایک مقصد ہے۔ وہ ہے خدا کی پہچان، خدا کا جاننا۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ہ (البقرة: 138:2)۔ عبادت کرنے والے ایک مقصد جانتے ہیں مذہب کا کہ وہ اللہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیں گے۔ جب آپ ان کے پاس جاؤ، خواہ وہ دیوبند ہو، بریلوی ہو، اہلِ حدیث ہو، سنی ہو، سلفی ہو یا غیر سلفی ہو۔ ایک مقصد تو آپ لے کر جاتے ہو نا کہ آپ کی چاہت اپنے اللہ کے لئے ہے اور یہ کہ مجھے کوئی ایسے مقام پر پہنچا دے کہ میں اللہ کی شناخت کا حق ادا کر دوں۔ اللہ میاں اُدھر فرما رہے ہوتے ہیں کہ دیکھو تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے لئے دلیل چاہیے، علم چاہیے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ م بَيِّنَةٍ (الانفال:42:8) (جو ہلاک ہوا) وہ دلیل سے ہلاک ہوا وَ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ م بَيِّنَةٍ (الانفال:42:8) (جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔) وہ علم مانگ رہا ہے، وہ عقل مانگ رہا ہے، وہ استعمالِ فہم مانگ رہا ہے اور ہمیں جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ اکابرین کی پابندی، وہ سکولوں کی پابندی ہے۔ وہ پہلے خدا تو اب نہیں رہے، شاید لات و ہبل و عزیٰ تو نہیں رہے۔ اب در و دیوار ہی ان سکولوں کے ہمارے خدا بن گئے ہیں۔ ایسے عالم میں یہ سارے کا سارا المیہ جو ہے یہ کم علم لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے جنہیں تاریخ میں مولوی کہتے ہیں۔

سوال: یہ سوال توہین رسالت ﷺ کے حوالے سے ہے کہ اگر ایک مسلمان توہینِ رسالت کا مرتکب ہوتا ہے نعوذ باللہ، یا غیر مسلم مرتکب ہو تو دونوں کی سزاؤں میں کوئی فرق ہوگا؟

جواب: اس کے بڑے مراحل ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک آدمی مسلمان ہو اور توہین رسالت کا مرتکب ہو تو شاید Its a paradoxical statement. Naturally it should not be accepted unless & until ہمیں معلوم ہو کہ اس مسلمان کا دماغ خراب ہے یا وقتی طور پر کسی پاگل پن میں بھول چوک یا کسی ذہنی شقاوت کا اسیر ہو گیا ہے۔ کیونکہ مسلمان لا الہ الاللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ پڑھ کے ہی مسلمان ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ concept

ہونہیں سکتا۔ یہ ایک ایسا تضاد ہے کہ جو لفظی طور پر تو موجود ہوسکتا ہے practically کوئی مسلمان رسول ﷺ کی توہین نہیں کرسکتا۔ اب رہا کافر کا معاملہ۔ آپ نے دیکھا ہوگا رسول ﷺ کی زندگی مبارکہ میں بھی اُن کے ساتھ بہت ساری زیادتیاں ہوئیں، اہلِ کفر نے انتہا کردی۔ آپ ﷺ نے صبر کی انتہا کردی۔ انہوں نے نفرت کی انتہا کردی، آپ ﷺ نے محبت کی انتہا کردی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صفتِ عالیہ بہ حیثیت ایک انسان کے جو نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ محرومیوں کے ایک سمندر سے گزرے ہیں۔ پیدا ہوئے تو باپ نہیں تھے، تھوڑا سا ہوش آیا تو ماں نہیں تھیں پھر اس کے بعد دادا نہیں رہے، تو مسلسل محرومیوں کے ایک سلسلوں سے گزرے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جیسے آج کل ہمارے سارے لوگوں میں ہوتا ہے۔ Same type of psychological problem should have been there with the Prophet یا کوئی ایسا المیہ ہوجاتا یا کوئی اذیت پسندی آجاتی یا خود پسندی آجاتی یا اپنے آپ سے ہمدردی کا کوئی ایسا سبب نکل آتا مگر Prophet (PBUH) میں ایسا نہیں ہوا۔ وہ واقعی رحمت للعالمین تھے کہ ساری دنیا کے غم سمیٹے، تمام قسم کے المیے دیکھے اور اس کے عوض میں مخلوق کو محبت اور رحمت عطا فرمائی۔ یہ ایک ایسا انسان ہے جس کے بارے میں ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ اتنی بلند ہمتی اور اعلیٰ پائے کے اخلاقی مناسک کو کوئی اور انسان نہیں چھوسکتا۔

خواتین وحضرات! خدا کا پیغمبر تو بدلہ لینے کا قائل ہی نہیں ہے۔ ایک بڑی حدیث آپ کو سناؤں کہ آپ نے ایک شخص کو بددعا دی، صرف لفظی طور پر...... تو کسی صحابیؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ تو بددعا کے قائل نہیں ہیں، آپ نے اسے بددعا دی ہے؟ تو فرمایا کہ میں نے بہت پہلے خدا سے دعا مانگی تھی کہ اگر میں کسی کو بددعا دوں تو اسے قبول نہ کرنا۔ میں نے پہلے اسے guaranteed کیا ہوا ہے کہ میری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکل جائے جو اسکے حق میں اچھا نہ ہوتو میری درخواست ہے کہ تم قبول نہ کرنا، تو اس لئے اس کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ میری وہ دعا قبول ہوچکی ہے اَللّٰھُمَّ اَعُوذُ بِکَ مِنَ الدُّعَآءِ لَا یَسمُکَ کہ میں اس دعا سے پناہ مانگتا

ہوں جو قبول نہ ہو۔ یہ حضور ﷺ کی دعا ہے تو ظاہر ہے کہ کچھ نہیں ہوگا۔ اب حضورِ گرامی مرتبت ﷺ کو اگر choice دیا جائے...... فرض کیجئے، کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ان لوگوں کے ساتھ کیا کریں گے؟ تو آپ ﷺ ان کو معاف کردیں گے۔ آپ ﷺ ان کو یقیناً معاف کردیں گے مگر ایک رسول کریم ﷺ کی ذات ہے، ایک اللہ کا دین ہے، مذہب ہے۔ خدا نے قرآنِ حکیم میں فرمایا یا محمد ﷺ! آپ ان لوگوں کی خباثتِ فکر نہیں جانتے ہو۔ یہ صبح آپ کے دین میں داخل ہوں گے اور شام میں چھوڑ جائیں گے اور جب چھوڑ جائیں گے تو کہیں گے بھئی ہم نے تو قبول کیا تھا اسلام مگر اس میں تھا ہی کچھ نہیں اس لئے ہم نے شام کو چھوڑ دیا۔ یہ بدتر طریقہ ہے propaganda کا کسی religion کے خلاف۔ اس لئے جب اللہ کے رسول ﷺ کی توہین ہو تو خدا کا رسول ﷺ معاف کرنے کو تیار ہے۔ مگر ایسی توہین جس میں اللہ کی بھی توہین شامل ہو، دین کی بھی توہین شامل ہو، جہاں رسول ﷺ کی توہین سے مراد اسلام کو insult کرنا ہو، اس کی سزا رسول اللہ ﷺ نے نہیں رکھی بلکہ خدا نے خود رکھی ہے۔ جب فتح مکہ والے دن چار آدمیوں کے قتل کا حکم صادر ہوا کہ خواہ وہ کعبہ کے غلاف سے لپٹے ہوئے ہوں۔ تو اس حکم میں ہم fairly سوچ سکتے ہیں کہ توہینِ رسالت کی سزا خود اللہ نے رکھی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے implement کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا دریغ نہیں ہو سکتا۔

اب اگر آپ دیکھئے تو ہمارے لوگ جو ہیں کلچر کے نام پر یا Western اخلاقیات کے نام پر، افسوس کی بات یہ ہے کہ اتنے بدترین، Attila سے بھی زیادہ ظالم لوگوں کے، یا فرعون و ہامان سے بھی زیادہ ظالم لوگوں کو ہم cultured، اخلاق والا مانتے ہیں اور ان سے ہم ادھار یہ لیتے ہیں کہ ایک آدمی کا توہینِ رسالت میں قتل کرنا بڑی بری بات ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مہذب لوگوں کے بارے میں ایک بڑا خوبصورت جملہ لکھا تھا کہ اے فریسیو! یہودیو! لعنت زدہ لوگو! تم مچھر چھانتے ہو اور ہاتھی نگل جاتے ہو۔ یہ حال ہے West کا۔ اس کی دوسری مثال...... حجاج بن یوسف نے فتویٰ پوچھا، بڑا قاتل تھا، سفاک تھا، بے شمار لوگوں کو مروایا بھی تھا تو

وقت کے فقیہہ سے اس نے فتویٰ پوچھا کہ رات ایک بلی میرا کبوتر کھا گئی ہے۔ کیا اس بلی کا قتل جائز ہے؟ تو اس فقیہہ نے اسے جواب دیا: اے بد بخت! جو تو نے ہزاروں لوگوں کو قتل کروایا اور بیچ میں اصحاب رسول ﷺ کو بھی تم نے شہید کروایا تو اس وقت تم نے فتویٰ نہیں پوچھا، بلی کے قتل کا فتویٰ پوچھ رہا ہے، تو مہذب دنیا کا یہی ایک انداز ہے It's all depends on the narcissist propaganda جیسے ہو رہا تھا کہ اتنے جھوٹ بولو انسانیت نوازی کے کہ لوگ قائل ہو جائیں کہ تم انسانیت نواز ہو۔ But practically over one century of human deal, which we have seen, اسمیں کوئی بھی Western nation جو ہے یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے کسی قسم کے اخلاقی توازن کا ثبوت دیا ہے۔ First World War ہو یا Second World War ہو۔ It was not initiated by Eastern or Muslim countries. بلکہ جب یہود نے Last supper میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں نے درخواست کی کہ اللہ کے نبی آج آخری رات ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ اللہ سے دعا مانگو کہ آسمانوں سے ہمارے لئے کھانا اتارے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ ج وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (المآئدۃ 5:114) تو اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ میں ضرور انکے لیئے یہ خوان نعمت اتاروں گا۔ مگر پھر یہ ضرور مکر و فریب کریں گے، ضرور یہ غدار مذہب نکلیں گے، خدا پر اعتراض کریں گے، پھر میں کچھ سزا ان کے ہاتھوں ان کو زمین پر دے دوں گا۔

یہ ان میں جو آفات آئیں Most of the wars، مسلمان Crusades کے لئے باہر نہیں نکلا تھا بلکہ یورپ آیا تھا۔ ڈیڑھ سو برس یہ جنگ رہی، کبھی آپ نے اس حقیقت پر غور کیا کہ Crusades کے نتائج کیا تھے۔ ڈیڑھ سو برس تک مشرقی اور مغربی اقوام آپس میں ملی رہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کا رہن سہن دیکھا، ڈیڑھ سو برس مسلسل ایک دوسرے سے کلام کیا، باتیں کیں، ان کے کلچر دیکھے...... ایک change بھی مسلمان معاشرے میں اس ملاپ کی

وجہ سے نہیں آئی۔ آپ حیران نہیں ہوتے ہیں؟ کتنا مضبوط تھا اس وقت Islamic culture۔ آج آپ کا حال ہی جدا ہے۔ آدھی گھڑی بھی یورپ سے ہو آؤ تو حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے، انداز بدل جاتے ہیں، پتہ نہیں کہ آج ان کے ہاں کیا ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ Basically you have lost the nature of the simplest possible Islamic culture. آپ کے پاس وہ کلچر نہیں ہے جو پہلے مسافروں کے پاس ہوتا تھا۔ وہ Mauritius اترے تو پورا ماریشس مسلمان ہو گیا، Indonesia میں اترے تو انڈونیشیا مسلمان ہو گیا، سراندیپ گئے تو موتی چننے والے سارے مسلمان ہو گئے۔ جدھر جدھر مسلمان گئے اُدھر اُدھر اسلام پھیل گیا۔ جنگ سے victories بہت کم ہوئی ہیں۔ جنگیں تو اس لحاظ سے جزیرہ نما عرب پر ہی لڑی گئیں اپنے آپکو محفوظ کرنے کے لئے۔ مگر آپ ارد گرد نظر دوڑا کے دیکھو! جہاں اسلام ہے The most of the countries never seen a single soldier of Muslim army. یہ سارے مسلمان ہو گئے۔ اب غور کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کا کلچر بڑا عظیم تھا۔ ایک چھوٹی سی بات آپ دیکھئے کہ موسیٰ بن نصیرؒ نے تولون پر حملہ کیا Spain پر محاصرے کے لئے۔ صبح کے وقت ان کے سفیر آئے موسیٰ بن نصیرؒ کو ملنے کے لئے۔ موسیٰ بن نصیرؒ کی عمر کافی ہو چکی تھی اور سفید داڑھی تھی، تو انہوں نے جا کر اپنے بادشاہ کو کہا کہ مسلمانوں کا امیر مرنے والا ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر صبر کر جائیں، تو بیمار بھی ہے، مرنے والا ہے، یہ محاصرہ اٹھا کے چلے جائیں گے، چھوڑ جائیں گے۔ موسیٰ اتنا زیرک تھا کہ اس نے سب کچھ بھانپ لیا۔ تو اس نے کہا انکو کل پھر بلاؤ۔ اگلے دن اس نے خضاب لگایا، آپ یقین کرو، اس وقت خضاب کا علم بھی Christians کو نہیں تھا۔ آج تو سارے colour ہی ادھر سے آ رہے ہیں۔ تو اگلے دن جب وہ موسیٰ بن نصیرؒ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سارا حال دیکھا کہ جوان آدمی بیٹھا ہوا ہے اچھا بھلا، ہٹا کٹا، کالے سر کے بال۔ تو انہوں نے کہا کہ بھئی یہ تو جادوگروں کی فوج ہے، جلدی صلح کر لو۔ ورنہ یہ صرف ایک رات میں جوان ہو سکتا ہے تو باقی لوگ ہمارا کیا حشر کریں گے؟ And this

is the factual history of the fall of Toledo at the hands of Musa Bin Naseer. آپ سوچو کہ اس وقت کتنا مسلمان جدید ہوگا اور کتنا یورپ؟ یورپ تو اس وقت ماشاءاللہ اسطرح تھا کہ جس کا سر دکھتا تھا اس پہ demon چڑھتے تھے اور اس کے سر میں کیل ٹھونکتے تھے کہ نہ شیطان رہے نہ مریض، دونوں ختم ہو جاتے۔ تو اب میں مختصراً آپکو بتا رہا ہوں کہ We have lost our culture. If we are not winning تو یہ خدا کا قصور نہیں ہے۔ خدا اپنی کتاب میں لکھ چکا ہے بالکل وضاحت سے کہ تم وَلَا تَهِـنُـو میرے بارے میں سستی نہ کرنا وَلَا تَحزَنُو فضول رنج وغم میں مبتلا نہ ہونا۔ مایوسی میں مبتلا نہ ہونا وَاَنتُمُ الاَ علَونَ تم ہی غالب ہو اِن کُنتُم مُؤمِنِین اگر ایمان والے ہو۔۔

خواتین وحضرات اگر ہم غالب نہیں ہیں، تو آپ یقین جانیے کہ ہم ایمان والے نہیں ہیں۔ قولِ خدا حق ہے، وہ سچا ہے، اسکی کبھی کوئی بات غلط نہیں ہوگی۔ اسکو آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپکو اسکی ضرورت ہے۔ اقبال نے سچ کہا تھا It is always Islam which has come to help Muslims. Muslims have never helped Islam. آج بھی وہ بات سچی ہے، اللہ آپ کے بغیر بھی اللہ ہے۔ اور اللہ کا معیارِ کرم صرف مسلمان نہیں ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، پوچھا گیا، یارسول اللہ ﷺ! قیامت کب آئے گی، فرمایا جب تک زمین پر ایک بھی خلوصِ دل سے اللہ اللہ کہنے والا شخص موجود ہے، قیامت نہیں آئے گی۔ ایک اچھے مسلمان کی صفت آپ نے دیکھی ہے کہ جب تک بھی، ایک بھی نیک مسلمان اس زمین پر موجود ہے قیامت نہیں آئے گی۔ اتنی بڑی laboratory سے اللہ کو بہت سارے لوگ نہیں چاہئیں۔ وہ کثرت وقلت سے خدا نہیں بنتا، وہ اپنے وجود میں ہے۔ اپنے علم سے خدا ہے۔ آپ اسے خدا نہیں بنا سکتے ہو، نہ کفر اسے خدائی سے ہٹا سکتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک فردِ واحد کو کھڑا کرتا ہے اور فراعنۂ مصر کی تین سو سال کی حکومت کو غرقِ نیل کر دیتا ہے۔ اسے groups نہیں چاہئیں، اسے کوئی لشکر نہیں چاہیے۔ سوائے اسکے کہ وہ کسی پر ہاتھ تو رکھے نا، کہ یہ

میرا ہے۔ کسی نے پوچھا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے کہ مہدی کب آئیں گے۔ یہ جو ہم صبح و شام مہدی مہدی پکارتے ہیں تو مہدی کب آئے گا؟ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ مہدی تب آئیں گے جب تم اس دلہن کی طرح نہ ہو جاؤ جس کو شب اوّلین پتہ نہیں ہوتا کہ اسکا خاوند کیسا ہو گا۔ وہ ظالم نکلے گا، اچھا نکلے گا، ساری زندگی اس کے ساتھ گزارنی ہے، پتہ نہیں کیسے گزرے گی۔ جب وہ ایسی پیچیدگی اور سراب میں ہو اور جب خدا سے دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے کہ یا اللہ! شبِ اوّل کسی اچھے خاوند سے سامنا کرانا۔ جب تمہارا اور دلہن کا حال ایک طرح ہو گا تب مہدی آئے گا۔

18th, June 2006.

علٰمت
پروفیسر احمد رفیق اختر